دینِ رحمت

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی

وَذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البينة)

دینِ رحمت

اس میں تفصیل کے ساتھ یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام بلاتفریق مذہب وملت اور دوست ودشمن سارے انسانی طبقوں بلکہ پوری کائنات کے لیے سراسر عدل ورحمت ہے۔

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ، یو۔ پی (الھند)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

عالم انسانیت نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت ورہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا، اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری دین اسلام ہے، وہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ گذشتہ الہامی مذاہب کا جو امتداد زمانہ سے خود اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں مسخ ہو چکے تھے، مصلح اور ان کی آخری مکمل شکل ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تکمیل پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (آل عمران-۱)	آج ہم نے تمہارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمھارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

اسلام سے پہلے جس قدر بھی الہامی مذاہب دنیا میں آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبائل کے لیے تھے اور ان کی تعلیمات بھی اس دور کے انسانی عقل وشعور اور اس کی ضروریات کے مطابق محدود تھیں، دنیاوی امور ومعاملات سے ان کو بہت کم تعلق تھا، لیکن اسلام انسانی عقل وشعور کے دور بلوغ کا آخری مذہب ہے اور اس کی دائمی رہنمائی کے لیے آیا ہے، اس لیے وہ سب مذاہب سے زیادہ عالمگیر بھی ہے اور جامع ومکمل بھی، اس کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے، اس کے دائرے سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی باہر نہیں ہے، وہ اس کی جملہ دنیوی واخروی اور مادی وروحانی ضروریات کا کفیل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس میں دین ودنیا اور جسم وروح کی تفریق نہیں بلکہ دنیا میں احکامِ الٰہی

کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی کا نام اسلام ہے، اس میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر دور کی صالح انسانی ترقی کا ساتھ دے سکتا بلکہ اس میں اس کی رہنمائی کرسکتا ہے، مذہب کے اس تصور نے مذہبی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کردیا جس سے ساری دنیا متاثر ہوئی، اس کتاب میں اسلام کی اسی جامعیت اور تمام انسانی طبقات اور عالم انسانیت پر اس کے احسانات اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کو دکھایا گیا ہے۔

مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ پر غیر مصنفین تعصب یا ناواقفیت کی بنا پر جو اعتراضات کرتے ہیں دارالمصنفین نے اپنی تصانیف میں ہمیشہ ان کو پیش نظر رکھا، اس کتاب میں خاص طور سے اس کا لحاظ رکھا گیا ہے اور دارالمصنفین کی مختلف کتابوں میں اس کے متعلق جو منتشر مواد ہے اس کے بعض حصے جو اس کتاب کے مباحث سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ نقل کردیا گیا ہے اور اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم و اضافہ بھی کیا گیا ہے، جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لیے مفید بنائے۔

دارالمصنفین کی طلائی جوبلی کے موقع پر حکومت ہند نے جو عطیہ دیا تھا، یہ کتاب اسی کے صرف سے شائع کی گئی ہے اس کے لیے ادارہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نائب صدر جمہوریۂ ہند کا شکر گذار ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۱۵/مارچ ۱۹۶۷ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

اسلام کی بعض امتیازی خصوصیات

ابتداے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے جس قدر پیغمبر مبعوث فرمائے اور ان کے ذریعہ جس قدر مذاہب بھیجے، ان سب کا مقصد مغفرتِ الٰہی، انسانوں کا اخلاقی و روحانی تزکیہ وتطہیر اوران کی دنیاوی واخروی فلاح وسعادت تھی، جس کے بغیر دنیا کا نظام بھی قایم نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے یہ سب مذاہب انسانوں کے لیے رحمت تھے، لیکن انسانیت کے ابتدائی دور میں ان کا کوئی عالمگیر تصور نہ تھا، خدا کی مخلوق جغرافی، نسلی اور قبائلی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی، جن کے دیوی دیوتا جدا جدا تھے، بلکہ ایک ہی قوم اور قبیلہ کی مختلف ضرورتوں کے لیے مختلف دیوتا تھے، ان میں کسی مشترک رب العالمین کا عقیدہ نہ تھا، اس لیے اس زمانہ میں جو پیغمبر مبعوث ہوئے اور جو مذاہب آئے، وہ خاص خاص قوموں کی اصلاح اور ہدایت ورہنمائی کے لیے تھے، ان کی تعلیمات اس زمانہ کے انسانوں کی عقل و شعور اور ضروریاتِ زندگی کے مطابق سادہ اور محدود اور محض موٹی موٹی اخلاقی باتوں پر مشتمل تھیں، اس لیے ان کی رحمت بھی محدود تھی، پھر جس قدر زمانہ گذرتا گیا انسانوں کی عقل وفہم ترقی کرتی گئی اور زندگی کی ضروریات میں وسعت اور مسائلِ حیات میں پیچیدگی پیدا ہوتی گئی، اسی نسبت سے اس دور کے مذاہب کی تعلیمات میں بھی وسعت اور گہرائی آتی گئی،

اسلام انسانوں کے عقلی بلوغ اور تمدنی ترقی کے دور کا مذہب ہے، اس لیے اس کی تعلیمات میں جو وسعت اور جامعیت ہے اس سے تمام گذشتہ مذاہب خالی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کا آخری اور مکمل مذہب قرار دیا اور اس پر اپنی نعمت تمام کر دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (آل عمران-۱)	آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

اور اس کے پیغمبر ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب-۵)	محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین تھے۔

اس لیے اسلام ابد تک کے لیے ساری کائنات کے لیے جملہ اخلاقی، روحانی، دنیاوی اور مادی ضروریات کا جامع ضابطۂ حیات ہے اور انسانوں سے لے کر حیوانات اور نباتات تک کوئی مخلوق بھی اس کے فیضان رحمت سے محروم نہیں، اس کتاب کا مقصد اس رحمت عام کی تفصیل پیش کرنا ہے۔

قدیم مذاہب: اسلام سے پہلے تمام مذاہب قومی تھے یعنی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھے، کسی دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی، ظہور اسلام کے وقت چار بڑے مذہب تھے، یہودیت، عیسائیت، ہندوازم اور بدھ مت، لیکن یہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں اتنے مسخ ہو چکے تھے کہ خود اپنی قوم کی رہنمائی سے قاصر تھے، دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کیا کر سکتے۔

یہودی مذہب بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھا، توریت میں ہے کہ ''موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہو'' (استثناء:۳۳-۴) اس کا خاص مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا تھا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (خروج ۳ درس

۷تا۱۲)ایک دوسری آیت میں ہے"بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے" (خروج ۴-۲۲)قرآن مجید میں بھی ہے کہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہی خدا کی چاہیتی اولاد ہیں۔

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (مائدہ-۳) ہم خدا کے فرزند اوراس کے چہیتے ہیں

لیکن عملاً وہ خدا کے سب سے بڑے باغی تھے،تمرد اور سرکشی ان کی فطرت میں تھی،اپنے پیغمبروں تک کو قتل کردیتے،توریت،انجیل اور قرآن مجید ان کی بداعمالیوں کے ذکر سے معمور ہیں۔

زبور میں ہے۔

"کتنی بارانھوں (بنی اسرائیل) نے بیابان میں خدا سے بغاوت کی اور ویرانے میں اسے بیزار کیا......اور اس کی شہادتوں کو حفظ نہ کیا بلکہ برگشتہ ہوے اور اپنے باپ دادوں کے مانند بے وفائی کی اور ٹیڑھی کمان کے مانند ایک طرف پھر گئے۔"(زبور-۱۸)

انجیل متی کا ۳۰واں باب ان کی مذمت سے بھرا ہوا ہے،اس کا ایک نمونہ یہ ہے:

"اے رعایا کار فقیہو! اور فریسیو! افسوس تم سپیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر سے مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکیوں سے بھری ہوئی ہیں،اس طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو،پر باطن میں رعایا کار اور شرارت سے بھرے ہوے ہو...... اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس،کیونکہ نبیوں کی قبر بناتے اور راست بازوں کی گور سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے،اس طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھرو،اے سانپو اور سانپو کے بچو! تم جہنم کے

عذاب سے کیوں کر بھاگو گے۔" (زبور و انجیل متی باب ۲۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اخلاقی حالت کتنی پست ہو چکی تھی، کلام مجید میں سورہ بقرہ اور آل عمران میں ان کی بداعمالیوں کی پوری تفصیل ہے، ان میں شریفانہ اخلاق کا شائبہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا، اس لیے وہ ہمیشہ دوسری قوموں کے تختۂ مشق بنے رہے، ان کا قبلہ تک ان کے ہاتھوں سے چھن گیا اور مختلف اوقات میں مختلف قوموں نے اس پر قبضہ کر کے یہودیوں کے مقدس مقامات کو مسمار اور ان کی مذہبی کتابوں کو نیست و نابود اور ان کو غلام بنا کر مختلف ملکوں میں منتشر کر دیا، ان کا کوئی قومی وطن نہ رہ گیا تھا، وہ یورپ، ایشیا اور افریقہ میں صدیوں غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرتے رہے، پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد تک ان کی یہی حالت تھی، پھر برطانیہ اور امریکہ کے سہارے ان کو فلسطین میں قدم جمانے کا موقع ملا۔

یہودیوں میں ظاہر پرستی اور تشدد زیادہ تھا لیکن اخلاقی حیثیت سے بالکل تہی مایہ تھے، اخلاق و روحانیت کے فقدان نے ان میں بڑی شقاوت پیدا کر دی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے عیسائیت میں زیادہ نرمی اور لچک ہے اور عیسائی مذہب میں ظاہر پرستی اور تشدد کے مقابلہ میں روحانیت اور اخلاق پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کی اخلاقی و روحانی تعلیمات زیادہ بلند ہیں، لیکن جہاں تک عیسائی مذہب کی عالمگیریت کا تعلق ہے، اس کا دائرہ بھی یہودی مذہب سے زیادہ وسیع نہیں، گو بعد کے عیسائیوں نے اس کو تبلیغی مذہب بنا دیا، لیکن خود عیسائیت کا مقصد صرف یہودی مذہب اور یہودیوں کی اصلاح تھی، انجیل میں ہے کہ

> "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کے لیے نہیں بھیجا گیا، مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کے لیے پھینک دوں" (انجیل متی ۱۵-۱۰)

یہ آیات اس کی شاہد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد صرف بنی

اسرائیل کی اصلاح وتجدید تھی بایں ہمہ عیسائی مذہب کی تعلیمات نہایت پاکیزہ اوراخلاق وروحانیت سے معمور ہیں اوران میں یہودی مذہب کی درشتی اورتنگ نظری کے مقابلے میں زیادہ وسعت، زیادہ نرمی اورانسانی ہمدردی ہے، لیکن ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کودنیا سے رخصت ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذراتھا کہ ان کے پیرووں نے اس کوخرافات کا مجموعہ بنادیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روحانی شاگردپال نے تثلیث یعنی باپ، بیٹے، روح القدس کی الوہیت کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل کیا پھربعد میں جوجوقومیں عیسائی مذہب کے دائرہ میں داخل ہوئیں انھوں نے اس کےعقیدے کے ساتھ ساتھ اپنے دیوی دیوتا بھی اس میں شامل کرلیےاورعیسائیت مختلف اورمتضادعقائدوخیالات کا معجون مرکب بن گئی، رومیوں کےعیسائیت قبول کرنے کے سلسلہ میں ڈریپرلکھتا ہے:

”ان دونوں(عیسائی اور بت پرست رومی) کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہواکہ دونوں کے اصول شیروشکر ہوگئے اورایک نیامذہب پیدا ہوگیا جس میں بت پرستی اورعیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلوجلوہ گرتھیں...... جوں جوں زمانہ گذرتا گیاوہ مذہبی عقائدجن کی تفصیل ٹرلین نے بیان کی ہے، بدل کرایک عام پسندمگرپایۂ اخلاق سے گرے ہوے مذہب کی شکل اختیارکرتے گئے، ان عقائد میں قدیم یونانیوں کی اصنام پرستی کا عنصرمخلوط ہوگیا، عقیدۂ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھالا گیا اورمریم عذراکوخداکی ماں کا لقب دیا گیا“(معرکۂ مذہب وسائنس ڈریپرص ۶۲، ۶۵، ۶۶)

عیسائیت کا سب سے عجیب عقیدہ کفارہ کا ہے یعنی سارے انسان پیدایشی طورپرگناہ گارہیں، مسیح نے سولی پرچڑھ کران کا کفارہ اداکیا، اس عقیدے کوآج کوئی عقل سلیم بھی قبول نہیں کرسکتی۔

ہندومذہب اگرچہ نہایت قدیم ہےاوراس میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی وروحانی اور

حکیمانہ تعلیمات ہیں اور اس کا ایک فلسفہ بھی ہے لیکن یہ مذہب اتنا پرانا ہو چکا ہے اور اس میں اتنے تصرفات ہو چکے ہیں کہ وہ مجموعۂ اضداد بن گیا ہے، اس میں توحید بھی ہے، شرک و بت پرستی بھی ہے اور الحاد و دہریت بھی، اس کے کوئی بنیادی عقاید ہی نہیں ہیں جن کا ماننا ہر ہندو کے لیے ضروری ہو، ایک موحد بھی ہندو ہے، مشرک بھی ہندو ہے اور ملحد و دہریہ بھی ہندو، بس اس کے لیے ہندی الاصل ہونا اور اس کے متضاد مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا ماننا کافی ہے۔

اس مذہب کی سب سے بڑی خرابی طبقاتی تقسیم ہے، ان میں سے بھی ہر ایک کے حقوق و فرائض متعین ہیں، جن سے وہ باہر قدم نہیں نکال سکتے، منوسمرتی کی رو سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کا جو درجہ اور جو فرائض متعین ہیں ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے، شودروں کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہے، ان کا کام صرف اپنے سے اعلیٰ طبقوں کی خدمت ہے، ان کا سایہ بھی اعلیٰ طبقوں کے افراد پر پڑ جانا جرم ہے، ان کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو سننے اور ان کی عبادت گاہوں میں داخلہ تک کی اجازت نہیں، اس کی پوری تفصیل منوسمرتی میں موجود ہے، پھر یہ مذہب قومی ہے یعنی کسی دوسرے مذہب کا پیرو اس میں داخل نہیں ہوسکتا، چنانچہ ایک زمانہ تک ہندوؤں میں دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں سے اس قدر چھوت تھی کہ وہ ان کا سایہ بھی اپنے اوپر نہ پڑنے دیتے تھے، ہندوستان سے باہر نکلنا ان کے لیے حرام تھا، ان حالات میں وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرسکتا ہے، گو اب مسلمانوں اور عیسائیوں کی تقلید میں ہندو مذہب کو بھی تبلیغی بنانے کی کوشش جاری ہے، لیکن جب تک وہ اپنے اصولوں کا پابند ہے وہ تبلیغی مذہب نہیں بن سکتا، ہندو دھرم درحقیقت اصطلاحی معنوں میں مذہب نہیں بلکہ صرف ایک معاشرتی نظام اور زندگی بسر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

بدھ مت کو البتہ تبلیغی مذہب کہا جاسکتا ہے لیکن اس میں مذہب کا بنیادی پتھر یعنی خدا اور آخرت کا تصور ہی سرے سے غائب ہے اور اگر کبھی رہا بھی ہو تو اب اس کی تعلیمات

میں اس کا مطلق پتہ نہیں چلتا بلکہ اب اس میں بھی ہندوؤں کی بت پرستی کے اثر سے بدھ کی پوجا رائج ہوگئی ہے، بدھ ازم درحقیقت برہمنی مذہب کی تنگ نظری اور تشدد کے خلاف ردِعمل اور اس کی اصلاحی شکل ہے جس کی بنیاد انسانی اخوت و ہمدردی اور ترک دنیا پر ہے، اسمیں ہندوستان کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ رواداری اور انسان دوستی ہے، لیکن جس مذہب میں خدا اور یومِ آخرت کا تصور نہ ہو وہ مذہب ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور جس کی بنیاد ترکِ دنیا پر ہو وہ عالم انسانیت کا مذہب نہیں بن سکتا، اس لیے بدھ مت اصطلاحی معنوں میں کوئی مذہب نہیں بلکہ اشراقی حکما کے رہبانہ تصور کی طرح ترکِ دنیا کے ذریعہ آلامِ دنیا سے رستگاری اور روحانی طمانیت اور سکون حاصل کرنے کا ایک زاہدانہ اور راہبانہ فلسفۂ زندگی ہے۔

ایرانیوں نے بڑی شان وشوکت حاصل کی اور تمدنی حیثیت سے دنیا کی قوموں میں ان کا درجہ بہت بلند تھا، لیکن ان کا قدیم مذہب ستارہ پرستی تھا، زردشت نے سب سے پہلے مذہب واخلاق کی آگ روشن کی اور خیر وشر یا نور وظلمت کے دو خدا یزداں اور اہرمن قرار دیے اور آگ کو اس کا مظہر بنایا جو مجوسی مذہب کہلایا، پھر مانی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے ایک نیا مذہب ایجاد کیا، اس کی بنیاد بھی رہبانیت پر تھی، اس کی اصل تعلیم یہ تھی کہ ترکِ دنیا سے دنیا کو اور ترکِ ازدواج سے انسانی نسل کو منقطع کردیا جائے، اس کے بغیر بدی کا خاتمہ نہیں ہوسکتا (۱) اس لیے یہ مذہب بھی عالمِ انسانیت کا مذہب نہیں ہوسکتا تھا۔

پھر یہ مذاہب بھی اپنی اصل شکل میں نہ رہ گئے تھے اور ان میں طرح طرح کے باطل خیالات وفاسد اعمال شامل ہو گئے تھے اور ان کے ماننے والوں کی اخلاقی حالت اتنی پست ہوچکی تھی کہ ان میں محرمات کا بھی امتیاز نہ رہ گیا تھا، باپ کا بیٹی سے اور بھائی کا بہن سے شادی کرلینا معلوماتِ زندگی میں ہوگیا تھا، ان میں انسانی مساوات کا کوئی تصور نہ تھا، ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کا غلام تھا، بادشاہوں اور امیروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کے سامنے

(۱) تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی

سجدہ کرتی اوراس کی ثناوصفت کے گیت گاتی تھی۔(تاریخ غرراخبار الفرس ثعالبی ص ۵۰۲)

سب سے پہلے مزوک نے انسانی مساوات کا تصور پیش کیا مگراس شکل میں کہ دولت اور عورت کوتمام انسانوں کی مشترک ملک قرار دیا، اس لیے ہوس رانوں میں یہ مذہب بہت مقبول ہوا، شاہی سرپرستی بھی اس کو حاصل ہوگئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ہوس رانی اور سرمستی میں غرق ہوگئی اور چند ہی برسوں کے اندر بے سروسامان عربوں نے کیانی شان وشوکت کے پرزے اڑادیئے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ ظہوراسلام سے پہلے کے تمام مذاہب میں رہنمائی کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی، وہ خود اپنے ماننے والوں کے لیے زحمت بن گئے تھے تو دوسرے کے لیے کس طرح رحمت بن سکتے تھے۔

اسلام کی عالمگیریت: عین ان حالات میں اسلام دینِ رحمت بن کر ظاہر ہوا اور اپنی رحمت کی بارش سے انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی ہری کردی، اس کتاب کا مقصد مذہب اسلام کی تفصیل پیش کرنا نہیں بلکہ صرف اس کی رحمت کے بعض نمایاں پہلوؤں کو دکھانا ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ اسلام سے پہلے کے سارے مذاہب قومی تھے یعنی کسی خاص قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے آئے تھے ان میں عالمگیریت نہ تھی، اسلام پہلا مذہب ہے جو سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آیا، قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْراً وَّ نَذِيْراً وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ (سباء-۳)

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو سارے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب لوگوں کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں،

السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ (اعراف-۲۰)	جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

حدیث نبویؐ میں ہے:

کان کل نبی یبعث الی قومه خاصة	ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا
وبعثت الی کل أحمرو أسود	اور میں تمام سرخ وسیاہ قوموں کی طرف
(مسلم باب المساجد)	بھیجا گیا ہوں۔

اسلام کی بے پایاں رحمت: اس لیے آپؐ کی ذاتِ قدسی صفات ساری کائنات کے لیے رحمت ہے، خود قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ	میں نے آپ کو سارے جہان کے لیے
(انبیاء-۷)	رحمت بنا کر بھیجا۔

چنانچہ اسلام کی ہر چیز میں رحمت نمایاں ہے، اس کا خدا رحمٰن ورحیم ہے اور اس کے تمام صفات میں رحمت و رافت غالب ہے، کلام مجید میں جس کثرت سے رحمتِ خداوندی کا ذکر آیا ہے کسی صفت کا ذکر نہیں ہے، تین سو سے زیادہ آیتوں میں صفت رحمت کا ذکر ہے، قرآن مجید کا آغاز ہی اللہ کے اسم ذات یعنی اللہ کے بعد اسمائے صفات میں رحمٰن و رحیم سے ہوا ہے، ہر وصف کے کمال کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک شدت وقوت، دوسرے کثرت ووسعت، رحمٰن شدت رحمت کا مظہر ہے اور رحیم کثرت کا، رحمٰن فعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا خاصہ شدت وقوت ہے یعنی رحمت کا وہ انتہائی درجہ جس کے بعد کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا، اس لیے اسم ذات اللہ کی طرح رحمٰن کا اطلاق بھی خدا کے سوا کسی دوسری ذات پر نہیں ہوسکتا، اسی طرح رحیم فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کا خاصہ تسلسل اور کثرت ہے یعنی رحمت کا بے پایاں اور ناقابلِ انقطاع سلسلہ، اس اعتبار سے رحمت الٰہی اپنی شدت وقوت اور کثرت وتسلسل دونوں لحاظ سے بے پایاں ہے، لفظِ رحمت کے علاوہ اس کے ہم معنی اوصاف مثلاً غفور، تواب، ذوالرحمہ، ارحم الراحمین اور خیر الراحمین

وغیرہ کے ذکر سے کلام مجید کی آیات بھری ہوئی ہیں، ان میں سے صرف چند آیتیں جو گویا بادۂ رحمت کا سرجوش ہیں نقل کی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے رحمت اپنے اوپر فرض کرلی ہے۔

قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللّٰهُ كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام-۲)	پوچھیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے، کہہ دیجیے کہ اللہ کا ہے، اس نے (مخلوقات پر) رحمت اپنے اوپر فرض ٹھہرالی ہے۔
كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام-٦)	تمھارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت واجب کرلی ہے۔

گناہ گاروں کو بھی اس کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوْا عَلَى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر-٦)	کہہ دیجیے کہ اے میرے بندوں جنھوں نے گناہ کرکے اپنے اوپر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی گمراہوں کا کام ہے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ اِلَّا الضَّالُّوْنَ (حجر-۴)	ابراہیم نے کہا کہ گمراہوں کے علاوہ کون ہے جو اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے۔

احادیث نبوی میں بکثرت رحمت الٰہی کا ذکر ہے۔

رحمتی سبقت علی غضبی .	میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کراں جس کی کوئی حدو انتہا نہیں، دنیا میں جس قدر رحمت و رافت بھی پائی جاتی ہے وہ اس کی رحمت کا ادنیٰ ترین حصہ ہے، حدیث نبوی میں ہے:

جعل الله الرحمة مأة جزء فأمسك عنده تسعة و تسعين جزءاً وأنزل في الأرض جزءاً واحداً فمن ذلك الجزء تترحم الخلق حتى ترفع الفرس على ولدها خشية ان تصيبه (بخاری کتاب الادب باب جعل اللہ الرحمۃ فی مایۃ جزء)	اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے، ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین میں بھیجا، اس حصہ کا یہ اثر ہے کہ جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتی کہ گھوڑی اپنے بچے کو کھر سے بچانے کے لیے اس کو اٹھا لیتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ ایک قیدی عورت اپنا دودھ دوہتی ہے اور دوسری قیدی عورتوں کا جو شیر خوار بچہ نظر آتا ہے اس کو چھاتی سے چمٹا کر پلاتی ہے، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے حاضرین سے پوچھا کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کے اختیار میں نہ ڈالنا ہو تو کبھی نہ ڈالے گی، فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔(۱)

مغفرت الٰہی: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ گناہگاروں کے لیے بھی بند نہیں، بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، حدیث قدسی ہے۔

یا ابن آدم انك مادعوتني ورجوتني غفرت لك على ما كان فيك قبل ذلك ابن آدم انك ان تلقاني بقراب	اے ابن آدم تو مجھ سے جو بھی مانگے گا اور جو بھی توقع کرے گا تو اس سے پہلے جو اعمال بھی تو کر چکا ہے، بخش دوں گا، اگر

(۱) بخاری باب رحمۃ الولد وتقبیلہ

الأرض خطاءً لقيتك بقرابها مغفرة بعد ان لا تشرك لي شيئا ابن آدم انك ان تذنب حتى يبلغ عنان السماء ثم تستغفرلي اني غفرت لك و لا أبالي (۱)	تو زمین بھر گناہوں کے مرتکب کی حیثیت سے مجھ سے ملے گا تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ تجھ سے ملوں گا، بشرطیکہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے، اگر تو آسمان کے بادلوں کے برابر بھی گناہ کرے گا اور مجھ سے مغفرت کا خواستگار ہوگا تو میں معاف کردوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص گناہ کا مرتکب ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا، میرے پروردگار میں نے گناہ کیا ہے، تو مجھے بخش دے، خدا نے فرمایا: میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے، جو گناہوں کو معاف بھی کردیتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے، اس لیے میں نے اس کو بخش دیا، چند دنوں کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور عرض گذار ہوا، پروردگار! میں نے پھر گناہ کیا ہے تو مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اسکا پروردگار ہے جو گناہوں کو بخش بھی دیتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے، اس لیے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا، وہ جو چاہے کرے، تیسری مرتبہ پھر گناہ کیا اور پھر التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرے گناہ معاف کردے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ جانا کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہوں کو بخش بھی دیتا ہے اور اس کا مواخذہ بھی کرتا ہے جا جو چاہے کر، میں نے تجھ کو بخش دیا۔ (۲)

پہاڑ کے برابر گناہ بھی رحمتِ خداوندی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں میری امت کی ایک جماعت ایسی ہوگی جس کے گناہ پہاڑ کے برابر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں کو معاف کردے گا۔ (۳)

(۱) مسند دارمی ص ۳۶۵ (۲) مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۲ (۳) ایضاً ص ۲۵۴

یہ شانِ رحمت دیکھ کر لوگ تمنا کریں گے کہ کاش انھوں نے زیادہ گناہ کیے ہوتے لوگوں نے عرض کیا، ایسا کیوں ہوگا، فرمایا: اللہ برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دے گا۔(۱)

رسول کی شانِ رحمت: اس قسم کی اور حدیثیں بھی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے، جس سے بڑا سے بڑا گناہگار بھی محروم نہیں، بشرطیکہ اس میں اپنے گناہوں کا احساس اور اس پر ندامت اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور مغفرت کا پورا یقین ہو اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی شانِ رحمت کا ظہور گنہ گاروں ہی کے لیے ہوگا کہ ؎

مستحقِ کرامت گناہگارانند

رحمۃ للعالمین بھی گناہگاروں کے لیے سراسر رحمت وشفقت تھے اور آپؐ ایسے گناہوں میں جو حقوق العباد سے متعلق نہ ہوں اور ان کا اعلان نہ ہوا ہو اور گناہگار کو اپنے گناہ پر شرمندگی وندامت بھی ہو، چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا: یارسول اللہ! میں نے سزا کے قابل گناہ کیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری کیجیے مگر آپؐ نے کوئی توجہ نہ فرمائی، نماز کا وقت آچکا تھا، جماعت ہونے لگی، اس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز ختم ہونے کے بعد پھر اس نے کہا: یارسول اللہ میں نے سزا کے قابل گناہ کیا ہے، آپؐ مجھ پر حد جاری کیجیے، آپؐ نے اس سے پوچھا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، فرمایا: جاؤ تمھارا گناہ خدا نے معاف کردیا۔(۲)

لیکن گناہ کے صریح اعتراف واعلان کے بعد جب تاویل کی کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی اس وقت حد جاری فرماتے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کی لغزش کا اقرار کیا، آپؐ نے

(۱) مستدرک حاکم ج۴ص۲۵۲ (۲) بخاری کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ باب اذا اقراء بالحد ولم یبین

سن کر دوسری طرف منھ پھیر لیا، اس طرح اس نے چار مرتبہ اقرار کیا، جب تاویل کی کوئی گنجایش نہیں رہ گئی تو آپؐ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے حق میں کلماتِ خیر فرمائے۔(۱)

• اسی طریقہ سے ایک صحابی ماعزؓ بن مالکؓ سے زنا کی لغزش ہوگئی، ان سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جاؤ خدا سے معافی چاہو، اس کے حضور میں توبہ کرو، یہ سن کر ماعز لوٹ گئے، تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے پاک کیجیے، پھر وہی جواب ملا، ماعز پھر لوٹ گئے لیکن دل کا کانٹا کسی طرح چین نہ لینے دیتا تھا، اس لیے پھر لوٹ آئے اس مرتبہ پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کس چیز سے پاک کردوں، ماعز نے عرض کیا: زنا کی گندگی سے، آپؐ نے حاضرین سے پوچھا ان کو جنون تو نہیں ہے، معلوم ہوا ایسا نہیں ہے، پھر پوچھا شراب تو نہیں پی ہے، ایک شخص نے اٹھ کر منھ سونگھا تو شراب کا کوئی اثر نہ تھا، اس کے بعد آپؐ نے تصریح کے ساتھ پوچھا کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے، ماعز نے صاف لفظوں میں اقرار کیا، اس اقرار کے بعد آپؐ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں، کسی نے کہا ماعز تباہ ہوگئے، ان کو گناہوں نے گھیر لیا، کسی نے کہا ماعز سے بڑھ کر کسی کی توبہ نہیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا مجھے سنگسار کیجیے، دو چار دن کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ماعز کے لیے مغفرت کی دعا کرو، سب نے مل کر مغفرت کی دعا فرمائی، دعا کے بعد فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام امت پر تقسیم کی جائے تو اس کے لیے کافی ہے۔(۲)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک ظریف عبداللہ تھا، جس کو لوگ مذاق میں حمار کہتے تھے، یہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بذلہ سنجی سے ہنسایا کرتا تھا مگر شراب کا عادی تھا اور کئی

---

(۱) بخاری باب الرجم بالمصلی (۲) مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنا، غالباً دونوں واقعے ایک ہی ہیں، مسلم کی روایت میں بخاری کے واقعہ کی تفصیل ہے۔

مرتبہ آپؐ نے اس کو سزا دی تھی، ایک مرتبہ جب وہ اسی جرم میں لایا گیا تو ایک شخص نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو، اس جرم میں کتنی مرتبہ پکڑ کر لایا جا چکا ہے، آنحضرت ﷺ نے سنایا تو فرمایا: اس پر لعنت نہ بھیجو، خدا کی قسم وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔(۱)

ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا، مجھ سے روزہ کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کی لغزش ہو گئی، آپؐ نے فرمایا: اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو، عرض کیا میرے پاس کوئی غلام نہیں ہے، فرمایا تو دو مہینے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا اس کی طاقت نہیں ہے، فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، عرض کیا اس کی بھی استطاعت نہیں ہے، اتنے میں ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس ایک تھیلا کھجور لایا، آپؐ نے اس شخص کو یہ کھجوریں دیدیں اور فرمایا جاؤ اسی کو صدقہ کردو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان میرے گھرانے سے زیادہ محتاج گھرانا دوسرا نہیں ہے (یعنی اس صدقہ کا سب سے زیادہ مستحق میں خود ہوں) یہ سن کر آپؐ اتنا ہنسے کہ دندانِ مبارک کھل گئے اور فرمایا: اچھا لے جاؤ، اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔(۲)

حقوق العباد میں عفو نہیں ہے: اس قسم کے اور واقعات بھی حدیثوں میں ہیں لیکن یہ طرزِ عمل صرف انہی مجرموں اور گناہگاروں کے ساتھ تھا جن کو حقوق العباد سے تعلق نہ ہو اور اس کا اعلان عام نہ ہوا ہو اور گناہگار کو گناہ پر ندامت اور شرمندگی بھی ہو، ورنہ جرم کے ثبوت کے بعد حدودِ الٰہی کے اجرا میں تامل اور کسی قسم کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے چوری کی، لوگوں کی خواہش تھی کہ اس کو سزا نہ دی جائے، مگر آنحضرت ﷺ سے سفارش کی ہمت نہ پڑتی تھی، اس لیے حضرت اسامہ بن زید کو جنھیں آپؐ بہت محبوب رکھتے تھے، درمیان میں ڈالا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے

---

(۱) بخاری کتاب الحدود باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ (۲) بخاری کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان

سفارش کی، آپؐ نے فرمایا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو اور اس کے لیے مخصوص خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ (یعنی اگلی امتیں) اس لیے گمراہ ہوے کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب معمولی آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد اس کا ہاتھ کاٹتا۔(۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کے مقدمات حاکم کے پاس پہونچ جانے کے بعد معاف نہیں کیے جاسکتے، اس لیے کہ اس کے بغیر عدل نہیں قایم ہوسکتا، جس پر معاشرہ کی بنیاد ہے۔

بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشی: اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو حدیثیں اور آنحضرت ﷺ کے عفو و درگذر کے جو واقعات نقل کیے گئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ انسان رحمت کے بھروسہ پر گناہوں پر جری اور بداعمالیوں پر دلیر ہو جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ بڑے بڑے گناہ کو معاف کرسکتا ہے لیکن بندوں کا فرض اوامر و نواہی کی پابندی اور معاصی سے پرہیز ہے، ورنہ انبیاء کی بعثت اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، لیکن اگر فطرت بشری سے کبھی کوئی لغزش ہو جائے تو اس کا کفارہ توبہ و ندامت ہے "التائب کالذی لاذنب له" اللہ تعالیٰ کی ایک صفت التواب بھی ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے، اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی خوشی اس شخص کو ہوتی ہے جس کا اونٹ مسافرت کی حالت میں بے آب و گیاہ میدان میں گم ہو جائے اور پھر مل جائے۔(۲)

گناہ کے اثرات و نتائج: گناہ سے انسانی شرافت مسخ اور اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے اور اس کے اخلاقی فضائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، گناہوں کا عمداً اور اعلانیہ ارتکاب اور اس پر اصرار اللہ اور اس کا رسول کیا دنیاوی مصلح اور دنیاوی حکومتیں بھی گوارا نہیں کرسکتیں، اگر جرم

---

(۱) بخاری کتاب الحدود باب کراہۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان (۲) بخاری کتاب الدعوات باب التوبۃ

اور گناہ کی آزادی دے دی جائے تو دنیا میں بداخلاقی اور ظلم وزیادتی کا دور دورہ ہو جائے، حقوق العباد میں ایک حق بھی محفوظ نہ رہے اور دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی کے انسداد کے لیے دنیاوی حکومتیں بھی قانون بناتی ہیں، اگر قانون کے مواخذہ کا خوف نہ ہو تو بدی اور شر کی حکومت قایم ہو جائے، اس لیے انسانی معاشرہ کے قیام اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے عفوودرگذر سے زیادہ مواخذہ ضروری ہے، جس کے بغیر عدل قایم نہیں ہو سکتا، اس لیے گناہوں پر عفوودرگذر کی آیات واحادیث سے زیادہ مواخذہ اور وعید کی آیات و احادیث آئی ہے۔

انسانی فطرت میں اصلاح اور اس کے اعمال میں حسن وتناسب، خوف ورجا دونوں سے مل کر پیدا ہوتا ہے، محض رجا عمل میں سست بنادیتی اور بداعمالی میں مبتلا کر دیتی ہے اور محض خوف وہراس مایوس اور عمل کا حوصلہ پست کر دیتا ہے، اسی لیے الایمان بین الخوف والرجاء کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں اعتدال وتناسب ہی سے اعمال میں حسن و تناسب پیدا ہوتا ہے، اس لحاظ سے بداعمالیوں اور گناہوں پر سزا اور عذاب کی وعید بھی انسانوں کے لیے رحمت ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

توحید اور اس کے اثرات و نتائج

پہلے باب میں جو آیات و احادیث نقل کی گئی ہیں ان کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ اسلام کا خدا محض جبار و قہار نہیں بلکہ رحمٰن و رحیم بھی ہے اور قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں گناہوں پر مواخذہ اور وعید کے پہلو بہ پہلو عفو و درگذر اور رحمت اور مغفرت کی بشارتیں بھی ہیں، آیندہ ابواب میں یہ دکھایا جائے گا کہ اسلام کن کن حیثیتوں سے انسانیت کے لیے رحمت ہے، رحمت کی دو قسمیں ہیں، ایک ظاہری اور بدیہی، دوسری معنوی اور داخلی، ظاہری رحمت وہ ہے جس کو رحمت ماننے پر موافق و مخالف اور دوست و دشمن سب متفق ہوں، مثلاً انسانی اخوت و مساوات، خدمت خلق، انسان دوستی، عدل و انصاف، رحم و کرم اور حقوق نسوانی وغیرہ اور بعض معنوی یا داخلی ہیں، جو اپنے نتائج کے اعتبار سے رحمت ہیں مثلاً توحید و رسالت اور حشر و نشر کا عقیدہ جن کے ملحدین سرے سے منکر ہیں اور مشرک توحید و رسالت کے قائل نہیں ہیں، اس لیے یہ دونوں ان کو رحمت نہیں مانتے حالاں کہ یہ دونوں انسانوں کے لیے سراسر رحمت ہیں، توحید ہی نے انسانوں کا درجہ بلند کیا اور ان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کر کے ساری مخلوق میں ان کو عظمت و شرف بخشا اور انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ انسان نے خدا کو پہچانا اور آج دنیا میں اخلاق و روحانیت کی جو روشنی بھی نظر آتی ہے، سب

انہی نفوسِ قدسیہ کا فیض ہے، رحمت کی ان دونوں قسموں میں سے پہلے معنوی رحمت کو دکھایا جائے گا۔

اسلام کی سب سے بڑی رحمت عقیدۂ توحید ہے: عالمِ انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان اور اس کی سب سے بڑی رحمت عقیدۂ توحید ہے، توحید اس سے پہلے کے مذاہب میں بھی تھی لیکن مرورِ زمانہ اور انسانی تصرفات سے کسی مذہب میں بھی توحیدِ خالص باقی نہ رہ گئی تھی اور ان مذاہب میں بھی جو اصلاً مذہب توحید ہیں کسی نہ کسی راہ سے شرک داخل ہو گیا تھا حتی کہ دینِ ابراہیمی میں بھی جو توحید کا معلم اول ہے، شرک اور بت پرستی داخل ہو گئی تھی اور عربوں میں علانیہ بت پرستی رائج تھی، خانۂ کعبہ جو روئے زمین میں خدائے واحد کی پہلی پرستش گاہ تھی بتوں کا معبد بن گیا تھا۔

توحید کامل کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کے سوا کسی قوت کو کارساز، حاجت روا اور کسی کے ہاتھ میں اپنا نفع وضرر نہ سمجھے، اس تصور سے انسان ہر قسم کی غلامی اور عبودیت سے آزاد ہو جاتا ہے، اس لیے توحید درحقیقت انسانی شرف وعظمت کا سنگِ بنیاد ہے، شرک کی ابتدا خوف ورجا، جلب منفعت، دفع مضرت اور بڑی اور برگزیدہ شخصیتوں کی مفرط عقیدت واحترام کے جذبہ سے ہوتی ہے، انسان اپنے دورِ جہالت میں جن چیزوں سے ڈرتا تھا یا اس کے گمان میں جن چیزوں سے اس کو فائدہ پہنچنے کی امید یا نقصان پہونچنے کا خطرہ تھا یا جن قوتوں کو اپنا کارساز سمجھتا تھا، ان کی خوشنودی اور رضا جوئی اور ان کے قہر وغضب سے بچنے کے لیے ان کی پرستش کرنے لگا، کائنات کی قوتوں، دیوی دیوتاؤں، آفتاب وماہتاب، دریا جنگل، پہاڑ، ولیوں، بزرگوں حتی کہ منفعت بخش اور موذی جانوروں تک کی پوجا اسی جذبہ سے شروع ہوئی، اسلام نے ان سارے اوہام کی جڑ کاٹ دی۔

اسلام کا تصور توحید: اس نے بتایا کہ دنیا کی ساری مخلوق کی خالق وکارساز ایک ذات واحد ہے، اس کے سامنے ساری مخلوق اور دنیا کی تمام طاقتیں خواہ وہ ولی ہوں یا پیغمبر بالکل عاجز درماندہ ہیں، موت وزندگی، صحت وبیماری، نفع ونقصان سب اسی کے اختیار میں ہے،

اس میں کسی مخلوق کو کوئی دخل نہیں، اس کے حضور میں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخصیت خواہ وہ ولی و پیغمبر ہی کی کیوں نہ ہو، سعی و سفارش کی جرأت نہیں کرسکتی، کلام مجید شرک کی مذمت، اس کی مضرتوں اور توحید کی تعلیم و تاکید سے معمور ہے، اس کی تفصیل بہت طویل ہوگی، اس لیے اس کی صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

معبود صرف ایک ذات واحد ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (بقرہ-۱۹)	تمھارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

وہی ہر چیز کا خالق اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (انعام-۱۳)	یہ ہے تمھارا پروردگار، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو۔

اسی نے آسمان و زمین پیدا کیے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام-۹)	اسی نے آسمان و زمین پیدا کیے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (یونس-۷)	ہاں آسمانوں اور زمین جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

وہ ان سب کا پروردگار ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (صافات-۱)	وہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔

یہ سب کے سب اسی کے تابع و فرمان ہیں۔

بَلْ لَہٗ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَہٗ قَانِتُوْنَ (بقرہ-۱۴)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے ہے اور وہ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔

موت وزندگی اسی کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کوئی ناصر ومددگار نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَانَصِيْرٍ (توبہ-۱۴)

بیشک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمھارے لیے اس کے سوا کوئی حامی ومددگار نہیں۔

وہی ساری مخلوق کو روزی دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ (ذاریات-۳)

بیشک اللہ ہی روزی دینے والا اور مضبوط قوت والا ہے۔

نفع ونقصان سب اسی کے اختیار میں ہے۔

وَاِن يَّمْسَسْكَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَہٗ اِلَّا هُوَ وَاِن يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ (یونس-۱۱)

اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچائے تو اس کو سوا اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ (رعد-۲)

اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دفع کرنے والا نہیں ہے اور ان کے علاوہ کوئی ان کا کارساز نہیں ہے۔

عزت وذلت سب اسی کے اختیار میں ہے۔

وَمَن يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ (حج-۲) — جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔

ساری نعمتیں اسی کا عطیہ ہیں اور یہ نعمتیں حد شمار سے باہر ہیں۔

وَآتَاكُم مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا (ابراہیم-۵) — اور تم کو ہر وہ چیز عطا کی جو تم نے مانگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اس لیے عبادت کے لائق اسی کی ذات ہے اور سارے پیغمبروں نے اسی کی تعلیم دی ہے۔

يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ (اعراف-۸) — اے قوم اللہ کی پرستش کرو، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

اس کے علاوہ جن لوگوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ سب خدا کی مخلوق ہیں۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَالَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (اعراف-۲۴) — کیا وہ ان بتوں کو (خدا کا) شریک ٹھہراتے ہیں جنھوں نے کچھ پیدا نہیں کیا اور خود مخلوق ہیں۔

جن کی تم دہائی دیتے ہو، وہ تمھاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (اعراف-۲۴) — بیشک اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم بلاتے ہو، تمھاری ہی طرح بندے ہیں۔

ایسے لوگوں کی دعا سے کیا حاصل جو تم کو کوئی نفع وضرر نہیں پہنچا سکتے، ان کو پکارنا سراسر اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَايَنْفَعُكَ وَلَايَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذاً مِّنَ الظَّالِمِيْنَ (یونس-۱۱) — اور اللہ کے سوا کسی ایسے کو نہ پکارو جو تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً ظالموں میں سے ہوگے۔

وہ تمھاری کیا خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ (اعراف-۲۴)	جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ذات کی۔

ان کے قبضہ واختیار میں ایک ریشہ بھی نہیں ہے۔

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَایَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ (فاطر-۲)	اور جنھیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ ایک ریشہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔

ایسے لوگوں کو پکارنا لاحاصل اور بے نتیجہ ہے، حقیقی پکار صرف خدا ہی کے لیے ہے۔

لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَاءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ (رعد-۲)	سچا پکارنا اسی (خدا) کے لیے ہے، اس کے علاوہ جو لوگ کسی کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی کام نہیں آسکتے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے کہ اس کے منہ تک پہونچ جائے اور وہ کبھی نہ پہونچے گا۔

اس لیے شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان-۲)	بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک بہت بڑی گمراہی ہے، اس کو خدا کبھی نہ بخشے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (نساء-۱۸)	بیشک اللہ اس کو کبھی نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ہاں اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ یقیناً بڑی گمراہی میں مبتلا ہے

پیغمبروں کی حیثیت اوران کا صحیح مقام: شرک کا سب سے بڑا سبب پیغمبروں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کی عقیدت میں غلو اوران کے درجہ اور مقام کی تعیین اوراختیارات کے حدود میں التباس ہے، اس میں بڑے بڑے عقلاء کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ ان کو الوہیت کے صفات سے متصف کردیتے ہیں، اس لیے کلام مجید نے خاص طور سے پیغمبروں کی حیثیت، ان کے درجہ ومقام اوران کے اختیارات کی پوری صراحت کردی ہے کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں، چنانچہ پیغمبروں کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ اَمْثَالُكُمْ (ابراہیم-۲)

ان کے پیغمبروں نے ان سے (اپنی امت) سے کہا کہ بیشک ہم بھی تمھارے ہی جیسے بشر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (کہف-۱۲)

آپ کہہ دیجیے کہ میں بھی تمھاری طرح بشر ہوں بجز اس کے کہ مجھ پر وحی آتی ہے

ایک دوسرے مقام پر ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَراً رَسُوْلاً (بنی اسرائیل-۱۰)

آپ کہہ دیجیے کہ سبحان اللہ میں بجز اس کے اور کیا ہوں کہ بشر ہوں اور رسول ہوں۔

کلام مجید میں جابجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ آپؐ کی عبدیت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجاً (کہف-۱)

ساری تعریفیں اللہ کے لیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اوراس میں ذرا بھی کمی نہیں رکھی۔

پیغمبر بھی کسی کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا (جن-۲)

آپ کہہ دیجیے کہ میں تمھارے لیے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

بلکہ خود اپنے نفع ونقصان پر بھی قدرت نہیں۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ (یونس-۵)

آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا، مگر یہ کہ اللہ کو جو منظور ہو۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (جن-۲)

آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اولوالعزم پیغمبروں کے عجز ودرماندگی کا یہ حال ہے کہ تو کسی دوسری شخصیت کا کیا ذکر ہے، ان آیات نے شرک کے سارے منفذ بند کر کے اس کی جڑ کاٹ دی۔

انسانی عظمت وشرف: توحید کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف ہے، جب خدا کے علاوہ کوئی کارساز اور حاجت روا نہیں اور نہ کسی کے ہاتھ میں انسانوں کا نفع وضرر ہے، بڑے بڑے پیغمبر تک اس کے سامنے عاجز ودرماندہ ہیں اور تنہا وہی پرستش کے لائق ہے تو قدرۃً انسان دنیا کی ہر غلامی سے آزاد ہوگیا، کسی طاقت کا بندہ وغلام باقی نہیں رہا، اس سے قطع نظر دنیا میں اسلام پہلا مذہب ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا اور اس کو پوری کائنات پر فضیلت وبرتری عطا ہوئی۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰی كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی اور برتری عطا کی اور خشکی وتری کی طاقتیں اس کے تابع کردیں جو اس کو اٹھائے پھرتی ہیں،

تَفْضِیْلاً (بنی اسرائیل-۷)
اور پاکیزہ چیزیں اس کے کھانے کو دیں اور بہت سی مخلوقات پر ہم نے اس کو فضیلت و برتری عطا کی۔

زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، سمندر، خشکی و تری، سب انسان کے انتفاع کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهَارَ (ابراہیم-۵)
اور اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے اور آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ تمھارے رزق کے لیے پھل پیدا کیے اور کشتی کو تمھارے لیے مسخر کردیا جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور تمھارے لیے نہریں مسخر کیں۔

آفتاب و ماہتاب تک جن کی وہ اپنی نادانی سے پوجا کرنے لگا تھا، اس کے لیے مسخر کیے گئے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ (ابراہیم-۵)
اور تمھارے لیے سورج اور چاند اور دن اور رات مسخر کیے۔

یہ ساری چیزیں انسان کی آسایش و انتفاع کے لیے پیدا کی گئی ہیں اس کی عبادت و پرستش کے لیے نہیں، اقبال نے بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے — جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں — یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ فضائیں — تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

انسان کو ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی، اس کے سر پر سب سے بڑے منصب

نیابتِ الٰہی کا تاج رکھا اور اس کی عظمت و برتری کے انکار پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود قرار پایا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ اَنْبِؤُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ، قَالَ یَا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَاءِ هِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ
(بقرہ-۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں اس زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں، وہ بولے کیا تم ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا اور خونریزی کرے گا، دراں حالیکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سارے نام (حقائق اشیاء) سکھادیے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان کے نام تو مجھے بتلاؤ اگر تم سچے ہو، فرشتوں نے کہا ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا تو نے ہم کو سکھایا ہے، بیشک تو ہی بڑا علم والا حکمت والا ہے، اللہ نے فرمایا: اے آدم تم ان کو ان کے نام بتلاؤ، پس جب انھوں نے ان کے نام بتلا دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں میرے علم میں ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے

ہو، میں سب جانتا ہوں اور وہ وقت یاد
کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم
کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس
نے نہیں کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر میں
آیا اور وہ کافروں میں تھا۔

اس سے بڑھ کر انسانی عظمت تصور میں نہیں آسکتی، اقبال نے اس واقعہ سے انسانی عظمت کے بڑے لطیف پہلو پیدا کیے ہیں۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور خودگرے خود شکنے خودنگرے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات چشم واکرد جہانے دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ درخاک تپیدم ہمہ عمر تاازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

انسانی مساوات: اسلام سے پہلے خدا کی مخلوق رنگ و نسل، حسب و نسب، ملک و وطن، دولت و وجاہت اور پیشوں کے اعتبار سے ادنی اور اعلیٰ طبقوں میں بٹی ہوئی تھی، جو طبقہ جس دائرہ سے تعلق رکھتا تھا اس سے کبھی نہیں نکل سکتا تھا، ذاتی استعداد و قابلیت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، ادنیٰ طبقوں پر ترقی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند تھے، ان کا مقصدِ زندگی اعلیٰ طبقوں کی خدمت تھا، یونان و روم و مصر و ایران و ہندوستان دنیا کے تمام قدیم تہذیبی مرکزوں کا یہی حال تھا، جس کی تصویر تاریخ کے آئینہ میں دیکھی جاسکتی ہے، قدیم مذاہب میں بدھ مت اور عیسائیت نے اخوت و مساوات کا سبق دیا اور گری ہوئی انسانیت کو اٹھانے کی کوشش کی، مگر ان کے پیروؤں نے بہت جلد اس سبق کو بھلا دیا، ہندوستان میں برہمنی مذہب نے نہ صرف بدھ کی تعلیم بلکہ اس مذہب ہی کو ہندوستان سے ختم کر کے پھر پرانا برہمنی نظام رائج کر دیا۔

یورپ کے جاگیردارانہ دور کی طبقاتی تقسیم کا حال تاریخوں میں محفوظ ہے، اس آزادی اور جمہوریت کے دور میں بھی کالے گورے میں جو تفریق ہے اور کالی قوموں کے ساتھ گوری قوموں کا جو سلوک ہے وہ سب پر ظاہر ہے، آج بھی دیسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجے تک الگ الگ ہیں، اسلام نے ان سارے امتیازات کو ختم کرکے حسنِ عمل اور اخلاق و کردار کو عزت و شرف کا معیار قرار دیا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (حجرات-۲)

بیشک تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے۔

خاندان اور قبائل کی تقسیم محض تعارف و امتیاز کے لیے ہے۔

وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا (حجرات-۲)

اور ہم نے تم کو مختلف خاندانوں اور قبائل میں اس لیے بنایا کہ تم ایک دوسرے کو پہنچان سکو۔

ورنہ عزت و شرف کا اصل معیار اسلام میں حسنِ عمل ہے، انسانی مساوات کا مسئلہ اسلام کی نگاہ میں اس درجہ اہم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں جن بنیادی باتوں کے متعلق خاص طور سے وصیت فرمائی تھی ان میں یہ مسئلہ بھی تھا، اس خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاَنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ کُلُّکُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ وَلَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰی (عقد الفرید جلد ۲ ص ۱۱)

لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہے، تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

لَیسَ لِلعَرَبِيِّ فَضلٌ عَلَی العَجمِيِّ وَلَا لِلعَجمِيِّ فَضلٌ عَلَی عَرَبِيٍّ کُلُّکُم اَبنَاءُ آدَمَ وَآدَمُ مِن تُرَابٍ

کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں، تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

ایک روایت میں تصریح کے ساتھ حسب ونسب کے فخر وامتیاز کی ممانعت کی گئی ہے۔(۱)

اِنَّ اللّٰہَ اَذھَبَ عَنکُم غُبِّیَۃَ الجَاھِلِیَّۃِ وَفَخرَھَا بِالآبَاءِ اِنَّمَا ھُوَ مُؤمِنٌ تَقِیٌّ وَفَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ کُلُّکُم بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِن تُرَابٍ

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے غرور اور آباو اجداد پر فخر کو ختم کردیا، انسان یا مومن و پاکباز ہے یا فاجر و شقی، تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس اعلان نے حسب ونسب، رنگ ونسل، آقا وغلام، مالک ومملوک، ادنیٰ واعلیٰ کے سارے امتیازات ختم کر کے تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کردیا اور سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ اور بلال حبشیؓ جو مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے تھے اور غلام تھے، شرفائے قریش کے ہمسر اور اپنے تقویٰ کی بنا پر ان میں سے بہتوں سے بہتر قرار پائے۔

مساوات کا عملی سبق: آنحضرت ﷺ نے اس مساوات کو عملاً برت کر دکھایا، آپؐ خود اپنی ذات کے لیے کوئی امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، اپنی تعظیم کے لیے اٹھنے کی بھی ممانعت فرمادی تھی، ایک مرتبہ صحابہؓ آپؐ کی تعظیم کے لیے اٹھے تو فرمایا کہ اہل عجم کی طرح کسی کی تعظیم کے لیے نہ اٹھا کرو۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اپنی تعظیم کے لیے لوگوں کا اٹھنا پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے صحابۂ کرامؓ آپؐ کی تعظیم کے لیے نہیں اٹھتے تھے۔(۲)

---

(۱) ابوداؤد باب التفاخر بالاحساب (۲) شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ، یہ ممانعت درحقیقت آنحضرت ﷺ کی تواضع کی بنا پر تھی اور اس کا مقصد اہل عجم کی (بقیہ صفحۂ آئندہ پر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفلسوں اور فقیروں کے مجمع میں بے تکلف جا کر بیٹھتے، صحابہؓ کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان نہ سکتا، مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔(۱)

ایک مرتبہ سفر میں صحابۂ کرامؓ نے کھانے پکانے کا سامان کیا اور سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا، آنحضرت ﷺ نے لکڑی لانا اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ زحمت نہ فرمائیں، یہ کام ہم لوگ کرلیں گے، فرمایا یہ سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے کو تم سے ممتاز کروں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز بنتا ہے۔(۲)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو ان الفاظ سے خطاب کیا، اے ہمارے آقا اور اے ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور اے سب سے بہتر کے فرزند، آپؐ نے فرمایا لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تم کو گرا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، خدا نے مجھ کو جو درجہ بخشا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس سے بڑھاؤ۔(۳)

آپؐ کی نگاہ میں سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کی جو غلام تھے، رؤسائے قریش سے زیادہ وقعت تھی، ایک دن یہ دونوں بزرگ ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ابوسفیان سامنے سے نکلے، ان دونوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن پر قابو نہیں پایا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ سردارِ قریش کی شان میں یہ الفاظ نازیبا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا تم نے ان

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) شخصیت پرستی کی مخالفت تھی، اس لیے یہ ممانعت تحریمی نہیں ہے، بعض صحابہؓ کے احترام میں خود آنحضرت ﷺ کا اٹھنا ثابت ہے اور محترم شخصیتوں کی تعظیم کے لیے اٹھنا صلحا اور اخیارِ امت کا معمول یہ رہا ہے۔ (۱) شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ
(۲) زرقانی ج ۴ ص ۳۱۹ (۳) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۵۳

دونوں کو ناراض تو نہیں کر دیا، اگر ان کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ دوڑے ہوئے گئے اور دونوں بزرگوں سے پوچھا آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے، ان لوگوں نے کہا نہیں خدا آپ کو معاف کرے۔ (۱)

مساوات میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ رشتوں ناتوں کا ہوتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگ ادنیٰ طبقوں میں شادی بیاہ کرنا خصوصاً اپنی لڑکی دینا عار سمجھتے ہیں، اسلام نے ان ساری بندشوں کو مٹا دیا، آنحضرت ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کر کے اس کی عملی مثال قایم کر دی جس کا ذکر کلام مجید تک میں ہے۔

حضرت بلالؓ غلام بھی تھے اور حبشی بھی اور غریب و نادار بھی، مگر جب انھوں نے شادی کی خواہش کی تو بڑے بڑے صحابہؓ اپنی لڑکیاں دینے کے لیے تیار ہو گئے، عہدِ صحابہؓ میں اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں، بعض اموی اور اکثر عباسی خلفاء لونڈیوں کے بطن سے تھے۔

صحابۂ کرامؓ اور خلفاے راشدین نے بھی ہمیشہ اصولِ مساوات کو ملحوظ رکھا، خصوصاً حضرت عمرؓ کو اس میں بڑا اہتمام تھا، آپ کسی شخصیت کے لیے بھی کوئی ایسا امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، جس سے مساوات میں فرق آتا ہو، ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ابن ابی کعبؓ سے جو بڑے درجہ کے صحابی تھے ملنے گئے، جب وہ مجلس سے اٹھے تو یہ لوگ بھی احتراماً ساتھ ہو گئے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آ گئے اور یہ جلوس دیکھ کر کوڑا اٹھایا اور فرمایا: تم نہیں جانتے یہ چیز متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سب سے پہلے اصحابِ دین و تقویٰ کو بلاتے تھے، ایک مرتبہ ابوسفیان اور حارث بن عمرو وغیرہ سردارانِ قریش آپؓ کی ملاقات کو گئے، اتفاق سے اس وقت حضرت صہیبؓ، بلالؓ اور عمارؓ بھی ملنے کے لیے آ گئے، حضرت عمرؓ

(۱) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل سلمانؓ وصہیبؓ و بلالؓ

نے پہلے ان تینوں بزرگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے، ابوسفیان کو سخت ناگوار ہوا، انھوں نے کہا خدا کی شان ہے کہ غلاموں کو تو اندر جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کرتے ہیں، مجمع میں کچھ حق شناس بھی تھے، ان میں سے سہیل بن عمرو نے کہا یہ سچ ہے لیکن ہم کو عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے، اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، اس میں جو اپنی شامت سے پیچھے رہ گئے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ جو غلام تھے مگر بڑے درجہ کے صحابی تھے، حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے آئے، آپ نے ان کو گدے پر بٹھایا اور فرمایا ایک شخص کے علاوہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا اس جگہ کا مستحق نہیں ہے، لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے، فرمایا: بلال۔(۲)

ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے حضرت عمرؓ کی دعوت کی اور کھانے کا خوان ان کے گھر بھجوا دیا، حضرت عمرؓ نے فقیروں کو بلا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا اور فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار ہوتا ہے۔(۳)

آپ نے محض غلاموں، مسکینوں اور بے نواؤں کا درجہ بلند نہیں کیا، بلکہ جن کے دماغوں میں دولت وامارت کا غرور اور نشہ تھا اس کو اتار دیا۔

جبلہ بن ایہم شام کا بڑا رئیس بلکہ فرمانروا مسلمان ہو گیا تھا، ایک مرتبہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، اس کی چادر کا کونا ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا، جبلہ نے اس کے منھ پر تھپڑ مار دیا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، فرمایا: اس کی شکایت کیا، جیسا تم نے کیا اس کی سزا پائی، اس کو اس جواب پر سخت حیرت ہوئی، اس نے کہا ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ ہم سے جو گستاخی کرتا ہے وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست وبلند

---

(۱) اسد الغابہ ج۲ص۳۷۲، تذکرۂ سہیل بن عمرو (۲) مستدرک حاکم ج۳، تذکرۂ خبابؓ
(۳) ادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ اذا اکل

کوایک کر دیا، جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جو شریف ورذیل میں فرق نہیں کرتا تو میں ایسے مذہب سے باز آیا اور چھپ کر قسطنطنیہ بھاگ گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی مطلق پروانہ کی، اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام نے انسانی مساوات کے قیام میں کس قدر اہتمام کیا ہے۔

خدااور بندہ کے درمیان کسی وسیلہ کی حاجت نہیں: اسلام سے پہلے جس قدر مذاہب تھے، ان میں تقرب الی اللہ اور نجات ومغفرت کے لیے بھی انسانی وسیلوں کی ضرورت تھی، ان کے بغیر نہ کوئی انسان خدا تک پہنچ سکتا تھا اور نہ ان کی سفارش کے بغیر نجات ومغفرت ہوسکتی تھی، بلکہ مذہبی رسوم اور عبادات بھی ادانہیں کی جاسکتی تھیں، اس عقیدے نے اکثر مذاہب میں مذہبی اجارہ داروں کا ایک مستقل طبقہ پیدا کر دیا تھا، ہندوؤں میں برہمن، یہودیوں میں احبار اور عیسائیوں میں پوپ اور پادر اس کی یادگار ہیں، اس عقیدہ نے عیسائیوں میں کفارہ کا عقیدہ پیدا کیا اور حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا اور ان کے روحانی جانشینوں کو انسانوں کی مغفرت ونجات کا اختیار دیا گیا، جواب تک قایم ہے اور انسانی مساوات وشرف کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اسلام نے نبی کے علاوہ خدااور بندہ کے درمیان کسی کو وسیلہ نہیں مانا ہے، یہ وسیلہ اس لیے ضروری ہے کہ انسان نبی ہی کے ذریعہ خدا کو پہنچانتا ہے، ان لیے نبی خدا کی جانب سے جو پیغام لاتا ہے اس کی جووضاحت وتشریح کرتا ہے اور ان کی روشنی میں خود جو تعلیم دیتا ہے، ان سب میں اس کی پیروی ضروری ہے۔

لیکن کسی انسان کے لیے سعی وسفارش اور نجات ومغفرت کا نبی کو بھی اختیار نہیں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ-۳۴)	وہ کون ہے جو خدا کے حضور میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس-۱) — خدا کی بارگاہ میں کوئی سفارشی نہیں بن سکتا مگر اس کی اجازت سے۔

قیامت میں نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ گناہوں کا کفارہ قبول کیا جائے گا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ-۱۵) — اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ سفارش فائدہ دے گی۔

نجات و مغفرت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران-۱۴) — خدا کے سوا کون مغفرت کر سکتا ہے۔

اس تصور نے بندہ کا تعلق خدا سے براہِ راست قایم کر دیا، وہ بغیر کسی وسیلہ کے احکامِ خداوندی کی پابندی کے ذریعہ خدا تک پہنچ سکتا ہے، اس لیے کہ خدا انسان کی رگِ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق-۲) — بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم اس کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

خدا بندے سے قریب ہے، جب بندہ دعا کرتا ہے تو خدا اس کو قبول کرتا ہے۔

اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (بقرہ-۲۲) — جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے پوچھیں (تو بتا دے) کہ میں ان سے قریب ہوں، دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا

مانگے، پس چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

جب انسان خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا بھی اس کو یاد کرتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْلِي وَلَاتَكْفُرُوْنَ (بقرہ-۱۸)

جب تم مجھ کو یاد کرو گے تو میں تم کو یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

حدیثِ قدسی میں ہے۔

اِذَا تَقَرَّبَ عَبْدِيْ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَاِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعاً وَاِذَا اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً (مسلم کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار)

جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں ایک باع(۱) اس کے قریب آتا ہوں اور جب وہ میرے پاس آہستہ خرامی سے آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

ان تعلیمات نے بندوں میں بڑی خوداعتمادی پیدا کردی اور اس کو خدا تک پہونچنے کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت باقی نہیں رہی، پس طلب صادق اور عمل درکار ہے، خدا کا فضل خود بندے کی دستگیری فرماتا ہے۔

ہرشخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے: دراصل وسیلے اور سعی وسفارش کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں ایک طبقہ مذہب کا اجارہ دار اور نجات ومغفرت کا مختار بنادیا جائے، اس سے عمل کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے، اسلام میں اصل چیز عمل ہے، ہرانسان براہِ راست

(۱) دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر

اعمال کا مکلف اور اس کے نتائج کا ذمہ دار ہے۔

كُلُّ امْرِىءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (طور-۱)	ہر شخص اپنی کمائی میں مبتلا ہے۔
مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا (جاثیہ-۲)	جس نے نیک کام کیا تو اپنے نفس کے لیے اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔
وَاتَّقُوْا يَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ (بقرہ-۳۸)	اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم-۴۲)	کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی اور اس کی کمائی ضرور اس کے سامنے آئے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ ملے گا اور تیرے رب تک سب کو پہونچنا ہے۔

اس لیے کسی سعی وسفارش کی ضرورت ہی نہیں اور پیغمبر تک اس میں بے بس ہیں، آنحضرت ﷺ کی زبان سے ارشاد ہے۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرّاً وَّلَا نَفْعاً اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ (یونس-۵)	کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ جو اللہ کو منظور ہو۔

چنانچہ جب یہ حکم:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ   اور اپنے قریبی اعزہ کو ڈراؤ۔
(شعراء-۱۱)

نازل ہوا تو آپ نے اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے ان کو خبردار کیا۔

اے قریشیو! اے اولادِ عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ، اے فاطمہ میرے مال میں سے جو مانگو دے سکتا ہوں، لیکن خدا کے حضور میں تمھارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ: لیکن یہاں ایک مغالطہ کو دور کر دینا ضروری ہے، آج کل کے متجددین اس کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ دین کی فہم و بصیرت کے لیے بھی کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنی فہم و بصیرت سے اس کو سمجھ سکتا ہے اور علما پر وہ پاپائیت اور برہمنیت کی پھبتی کستے ہیں مگر یہ ان کا قصورِ فہم ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، علما کا منصب محض احکامِ دین کی تبلیغ و تعلیم ہے، برہمنوں اور پاپاؤں کی طرح ان کے مخصوص حقوق و امتیازات نہیں، جو عام مسلمانوں کو حاصل نہ ہوں، مسلمانوں کے تمام طبقوں پر علومِ دین کے دروازے کھلے ہوئے ہیں بلکہ ان کی تعلیم فرض ہے اور ایک ادنیٰ طبقہ کا نومسلم بھی ان میں کمال حاصل کر کے امامت واجتہاد کا درجہ حاصل کرسکتا ہے، چنانچہ بہت سے ائمہ ومجتہدین ان طبقوں سے تھے، جن کو ادنی کہا جاتا ہے اور آج بھی ان میں بڑے بڑے علما موجود ہیں۔

اسی طرح پاپاؤں کی طرح علما کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے اور نجات و مغفرت کا اختیار نہیں ہے بلکہ ان کی مغفرت بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے اور ان کی حیثیت دینی احکام وفتاویٰ میں محض ایک معلم، مفتی اور مشیر کی ہے، ان کا کام صرف دین سے ناواقف لوگوں کو اس کے احکام بتا دینا ہے، اس قسم کے مشیروں اور معلموں سے زندگی کے کسی شعبہ میں بھی مفر نہیں ہے اور ایسی چیزوں میں جن سے خود واقفیت نہ ہو اس کے ماہروں سے مشورہ زندگی کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے مثلاً ایک صاحب مقدمہ کسی

وکیل سے مشورہ لینے، مکان بنوانے والا انجینیر سے نقشہ بنوانے اور مریض علاج کے لیے کسی طبیب کی جانب رجوع کرنے پر مجبور ہے، اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے، دینی امور و مسائل میں یہی حیثیت علما کی ہے۔

دنیا کے دوسرے علوم کی طرح علم دین بھی اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور جس طرح دوسرے علوم میں محض ''عام تعلیم'' سے درک حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے خاص اس فن کی تعلیم کی تحصیل ضروری ہے، اسی طرح دین میں فہم و بصیرت کے لیے دینی علوم کی تحصیل اور اس میں کمال بلکہ اس کے ساتھ اخلاص اور تدین و تقویٰ بھی ضروری ہے، اس کے بغیر دین میں بصیرت نہیں حاصل ہو سکتی، یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ محض انگریزی تعلیم یا عربی میں شد بد حاصل کر کے دین میں فہم و بصیرت اور امامت و اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ بیماری میں خود اپنا علاج اور اپنے مقدمہ میں بغیر وکیل کے خود پیروی نہیں کرتے، حالانکہ ڈاکٹری اور قانون کی تمام کتابیں انگریزی میں ہیں، یہی حال دینی امور و معاملات کا ہے، ان میں وہی صحیح رائے دے سکتا ہے جو دینی علوم میں پوری بصیرت رکھتا ہو، انگریزی داں بھی دینی علوم میں کمال اور دینی فہم و بصیرت حاصل کر کے یہ منصب حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی مثالیں موجود ہیں، اس لیے برہمنیت اور پاپائیت پر علما کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

☆☆☆

تیسرا باب
دین و دنیا کی جامعیت

اسلام کا ایک نمایاں امتیاز دین و دنیا کی جامعیت ہے، دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نے دین و دنیا اور جسم و روح کو باہم ضد نہیں مانا ہے بلکہ ایک کو دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے اور احکامِ الٰہی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے اور دنیاوی حقوق وفرائض ادا کرنے ہی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے، اس لیے اس کی نگاہ میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے، جس پر یہ قرآنی دعا شاہد ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ-۲۵)

اے ہمارے پروردگار دنیا میں بھی ہم کو بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچا۔

دنیا میں بھلائی کے جو معنی بھی لیے ہیں، ان سے دنیاوی نعمتیں خارج نہیں ہوسکتیں، اس لیے اسلام نے روح کے ساتھ جسم کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے اور ایسی نفس کشی سے منع کیا ہے جس سے جسم کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، شریعت کے مقررہ حدود کے اندر دنیا کی ساری نعمتوں اور لذتوں سے متمتع ہونے کی

اجازت ہے، بلکہ نعمتوں کے اعلان واظہار کا حکم ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (ضحیٰ-۱۰)	اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

نرمی وسہولت: اور رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کو حرام قرار دیا ہے اور اپنی جملہ تعلیمات حتیٰ کہ عبادات تک میں تکلیف مالایطاق نہیں دی ہے۔

کلام مجید کا صریح ارشاد ہے۔

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا (بقرہ-۴۰)	اللہ تعالیٰ کسی پر نا قابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا۔

بلکہ آسانی اور سہولت کا لحاظ رکھا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ-۲۲)	اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔
مَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰکِنْ یُرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (مائدہ-۲)	اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔
وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ	اور دین میں تمھارے لیے کوئی تنگی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے۔

احب الدین عند اللہ الحنیفیة السھلاء (۱)	اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین آسان دینِ حنیف ہے۔

اس لیے آنحضرت ﷺ صحابۂ کرام کو لوگوں کی سہولت کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

---

(۱) بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاسْكِنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا

تم آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، دشواری پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، دشواری نہ پیدا کرو، ان میں طمانیت پیدا کرو، وحشت نہ دلاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو کسی مقام پر تبلیغ کے لیے بھیجا تو ہدایت فرمائی:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا(۱)

لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، ان کو بشارت دینا، وحشت نہ دلانا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک چیز قبول کرنے کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ہمیشہ آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر گناہ ہوتا تو اس سے بہت دور رہتے۔(۲)

---

(۱) یہ سب روایتیں بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسروا ولاتعسروا وکان یحب التخفیف والتبشیر علی الناس میں ہیں۔ (۲) اس سلسلہ میں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ دین میں سہولت و آسانی کے معنی مطلق تن آسانی کے لیے نہیں ہیں کہ انسان کو کسی قسم کی زحمت ہی نہ اٹھانا پڑے، تھوڑی زحمت سے تو انسان کا کوئی فعل، کوئی نقل و حرکت حتی کہ اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا اور کھانا پینا بھی خالی نہیں ہے بلکہ انسان ساری زحمتیں پیٹ ہی کے لیے اٹھاتا ہے بلکہ سہولت اور آسانی کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی کسی تعلیم میں تکلیف مالا یطاق نہیں ہے، جو انسانی تحمل سے باہر ہو، اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان جتنی مشقتیں، زحمتیں بلکہ تکلیفیں حصول دنیا کے لیے اٹھاتا ہے، ان کا عشر عشیر بھی دین کے حصول میں نہیں اٹھاتا ہے اور جب وہ دنیا کے لیے ہر طرح کی زحمتیں اور تکلیفیں اٹھانے کے لیے مجبور ہے تو دین کی راہ میں رضائے الٰہی کے لیے جس میں درحقیقت اسی کی بھلائی ہے، تھوڑی سی زحمت اٹھانا درحقیقت زحمت نہیں بلکہ خود اپنی (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

عبادت میں غلو اور تشدد کی ممانعت: اکثر مذاہب میں عبادت و ریاضت میں غلو کو دینداری کا معیار مانا جاتا ہے اور روحانی تزکیہ و تطہیر کے لیے سخت قسم کے مجاہدات اور جسمانی مشقتوں بلکہ ایذا رسانی کو ضروری سمجھا جاتا ہے، ان کے عباد و زہاد جسم و جان کو جیسی جیسی دردناک اذیتیں دیتے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، سادھوؤں میں آج بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور قدیم عیسائی راہبوں کے مجاہدات اور جسمانی اذیتوں کی تصویر لیکی کی تاریخ اخلاقِ یورپ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لیکن اسلام دینِ رحمت ہے، اس لیے اس نے فطرتِ انسانی کے مطابق عبادات میں بھی نرمی و سہولت کا لحاظ رکھا ہے اور سخت مجاہدات کو ناپسند کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان الدین یسر فمن یسار الدین الا غلبه	دین آسان چیز ہے جو شخص خود اس میں سختی کرے گا تو وہ اس پر مسلط ہو جائے گا

اس لیے آپؐ عبادت میں غلو اور تشدد کو ناپسند فرماتے تھے اور صحابۂ کرام کو اس سے روکتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ صحابی تھے، ان کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گذرتا تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور دن کو مسلسل روزے رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ان سے فرمایا مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے اور ساری رات نمازیں پڑھتے ہو، ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نمازیں بھی پڑھو اور سوؤ بھی، اس لیے کہ تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے جسم کا

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) خدمت اور عین راحت ہے۔

دوسرے آسانی اور سہولت کا معیار اور اس کے حدود کی تعیین انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کے حدود وہی ہیں جو شریعت نے مقرر کیے ہیں، اگر انسانوں کو اس کا اختیار دے دیا جائے کہ جس کو جس چیز میں سہولت نظر آئے اس کو اختیار کرے تو مذہب بازیچۂ اطفال بن جائے گا اور اسلام کی کوئی تعلیم بھی اپنی جگہ پر قایم نہ رہ جائے گی اور دینی وحدت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

بھی تم پر حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمھارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ مشقت برداشت کرنے کی طاقت نہیں، فرمایا تو خیر! صوم داؤد رکھا کرو، حضرت عبداللہؓ نے پوچھا وہ کس طرح، فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن افطار کرتے تھے، یہ بہترین روزہ ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں اور یہ روزہ دائمی روزہ کے برابر ہے، ایک روایت میں ہے کہ رات بھر نمازیں پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے سے آنکھیں اور نفس تھک جاتا ہے۔(۱)

حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت وشفقت کے خیال سے لوگوں کو صوم وصال یعنی مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی، کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ تو مسلسل روزے رکھتے ہیں (۲) فرمایا میں تم لوگوں کے جیسا نہیں ہوں، مجھ کو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔(۳)

یعنی عام لوگ پیغمبر کی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اس سے بعض لوگوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ جن لوگوں میں عباداتِ شاقہ کی طاقت نہ ہو، ان کو اس کی اجازت ہے، لیکن اجازت اور مذہبی فرض سمجھنے اور عباداتِ شاقہ کو اپنے اوپر لازم کرنے میں بڑا فرق ہے، اس ممانعت کی آپؐ نے یہ حکیمانہ توجیہ فرمائی ہے۔

اِعْمَلُوا مَا كَلَّفْتُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا	جن باتوں کی خدا نے تم کو تکلیف دی ان پر عمل کرو (اپنی طرف سے تشدد نہ کرو) کیونکہ خدا تو ثواب دینے سے نہیں تھکتا البتہ تم خود (تشدد سے) تھک جاؤ گے۔

(۱) بخاری کتاب الصوم کے ابواب حق الجسم فی الصوم، باب صوم الدھر، باب حق الاھل فی الصوم اور باب صوم داؤد میں اس کی مختلف روایتیں ہیں (۲) یہاں مسلسل روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی مسلسل روزے رکھتے تھے، اس کا مقصد صائم الدھر نہیں ہے۔(۳) بخاری کتاب الصوم باب الوصال ومن قال لیس فی اللیل صوم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو تلاوت قرآن سے بھی بڑا شغف تھا، مہینہ میں کئی کئی مرتبہ قرآن ختم کرڈالتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی روکا اور فرمایا: ایک مہینہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو، حضرت عبداللہ نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ تلاوت کرنے کی طاقت ہے، فرمایا تو بیس دن میں، حضرت عبداللہؓ نے پھر وہی عرض کیا، اس طریقہ سے کم کرتے کرتے سات دن مقرر فرمائے اور آخر میں فرمایا: اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے(۱) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتا ہے وہ اس کو سمجھ کر نہیں پڑھ سکتا۔

حضرت ابودرداء انصاریؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ان میں اور حضرت سلمان فارسیؓ میں مواخاۃ تھی، ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو بہت خستہ حال دیکھا، پوچھا یہ کیا صورت بنا رکھی ہے، انھوں نے جواب دیا، تمھارے بھائی دنیا سے بالکل بے نیاز ہو گئے ہیں اب ان کو ان چیزوں کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابودرداءؓ جب گھر آئے تو سلمانؓ کو خوش آمدید کہا اور ان کے لیے کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں، سلمانؓ نے قسم کھائی کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت ابودرداءؓ کے قریب ہوئے، جب وہ عبادت کے لیے اٹھے تو سلمانؓ نے روکا اور کہا کہ تم پر تمھارے رب کا بھی حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمھارے جسم کا بھی حق ہے، تم کو ان سب کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، صبح کو دونوں بزرگوں نے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے ابودرداءؓ سے فرمایا کہ سلمانؓ نے ٹھیک کہا، وہ تم سے زیادہ دین میں سمجھ رکھتے ہیں۔ (۲)

اپنے گھر والوں کو بھی عبادت شاقہ سے منع فرماتے تھے، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو دوستونوں کے درمیان ایک رسی تنی

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی کم یقرأ القرآن (۲) یہ واقعہ بخاری میں ہے مگر تفصیل استیعاب ج ۲ ص ۵۷۳ سے ماخوذ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک کاشتکار نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے پیچھے عشا کی نماز پڑھی، انھوں نے سورۂ بقرہ یا نساء پڑھی، کاشتکار نماز چھوڑ کر چلا گیا، معاذ بن جبلؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو برا بھلا کہا، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ سخت برہم ہوئے اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے تین مرتبہ فرمایا: انت فتان یامعاذ، معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے، تم نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ، وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کیوں نہ پڑھی، کیوں کہ تمھارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور ضرورت والے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔(۱)

اسی طرح حج میں خود ساختہ مشقتوں کو ناپسند فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص جس میں چلنے کی طاقت نہیں ہے اپنے بیٹوں کے سہارے پیدل چل رہا ہے، آپؐ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نے پاپیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے نفس کو اذیت دینے سے بے نیاز ہے اور اس کو سواری پر جانے کا حکم دیا۔(۲)

ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کے جانور لیے جارہا ہے، خود تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے، فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا یہ قربانی کے جانور ہیں، فرمایا: سوار ہو جاؤ قربانی ہی کے جانور سہی۔(۳)

اس میں بارہ میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین جماعتیں رسول اللہ ﷺ کے معمولاتِ عبادت کو پوچھنے کے لیے ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں پر آئیں، معمولات معلوم کرنے کے بعد اپنے نزدیک ان کو کم سمجھا اور کہا ہمارا رسول اللہؐ کا کیا مقابلہ ہے، آپؐ کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں (یعنی آپؐ کو کثرتِ عبادت کی ضرورت نہیں) ان میں سے ایک

---

(۱) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من شکا امامہ اذا طول (۲) بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ (۳) بخاری کتاب الحج

آنحضرت ﷺ نے نکاح کو سنت اور اس سے اعراض کرنے والے کو اپنی جماعت سے خارج قرار دے دیا۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ (۱)	نکاح میری سنت ہے، جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔

بعض زاہد متقشف نفسانی خواہشوں سے بچنے کے لیے اپنی قوتِ رجولیت ہی ختم کرا دیتے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس کی بھی ممانعت فرما دی، حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی ترکِ نکاح کی درخواست رد فرما دی، ورنہ ہم لوگ قوتِ رجولیت ہی کو ختم کرا دیتے۔

امام بخاری نے یہ روایت کتاب النکاح باب ما یکرہ من الخصاء میں نقل کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ترک نکاح کی ممانعت ہے تو قوتِ رجولیت کو ختم کرانے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی اور فقہا نے تو تصریح کے ساتھ اس کو حرام لکھا ہے۔

ترک لذات کی ممانعت: زہد و دینداری کا دوسرا معیار ترکِ لذات تھا اور عباد و زہاد تمام دنیاوی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی، کلام مجید نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی اجازت دی بلکہ اس کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرنا اسلامی حدود سے تجاوز ہے۔

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اَنْتُمْ بِهٖ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تارک نکاح مسلمان نہیں ہے بلکہ اس نے اسلامی احکام کے خلاف کام کیا۔

مُؤمِنُونَ (مائدہ-۱۱)

اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اس کو کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

حلال چیزوں کو حرام کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلَالاً طَيِّباً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (بقرہ-۲۱)

لوگو! روئے زمین میں جو چیزیں حلال وطیب قسم کی ہیں، ان کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (بقرہ-۲۱)

اے ایمان والو، ہم نے تم کو پاکیزہ رزق دیا ہے اس کو کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جسمانی زیب وزینت بھی ہے، اس لیے اس کو بھی ترک کرنے کی ممانعت ہے بلکہ عبادت کے اوقات میں خاص طور سے زیب و زینت کی تاکید ہے۔

يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الاعراف-۳)

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زیب و زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو، اسراف کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا، کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت و آرائش اور پاکیزہ رزق کی چیزیں بنائی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے، کہہ دو یہ نعمتیں ہیں

ایمان والوں کے لیے، دنیا کی زندگی
میں اور قیامت تک ان کے لیے مخصوص
ہوں گی۔

ان نعمتوں کے اعلان واظہار کا حکم دیا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (والضحیٰ-۱) اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال منقول ہیں، بیشتر لوگوں نے اس سے دینی نعمتیں مراد لی ہیں، لیکن دنیاوی نعمتیں بھی اس سے خارج نہیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ دینی اور دنیوی دونوں نعمتیں مراد ہیں، اس سے پہلے کی آیات وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی اور وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی سے ہی اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ پہلی نعمت یعنی ہدایت دینی ہے اور دوسری نعمت غنیٰ دنیاوی ہے اور دونوں نعمتوں کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے، صاحبِ روح المعانی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بظاہر نعمت سے وہ تمام نعمتیں مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی تھیں، منجملہ ان نعمتوں کے وہ بھی ہیں جن کا اوپر کی آیتوں میں ذکر ہے۔(۱)

حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ دنیاوی نعمتوں کے اعلان واظہار کی ہدایت فرماتے تھے، ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت میری ہیئت بری تھی، آپؐ نے مجھ سے کہا تمھارے پاس کچھ مال ہے، میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے، فرمایا تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔(۲)

کسب دنیا کا حکم: اسلام نے ایک مسلمان پر اتنے حقوق اللہ اور حقوق العباد عائد کر دئے ہیں کہ ترکِ دنیا کی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی مثلاً انفاق فی سبیل اللہ، صدقہ وخیرات، اہل و

(۱) تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۶۴ (۲) نسائی کتاب الزینۃ باب ذکر ما یستحب من الثیاب وما یکرہ منھا

عیال، اعزہ و اقرباء، غربا و مساکین اور قوم وملت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی امداد و اعانت کسب دنیا کے بغیر ناممکن ہے، اس لیے دین اور آخرت کی فکر کے ساتھ کسبِ دنیا بھی ضروری ہے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (قصص-۸)

خدا نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں دارآخرت کی بھی فکر کرتے رہو اور دنیا سے تمھارا جو حصہ ہے اس کو فراموش نہ کرو

طلب معاش کا حکم:

فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ-۲)

خدا کے فضل (معاش) کی تلاش کے لیے زمین پر پھیل جاؤ۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (بنی اسرائیل-۱)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، رات کی نشانی کو ماند کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل (معاش) تلاش کرو اور تاکہ برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (بنی اسرائیل-۶)

تمھارا پروردگار وہ ہے جو تمھارے لیے سمندر میں جہازوں کو چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو وہ تم پر مہربان ہے۔

حتی کہ حج کے ایام میں بھی تجارت وغیرہ کے ذریعہ کسبِ معاش کی اجازت ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (بقرہ-۲۵)

(حج کے ایام میں) اپنے رب کا فضل (حصول معاش) حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

حدیثوں میں کسب معاش اور دنیاوی جدوجہد کے اس سے زیادہ صریح احکام

ہیں۔

اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَاَنَّكَ تَعِيْشُ اَبَداً وَاعْمَلْ آخِرَتَكَ كَاَنَّكَ تَمُوْتُ غَداً	اپنی دنیا کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم کو ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم کو کل ہی مرنا ہے۔
اِعْمَلْ عَمَلَ امْرِیءٍ لِيَظُنَّ اَن لَّن يَّمُوْتَ اَبَداً وَاحْذَرْ اِمْرَیءٍ يَخْشیٰ اَن يَّمُوْتَ غَداً(۱)	اس آدمی کی طرح دنیاوی کاموں کو مستعدی سے انجام دو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کبھی نہیں مرنا ہے اور اس آدمی کی طرح خوف و احتیاط کرو جس کو اندیشہ ہے کہ کل ہی مر جائے گا۔
اَعْظَمُ النَّاسِ هَمًّا اَلْمُوْمِنُ الَّذِیْ هَمَّ بِاَمْرِ دُنْيَاهُ وَاَمْرِ آخِرَتِهٖ(۲)	سب سے زیادہ عالی ہمت وہ ہے جو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کے معاملہ میں پوری توجہ سے کام لے۔
اَجْمِلُوْا فِی طَلَبِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلاًّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (۳)	دنیا کی طلب خوبی کے ساتھ کرو جس کا جو حصہ مقرر ہو چکا ہے وہ ضرور ملے گا۔
طَلَبُ الْحَلاَلِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ، طَلَبُ الْحَلاَلِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ (۴)	مذہبی فرائض کی ادائیگی کے بعد رزقِ حلال کی طلب فرض ہے، حلال روزی کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَن يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَةً فَيَحْطِبُ عَلٰی ظَهْرِهٖ	قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ بات کہ تم میں سے کوئی

(۱) جامع صغیر جلد اول (۲) ابن ماجہ باب الاقتضاء فی طلب المعیشۃ (۳) ایضاً
(۴) جامع صغیر

خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّاْتِیَ رَجُلاً فَیَسْاَلَہٗ اَعْطَاہُ اَوْ مَنَعَہٗ

شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، اس کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر سوال کرے اور وہ اس کو دے یا نہ دے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مانگا، آپؐ نے ان سے پوچھا تمھارے گھر میں کوئی چیز ہے، انھوں نے کہا ہاں ایک ٹاٹ ہے، جس کا ایک حصہ ہم اوڑھتے اور ایک بچھاتے ہیں، ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ لے آئے، آپؐ نے ان کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ان کو کون خرید تا ہے، ایک شخص نے کہا میں ایک درہم میں خرید تا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کوئی شخص اس سے زیادہ دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپؐ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کو دئے اور فرمایا ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان خرید کر اپنے گھر بھیج دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ شخص کلہاڑی خرید کر لے آیا، آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس میں بینٹ لگا کر انصاری کو دیا کہ جاؤ اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو، میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں، اس ارشاد پر انھوں نے پورا عمل کیا اور جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ان کے پاس دس درہم تھے، اس سے انھوں نے کپڑا اور کھانے پینے کا سامان خریدا، آپؐ نے فرمایا یہ تمھارے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ بھیک مانگنے سے قیامت میں تمھارا چہرہ داغدار ہو جائے، مانگنا صرف ایسے آدمی کے لیے جائز ہے جو انتہائی افلاس میں مبتلا ہو یا جس پر بڑا تاوان عائد ہو گیا ہو یا خون بہا۔ (بخاری)

ایک غلط فہمی کا ازالہ: اس کے مقابل میں ایسی آیات واحادیث بھی ہیں، جن میں دنیاوی ساز وسامان اور چند روزہ عیش وعشرت کی مذمت وتحقیر اور زہد عن الدنیا کی بڑی

تعریف وتاکید ہے اور دنیا کے مقابلہ میں اصل زندگی حیاتِ آخرت کو قرار دیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہ دھوکہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں آیات واحادیث میں تناقض ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، بلاشبہ اسلام نے اصلی زندگی حیات آخرت کو قرار دیا ہے، جس کا ذریعہ زہد عن الدنیا ہے، لیکن خود زہد کے بارہ میں دوسرے مذاہب نے بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے اور اس کے مفہوم ہی میں غلط فہمی رہی ہے، اسلام نے اس کی تصحیح کر کے اس میں اعتدال وتوازن پیدا کیا، زہد کا مفہوم عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی جائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھوڑ کر جسم وجان کو مجاہدات شاقہ میں گھلایا جائے۔

لیکن اسلام دین فطرت اور عالم انسانیت کا مذہب ہے، اس کا مقصد دین ودنیا دونوں کی فلاح ہے اور ترکِ دنیا سے انسانی معاشرہ کا پورا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اور سارے انسانی حقوق وفرائض کی پامالی اور ساری مشقتوں اور ریاضتوں کے بعد صرف ذاتی اصلاح ہوتی ہے اور اسلام کے پیشِ نظر پوری انسانی برادری کی فلاح ہے اور ترکِ دنیا سے یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے، اس لیے ترکِ دنیا کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور زہد کے مفہوم میں یہ اصلاح کی کہ زہد ترکِ دنیا کا نام نہیں بلکہ حقیقی زہد یہ ہے کہ دنیا سے متعلق رہتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اور حدود شریعت کے اندر دنیاوی نعمتوں سے تمتع کے ساتھ دنیاوی زندگی اور اس کے عیش وتنعم کو بے حقیقت اور رضائے الٰہی، تعلق مع اللہ اور حیاتِ اخروی کو اصل مقصود سمجھا جائے، اللہ کی نعمتوں سے جائز تمتع اور دنیاوی ساز وسامان اور عیش وعشرت کو مقصودِ زندگی بنالینے میں بڑا فرق ہے، ان کو مقصود بنالینا اور اس میں غرق ہوجانا البتہ نہ صرف زہد بلکہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔

اسلام کا اصل مقصود رضائے الٰہی اور تعلق مع اللہ ہے اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب دین ودنیا دونوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق وفرائض ادا کیے جائیں اور دنیا سے بالکل قطع تعلق اس کے سراسر خلاف ہے، اس لیے رضائے الٰہی کے حصول کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسلام نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے یا جن کی اجازت دی ہے،

ان پر خدا کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جائے، اس اصول سے اپنے جسم و جان، اہل وعیال اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی عبادت اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر دنیا سے تعلق اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے انتفاع زہد کے خلاف نہیں بلکہ عین دین ہے اور ایک انسان دنیاوی تعلقات کے ساتھ بھی دین وتقویٰ کا بڑے سے بڑا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔

جن آیات و احادیث سے دنیاوی زندگی اور اس کے عیش و تنعم کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے اس سے وہ عیش و تنعم مراد ہے جو خدا اور آخرت سے غافل کرنے والا ہو اور جس میں غرق ہو کر انسان دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو جائے، ورنہ شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندر دنیا کو برتنا عین دین وتقویٰ ہے، مولانا روم نے اس شعر میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

عبادت کے معنی میں وسعت: دین و دنیا کی علاحدگی کے بارے میں غلط فہمی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب میں اور ان کے اثر سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں بھی دین کو عبادت کے اصطلاحی مفہوم یعنی اس کے مخصوص رسوم و اعمال تک محدود اور انہی کو اصل عبادت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے عبادت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کی، اس کی رو سے ہر وہ نیک کام جو خدا کی خوشنودی کے لیے کیا جائے، خواہ وہ بظاہر دنیاوی ہی کیوں نہ ہو عبادت ہے، چنانچہ کلام مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ ہی عملِ صالح کا مطالبہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (کہف-۱۳)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کی مہمانی کے لیے باغِ فردوس ہیں۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّ اَجْرًا	ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ نے ان سے مغفرت

عَظِیْماً (فتح-۴)	اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔
فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحداً (کہف-۱۲)	پس جس کو اپنے رب سے ملنے کی امید ہے اس کو چاہیے کہ نیک کام کرے اور کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائے۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (حج-۷)	پس جو لوگ، ایمان لائے اور نیک کام کیے، وہ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

اس قسم کی آیات بھی ہیں اور عملِ صالح میں عبادت، معاملات اور اخلاق سب داخل ہیں، ان کا درجہ عبادات سے کم نہیں ہے، اس کی تائید احادیث سے ہوتی ہے، بخاری کی روایت ہے۔

اَلسَّاعِیْ عَلٰی الْاَرْمُلَةِ وَالْمِسْكِيْنَ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ كَالَّذِیْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ (۱)	بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مثل ہے یا اس شخص کے مثل ہے جو دن بھر روزے رکھتا اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہے۔

ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمالِ صالحہ کا درجہ عبادات سے بھی بڑھ کر ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوْا بَلٰی يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ (۱)	میں تم کو روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بڑے درجہ کی چیز بتاؤں، صحابہؓ نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہؐ! فرمایا: لوگوں میں صلح کرانا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی

(۱) بخاری کتاب الادب باب الساعی علی الارملہ (۲) ادب المفرد باب اصلاح ذا البین

دکھا کر فرمایا:

اَنَـا وَ كَـافِلُ الْيَتِيْمِ فِى الْجَنَّةِ هٰكَذَا(۱)	میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اتنے ہی قریب ہوں گے جتنی یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

اصولی طور پر ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (۲)	نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلم پر صدقہ کرنا ضروری ہے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کے پاس نہ ہو، فرمایا تو محنت کر کے کمائے، خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کی طاقت نہ ہو یا ایسا نہ کر سکے، فرمایا تو ضرر رسیدہ حاجتمند کی مدد کرے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو، فرمایا تو کم سے کم نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے۔(۳)

اس اعتبار سے سارے اعمالِ حسنہ صدقہ ہیں اور اجر و ثواب میں عبادت سے کم نہیں حتی کہ اپنی بیوی اور بچوں کو کھلانا بھی اجر و ثواب ہے۔(۴)

اس لیے دنیا سے تعلق دینداری اور زہد کے خلاف نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو ادا کرنا عین دین و تقویٰ ہے، رسول اللہ ﷺ سے زیادہ زاہد زیادہ متقی، زیادہ رضائے الٰہی اور تعلق مع اللہ کا طالب اور کون ہوگا، لیکن آپؐ نے دین و دنیا دونوں کو برت کر دکھا دیا، اس لیے دنیائے انسانیت پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دنیا سے تعلق رکھتے ہوئے وصول الی اللہ اور حصول آخرت کی راہ بہت آسان کر دی۔

ایک استثناء: اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے صوفیہ و مشائخ ہمیشہ رہے ہیں،

---

(۱) بخاری باب فضل من یقول یتیما (۲) بخاری کتاب الادب کل معروف صدقة

(۳) ایضاً (۴) ادب المفرد باب مایوجر فی کل شیء

جو بظاہر تارک الدنیا تھے اور انھوں نے دنیا اور اس کے تعلقات کی بڑی مذمت کی ہے لیکن اس سے مراد اسی قسم کی دنیا ہے، جس کی مذمت قرآن مجید اور احادیث نبویؑ میں ہے، اس لیے انھوں نے بھی مطلق ترک دنیا کی تلقین نہی کی، اکابر صوفیہ تو ہمیشہ کتاب وسنت پر عمل کی تاکید کرتے رہے، مطلق ترکِ دنیا کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں جن کی حیثیت استثنائی ہے، مگر ایسے بزرگوں نے بھی خلق اللہ کے ارشاد و ہدایت کا دروازہ کبھی نہیں بند کیا بلکہ ان کا مقصدِ زندگی ہی ارشاد وہدایت تھا، اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر ضرورت ہوتو مصلحین و معلمین کو اس کی اجازت ہے کہ وہ دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہوکر اپنی زندگی لوگوں کی اصلاح کے لیے وقف کر سکتے ہیں، جس کی بعض مثالیں عہد رسالت میں بھی ملتی ہیں۔

☆☆☆

چوتھا باب

حقوق العباد

(اخلاق)

اوپر کے ابواب میں عقائد وعبادات اور ان سے متعلق بعض معاشرتی امور و معاملات میں اسلام کی اصلاحات، اس کے احسانات اور اس کی رحمتوں اور شفقتوں کا ذکر تھا لیکن اصل چیز معاملات اور حقوق العباد ہیں، دنیا کا سارا کارخانہ انسانی حقوق وفرائض کی تعیین اور ان کے تحفظ پر قایم ہے یعنی ایک معاشرہ میں انسانوں کے کیا حقوق اور ان سے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں اور وہ ان کی ادائیگی کے کہاں تک مکلّف ہیں، ان میں سے بعض تو اصولی حقوق اور ان کے متعلق کلی احکام ہیں اور ان کا تعلق پورے معاشرہ کی فلاح سے ہے، اگر ان کو عمل میں نہ لایا جائے تو معاشرہ کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً عدل وانصاف کا قیام، ظلم و جور کا انسداد، انسانی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت، دوسرے افراد کے حقوق کا خیال مثلاً دولتمندوں پر غریبوں کے اور غربا پر دولتمندوں کے، باپ پر بیٹے کے، بیٹے پر باپ کے، بیوی پر شوہر کے، شوہر پر بیوی کے، اسی طریقہ سے اور رشتہ داروں کے دوسرے رشتہ داروں پر اور بڑوں پر چھوٹوں کے اور چھوٹوں پر بڑوں کے، وقس علی ہذا پھر مختلف طبقوں کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں،

ایک قانونی جن کی ادائیگی پر قانون مجبور کرتا ہے، دوسرے اخلاقی جن کی ادائیگی پر قانون تو مجبور نہیں کرتا لیکن ان کی ادائیگی انسانی شرافت کا تقاضا ہے، آیندہ ابواب میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

عدل وانصاف کا قیام: ان میں سب سے مقدم عدل وانصاف ہے کہ اسی پر معاشرہ بلکہ دنیا کا سارا کارخانہ قایم ہے، اگر عدل وانصاف ختم ہوجائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے اور وہ جہنم کا نمونہ بن جائے، اس لیے دنیاوی قانون کا منشا بھی عدل وانصاف کا قیام ہے، اسلام نے جس تفصیل سے عدل کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے، اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں مل سکتی، اسلامی عقیدہ کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہے، وہ اپنے عدل ہی سے کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِماً بِالْقِسْطِ (آل عمران-۲)

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی عدل وانصاف کا قیام ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسطِ (حدید-۲)

تحقیق ہم نے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان کی معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا تا کہ لوگ انصاف پر قایم رہیں۔

کلام مجید کے نزول کا مقصد بھی عدل وانصاف کا قیام ہے، رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

اِنَّـا اَنـزَلـنَـا اِلَيكَ الكِتَـابَ بِـالحَقِّ لِتَـحكُمَ بَينَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيماً (نساء-١٦)	ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر اتاری تا کہ جیسا تم کو خدا نے سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور دغابازوں کے حامی نہ بنو

اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَاِنْ حَكَمتَ فَاحْكُمْ بَينَهُم بِالقِسْطِ اِنَّ الـلّٰـهَ يُـحِـبُّ الـمُقسِطِينَ (مائدہ-١٦)	اور جب فیصلہ کرو تو ان کے (یہود) درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَقسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ المُقسِطِينَ (حجرات-١)	اور انصاف کو ملحوظ رکھو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
اِنَّ الـلّٰـهَ يَـاْمُرُ بِـالعَدلِ وَالاِحسَـانِ (نحل-١٣)	بیشک اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گواہی میں خواہ وہ کسی قرابت مندی ہی کا معاملہ ہو، عدل کو ملحوظ رکھو۔

وَاِذَا قُلتُم فَاعدِلُوا وَلَو كَانَ ذَا قُربىٰ (انعام-١٩)	اور (گواہی یا فیصلہ میں) جب بات کرو تو خواہ قرابت مندی ہی کے مقابلہ ہو انصاف کا لحاظ رکھو۔

اپنی ذات اور والدین کے معاملہ میں بھی شہادت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

يَـا اَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِـالقِسْـطِ شُهَـدَاءَ لِلّٰـهِ وَلَو عَلَى	مسلمانو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قایم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، اگر چہ یہ

اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا (نساء-۲۰)

گواہی تمھاری ذات یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے، اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم انصاف کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے انحراف کرنے لگو اور اگر دبی زبان سے گواہی دوگے یا گواہی سے پہلوتہی کروگے تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔

ان آیات میں مقدمات اور گواہی میں انصاف کے خلاف جتنے پہلو نکل سکتے تھے سب کی جڑ کاٹ دی، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ اِنَّ اللّٰہَ یَعِظُکُمۡ بِهٖ، اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا (نساء-۷)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اللہ تم کو جو نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

دشمنوں کے معاملہ میں عدل: دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی کی ممانعت اور جادۂ انصاف پر قایم رہنے کی تاکید ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ خَبِیۡرٌ

مسلمانو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کی باعث نہ بنے کہ تم (معاملات میں ان

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ (مائدہ-۲)

کے ساتھ) انصاف نہ کرو، ہرحال میں انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (مائدہ-۱)

اور مسلمانو! بعض لوگوں نے تم کو حرمت والی مسجد (خانہ کعبہ) سے روکا ہے تو یہ عداوت تم کو زیادتی کرنے کا باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

عفوودرگذر: عدل کا مقتضا یہ بھی ہے کہ مجرموں کو ان کے جرم کی پوری سزا دی جائے، اسلام کی عدالت میں ان کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں، ورنہ معاشرہ اور حکومت کسی کا نظام قایم نہیں رہ سکتا، لیکن ذاتی معاملات میں عدالت سے باہر مظلوم کو جس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی گئی ہے، اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو برابر کا بدلہ لے لے اور چاہے معاف کردے لیکن عفوودرگذر کا درجہ بلند قرار دیا ہے۔

وَجَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ (شوریٰ-۴)

اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (نحل-۱۵)

اور اگر تم پر سختی کی گئی تو تم بھی ویسی ہی سختی کرلو جیسی تمھارے ساتھ کی گئی اور اگر تم صبر سے کام لوتو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (بقرہ-۲۴)

پس جو شخص تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم اس پر کرلو (لیکن زیادتی کرنے میں) خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ فَاِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ-۴)

اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی خطا معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

عفوودرگذر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور غفار وغفور اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہیں، جن کا ذکر کلام مجید میں بار بار آیا ہے اور یہ آیت تو اس کے عفوودرگذر اور رحمت ومغفرت کا منتہائے کمال ہے۔

قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر-۶)

اے میرے بندو! جنھوں نے (گناہ سے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ معاف کردیتا ہے اور بیشک وہی تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی عفوودرگذر کی توقع کرتا ہے، غصہ کا ضبط اور عفوودرگذر ان اوصاف میں سے ہے جن کا صلہ مغفرت اور آسمانوں اور زمین کی جیسی وسیع جنت ہے، اس لیے حکم ہوتا ہے کہ

وَسَارِعُوا اِلَی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران-۱۳)

اور اپنے پروردگار کی بخشایش اور جنت کی طرف لپکو، جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے جیسا ہے، جو ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو تنگ دستی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو گھونٹ جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

عفوودرگذر کے صلہ میں خدا درگذر کرنے والے کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نور-۳)

اور چاہیے کہ وہ (خطا کو) معاف کردیں اور درگذر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْراً اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً قَدِيْراً (نساء-۲۱)

اور بھلائی علانیہ کرو یا خفیہ یا برائی سے درگذر کرو تو اللہ باوجود قدرت کے درگذر کرتا ہے (اس لیے تم بھی درگذر سے کام لو)

برائی کا جواب بھلائی سے دینا بڑے حوصلہ کا کام ہے، اس سے دشمن دوست بن جاتا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ وَمَا

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، اگر کوئی شخص برائی کرے تو اس کا جواب بھلائی سے دو تو تمھارے اور جس شخص

يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ (حٰم سجدہ-۵)

کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا جگری دوست بن جائے گا اور اس کی توفیق انہی لوگوں کو ہوتی ہے جن میں صبر ہے اور انہی کو توفیق ہوتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔

جو لوگ خدا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں ان کا انجام بخیر ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَّيَدْرَئُوْنَ الْحَسَنَةَ بِالسَّيِّئَةِ اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (رعد-۱۳)

اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے رب کی خوشنودی کے لیے صبر کیا اور نمازیں پڑھیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا تھا اس میں خفیہ اور علانیہ خدا کی راہ میں خرچ کیا اور برائی کے بدلہ نیکی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام بخیر ہوگا۔

تبلیغ اور ہدایت کے سلسلہ میں کفار اور مشرکین کے گستاخانہ رویہ کے مقابلہ میں عفو و درگذر کا حکم۔

خُذُوا الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اعراف-۲۴)

درگذر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں سے نیک کام کرنے کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

برائی کے بدلہ میں اچھے برتاؤ کی ہدایت:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (مومنون-٦)

(اے پیغمبر تمھارے ساتھ جو برائی کرے) اس کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو وہ تمھاری نسبت جو

کچھ کہا کرتے ہیں اس سے ہم خوب
واقف ہیں۔

انسان کے ضبط وتحمل کے امتحان کا اصل موقع وہ ہوتا ہے جب اس کی عزت و ناموس پر حملہ کیا جائے اور اس وقت وہ درگذر سے کام لے، ایسے موقع پر بھی قرآن مجید نے عفوودرگذر کا حکم دیا ہے، ایک صحابی حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے، جن کی آپ کفالت کیا کرتے تھے مگر جب انھوں نے واقعۂ افک (۱) میں حصہ لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی امداد بند کردی، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور-۳)

اورتم میں سے جولوگ معزز اور صاحبِ مقدرت ہیں وہ قرابت داروں اورمحتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کوامداد نہ کرنے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، بلکہ چاہیے کہ اس کا قصور معاف کردیں اور درگذر سے کام لیں، کیاتم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے اور بعض دوسری آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جوشخص دوسروں کے قصور معاف کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔

حدیثوں میں بھی عفوودرگذر کی بڑی ترغیب اور فضیلت ہے، حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو ماررہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو، مڑکر دیکھا تو آنحضرت ﷺ فرمارہے تھے کہ ابومسعود جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قابو خدا کوتم پر ہے (یعنی اس کے باوجود تمھاری خطاؤں سے درگذر کرتا ہے،

---

(۱) بخاری باب افک

اس لیے تم کو بھی عفوو درگذر سے کام لینا چاہیے) ابومسعودؓ پر اس ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ پھر انھوں نے اپنے کسی غلام کو کبھی نہیں مارا۔

اسی طریقہ سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہؐ! اپنے خادم کا کتنا قصور معاف کروں؟ آپؐ چپ رہے، جب دوبارہ پوچھا تو فرمایا کہ ہر روز ستر مرتبہ (۱)

خود رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ معاف کردیتے تھے۔

لَایَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةِ وَلٰکِن یَّعْفُوْ وَیَصْفَحُ (۲)

آنحضرت ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے بلکہ معاف کردیتے اور درگذر سے کام لیتے تھے۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے میں زہر دے دیا تھا آپ کو کھانے کے درمیان میں پتہ چل گیا اور جب اس عورت سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا لیکن آپؐ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی اور معاف کردیا۔ (۳)

احسان وسلوک: زندگی کے کاروبار اور انسانوں کی ضرورتوں میں ایک دوسرے کی عملی ہمدردی، امداد واعانت اور احسان وسلوک پر انسانی معاشرہ قایم ہے، گر یہ شریفانہ جذبہ نہ ہو تو معاشرتی مسرتوں کا خاتمہ ہوجائے، اس لیے اسلام میں احسان وسلوک کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ خود بڑا محسن ہے، اس کے صفات میں ایک صفت احسان بھی ہے، بندوں کے ساتھ اس کے احسانات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا (نحل-۲)

اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

---

(۱) یہ دونوں واقعے ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی ادب الخادم میں ہیں۔ (۲) ترمذی باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ (۳) ادب المفرد باب العفو والصفح عن الناس

اس لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے کے ساتھ احسان وحسن سلوک سے پیش آئیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبیٰ (نحل-۱۴)	اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے ساتھ عدل و احسان وسلوک کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (قصص-۸)	تم بھی احسان کرو جس طرح خدا نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے۔

اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (بقرہ-مائدہ)	اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

انسانی ضرورتوں اور احتیاجوں کی طرح احسان وسلوک کی شکلیں بھی بے شمار ہیں، ان کا احاطہ دشوار ہے، اس کی مختصر تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ دوسروں کی ہر قسم کی جائز امداد واعانت اور وہ نیک کام جس سے دوسروں کی ضرورت پوری اور مشکل آسان ہو یا اس کو آرام وراحت اور خوشی ومسرت حاصل ہو اس اعتبار سے احسان میں ایک انسان سے متعلق دوسرے انسانوں کے جملہ اخلاقی فرائض آجاتے ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس سے ہر سلیم الفطرت انسان واقف ہے۔

رحم: انسانیت کا ایک بڑا وصف جس سے اس کی تکمیل ہوتی ہے رحم ہے، جس انسان میں رحم نہ ہو وہ حیوان اور جس دل میں لطف ومحبت نہ ہو وہ پتھر کا ٹکڑا ہے، اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا وصف رحمٰن اور رحیم ہے، رحمت اس پر اس قدر غالب ہے کہ رحمٰن ورحیم جو اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اسم علم کی جگہ لے لی ہے، چنانچہ رحمٰن ورحیم کا اطلاق صرف اس کی ذات پر اور کلام مجید کی ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے

سارا عالم اسی کی رحمت کا جلوہ گاہ ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً (مومنون-۱)
اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

وہ سب سے بڑا رحم والا ہے۔ اَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ

اس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لی ہے، کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِلّٰهِ كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام-۲)
پوچھیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے، کہہ دیجیے اللہ کا ہے، اس نے (مخلوقات پر) رحمت اپنے اوپر واجب کر لی ہے۔

چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (انبیاء)
ہم نے تم کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

آپ کی ذات سراپا رحم وکرم تھی۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ-۱۶)
لوگو! تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمھاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے اور ان کو تمھاری بہبود کا ہوکا ہے اور وہ مسلمانوں پر غایت درجہ شفیق ومہربان ہیں۔

صحابۂ کرام کا یہ خاص وصف تھا کہ وہ آپس میں بڑے رحم دل تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح-۴)
محمد رسول اللہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار پر زور آور اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

رحم اللہ تعالیٰ کے اسم صفت رحمٰن ہی کی ایک شاخ ہے، جو شخص اس کو جوڑتا ہے، اللہ اس کو جوڑتا ہے اور جو اس کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ دیتا ہے۔

اَلرَّحْمُ شَجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ قَطَعْتُهُ (۱)	رحم رحمٰن کی جڑ سے نکلی ہوئی ایک شاخ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص تجھ کو جوڑے گا میں بھی اس کو جوڑوں گا اور جو تجھ کو کاٹے گا میں بھی اس کو کاٹوں گا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں جہاں بھی رحم و کرم کا جلوہ ہے سب اسی رحمتِ الٰہی کا پرتو ہے، حدیث میں رحم کی بڑی تاکید ہے۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِيْ السَّمَاءِ (۲)۔	رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ (۳)	جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔

اور رحم و کرم کا یہ حکم کسی خاص طبقہ کے لیے نہیں بلکہ ساری مخلوق اس میں برابر کی شریک ہے، حدیث میں ہے۔

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ	ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی کرتا ہے

بندوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ خدا کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ ہے،

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ (۲) بخاری ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی رحمۃ الناس (۳) ادب المفرد باب من لا یرحم لا یرحم

حدیثِ قدسی میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز وجل قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تیری عیادت کس طرح کرتا، تو تو خود سارے جہان کا پروردگار ہے، خدا فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا پروردگار تو خود رب العالمین ہے، میں تجھ کو کس طرح کھانا کھلاتا، خدا فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کو میرے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی پانگا مگر تو نے نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا، تو خود رب العالمین ہے، خدا فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا، اگر پلاتا تو اس کو میرے پاس موجود پاتا۔(۱)

اس حدیث سے خلقِ خدا کے ساتھ رحم وکرم کے بارہ میں اسلامی نقطۂ نظر کی پوری وضاحت ہوتی ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

تم اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، میں بتاؤں آپس میں محبت کا ذریعہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ! فرمایا: ایک دوسرے کو سلام کرو، تم میں محبت پیدا ہو جائے گی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس وقت تک تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت کا برتاؤ نہ کرو، لوگوں نے عرض کیا ہم سب رحم کرتے ہیں، فرمایا کسی ایک شخص کی رحمت نہیں بلکہ رحمتِ عام مطلوب ہے۔(۲)

نرمی اور لطف ومداراۃ: انسانی اخلاق کا ایک پہلو نرمی، لطف ومدارات اور حسن اخلاق

(۱) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب فضل عیادۃ المریض (۲) مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۶۷ و ۱۶۸

بھی ہے یعنی ہر معاملہ میں سختی کے بجائے نرمی اختیار کی جائے، اخلاق سے ملا جائے، نرم اور میٹھی بات کی جائے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت لطیف بھی ہے اور بندوں کے ساتھ اس کا معاملہ لطف اور نرمی کا ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (شوریٰ-۲)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ لطف فرماتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص وصف نرم دلی اور بردباری تھی۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ-۱۴)

بیشک ابراہیم نرم دل اور بردبار تھے۔

بات نرمی سے کرنی چاہیے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ہدایت تھی کہ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ-۲)

پس دونوں اس (فرعون) سے نرمی سے بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑے اور خدا سے ڈرے۔

رسول اللہ ﷺ کی نرمی و ملاطفت کی ان الفاظ میں توصیف کی گئی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران-۱۷)

پس اللہ کی رحمت کے سبب سے آپ ان کے لیے رحم دل ہوئے، اگر آپؐ مزاج کے اکھڑ ہوتے تو وہ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

درحقیقت حلم و بردباری، عفوودرگذر، نرم دلی و نرم خوئی، خوش اخلاقی و خندہ جبینی انسانی اخلاق کا زیور ہیں، جن سے ان کا حسن دوبالا ہوتا ہے، نرمی ہر چیز کو سنوارتی اور سختی بگاڑتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الرِّفْقَ لَايَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ

جس چیز میں بھی نرمی پائی جائے اس کو

وَلَایُنزَعُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہُ (۱) — سنوارتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ خود نرم ہے اور نرمی کو پسند اور سختی و درشتی کو ناپسند کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَالَایُعْطِیْ عَلَی الْعُنفِ وَمَایُعْطِیْ سِوَاہُ (۲) — اللہ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی یا اور کسی چیز پر نہیں دیتا۔

نرم خو پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلَا اُخبِرُکُم بِمَنْ یُحَرَّمُ عَلَی النَّارِ وَبِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَیْہِ النَّارُ، عَلٰی کُلِّ ھَیِّنٍ لَیِّنٍ قَرِیْبٍ سَھْلٍ (۳) — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بتاؤں جو شخص آتشِ دوزخ پر حرام اور جس پر آتشِ دوزخ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے لیے آسان ہو، نرم ہو، قریب ہو اور سہل ہو۔

جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ خیر سے محروم ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَن یُّحْرَمُ الرِّفْقَ یُحْرَمُ الْخَیرَ (۴) — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔

رسول اللہ ﷺ امت پر بڑے شفیق تھے، اس لیے آسانی پیدا کرنے کی ہدایت فرماتے اور سختی پیدا کرنے سے منع کرتے تھے۔

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَکِّنُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا — آسانی پیدا کرو اور دشواری پیدا نہ کرو اور تسکین دلاؤ اور وحشت نہ دلاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ کو کسی مقام پر تبلیغ کے لیے بھیجا تو ہدایت فرمائی۔

---

(۱) تا (۴) یہ سب حدیثیں مسلم کتاب البر والصلہ باب فضل الرفق میں ہیں۔

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا (۱)

لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا دشواری نہ پیدا کرنا، ان کو بشارت دینا، وحشت نہ دلانا۔

لطف و مدارات کے لیے حسن اخلاق ضروری ہے، اس لیے حسن اخلاق پر بھی اسلام نے بڑا زور دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ خِیَارَکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقاً (۲)

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ (۳)

جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کوئی اچھا کام کرلو جو اس کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

خندہ جبینی سے ملنا بھی نیک کام ہے، جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ کل معروف صدقۃ ومن المعروف ان تلقلك أخاك بوجه طلق وان تفرغ من دلوك فی اناء أخیك (۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے، نیکی یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور اپنے ڈول سے اس کے برتن میں پانی ڈال دو

دوسری حدیث میں ہے۔

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسروا ولاتعسروا وکان یحب التخفیف والیسر علی الناس (۲) بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب صفۃ النبی ﷺ (۳) ترمذی ابواب البر والصلہ باب معاشرۃ الناس (۴) ایضاً باب ماجاء فی طلاقۃ الوجہ وحسن البشر

لاتحقرن من المعروف شیئاً ولو ان تلقی أخاك بوجه طلق(۱)	کسی نیک کام کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو حتی کہ اپنے بھائی سے خندہ جبینی سے ملنے کو بھی حقیر مت سمجھو۔

اللہ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہے جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

ان أشر الناس منزلة عند الله یوم القیامة من وعد أو ترکه الناس اتقاء فحشه(۲)	اللہ کے نزدیک قیامت میں درجہ میں سب سے براانسان وہ ہے جس کی بدکلامی سے بچنے کے لیے لوگ اس کو چھوڑ دیں۔

ظلم کی مذمت: عدل وانصاف، رحم وکرم، عفوودرگذر اور احسان وسلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے، معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شادوآباد ہوتی ہے، اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہوجاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوجاتا ہے اور دنیا ویران ہوجاتی ہے، اس لیے کلام مجید میں جتنی عدل واحسان کی توصیف وقیام عدل کی تاکید ہے اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (آل عمران)	اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

ظالم ہدایتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (بقرہ وآل عمران)	اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ظالموں کے لیے نہایت سخت اور دائمی عذاب ہے۔

---

(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب استحباب طلاقۃ والوجہ عند اللقاء
(۲) ایضاً باب مداراۃ من یتقی فحشہ

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِیْنَ عَذَاباً اَلِیْماً (فرقان)	اور ہم نے ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِیْنَ نَاراً (کہف)	ہم نے ظالموں کے لیے آتشِ دوزخ تیار کر رکھی ہے۔
اِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ابراہیم)	بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔

اَلاَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِیْنَ (ھود-۲)	ہاں ظلم کرنے والوں پر خدا کی پھٹکار ہے

ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔

وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ (مومن)	ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔

ان کا کوئی مددگار نہیں۔

وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ نَصِیْرٍ (حج)	اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

کلام مجید میں ظلم کے لیے دو اور الفاظ یعنی (سرکشی) اور عدوان (تعدی) بھی استعمال ہوئے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (اعراف-۴)	اور کہہ دیجیے کہ میرے رب نے بے خیالی کے کاموں کو خواہ وہ کھلے ہوئے ہوں یا چھپے ہوئے اور گناہ اور ناحق کی سرکشی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

حدیثوں میں بھی مختلف عنوانوں سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور ظالموں کے لیے بڑی وعید آئی ہے، مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ٹکڑا ہے۔

یَا عِبَادِی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرماً	اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کے

فلاتظالموا(۱) | درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے، اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

مسلم کی دوسری روایت میں ہے۔

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ(۲) | ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن ظلمات (اندھیرا) ہوجائے گا۔

خدااور مظلوم کی بددعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

اتق من دعوۃ المظلوم فانما لیس بینھا وبین اللہ حجاب(۳) | مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا اور آیت پڑھی: اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ، اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (ہود-۹)(۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو، اس کو چاہیے کہ آج اس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرالے، جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے درہم و دینار کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے، وہ بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے اور اگر نیک عمل نہ ہوں گے تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے۔(۵)

اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے ظلم کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

☆☆☆

(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تحریم الظلم (۲) ایضاً (۳) بخاری کتاب المظالم باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم (۴) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تحریم الظلم (۵) بخاری کتاب الظالم

پانچواں باب
عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق

یہ تو انسانی حقوق وفرائض کے متعلق کلی احکام وہدایات تھے، اسلام نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ پوری تفصیل سے عورت مرد، چھوٹے بڑے، اعزہ اقربا، احباب وپڑوسی اور حیوانات ونباتات تک کے حقوق متعین کردئے ہیں، ان حقوق میں الفت ومحبت، ہمدردی وغمگساری، حفظ مراتب اور ہر قسم کی جسمانی ومالی امداد ودستگیری شامل ہے اور اس کا دائرہ درجہ بدرجہ وسیع ہوتا ہوا انسانوں سے لے کر حیوانات تک محیط ہوگیا ہے، ان میں سب سے مقدم حق ذوی القربیٰ یعنی رشتہ داروں کا ہے، کلام مجید میں ان کے حقوق کی ادائگی کی بڑی تاکید ہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (روم-۴) قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (بنی اسرائیل-۳) اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔

دولت ومال کی محبت اور ذاتی ضروریات رکھتے ہوئے قرابت داروں کی امداد بڑی نیکی کا کام ہے۔

وآتی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (بقرہ-۲۲) اور (اصلی نیکی یہ ہے) وہ مال کی محبت کے باوجود قرابت مندوں کو دے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل-۱۳)	بیشک اللہ تعالیٰ انصاف، حسن سلوک اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

اگر قرابت داروں سے قصور ہو جائے تو بھی ان کی امداد کو نہ روکا جائے، اوپر گذر چکا ہے کہ واقعہ افک میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک عزیز مسطح بھی شامل تھے، اس لیے انھوں نے ان کی امداد کرنا بند کر دی، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوا الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ (نور-۳)	اور تم میں جو لوگ بڑائی اور وسعت رکھتے ہیں وہ قرابت مندوں اور محتاجوں کو دینے کی قسم نہ کھالیں۔

ذوی القربیٰ کے حقوق کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ حق اور تبلیغِ اسلام کی راہ میں جو زحمتیں، تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں ان کے صلہ میں آپؐ نے اپنی امت سے صرف قرابت داروں کا حق ادا کرنے کی خواہش کی۔

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ-۳)	کہہ دو اے پیغمبر میں تم سے اس پر (دعوت حق پر) بجز اس کے اور کوئی معاوضہ نہیں چاہتا کہ رشتہ داروں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔

صلہ رحم کی اہمیت اور اس کی تاکید: ذوی القربیٰ میں ان لوگوں کا حق سب سے مقدم ہے جن سے خون کا رشتہ ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی کو صلہ رحم اور نہ ادا کرنے کو قطع رحم کہتے ہیں، اسلام میں صلہ رحم کی بڑی تاکید اور اس پر بڑے اجر کا وعدہ ہے اور قطع رحم کی بڑی مذمت اور قاطع رحم کے لیے بڑی وعید آئی ہے، کلام مجید کا حکم ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً (نساء-۱)	اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں سے خبردار رہو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

قطع رحم کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ (بقرہ-۳)

اور (اس مثل سے) گمراہ نہیں کرتا مگر انہی لوگوں کو جو نافرمانی کرتے اور خدا سے جو عہد باندھا ہے اس کو توڑتے ہیں اور خدا نے جن (تعلقات) کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں۔

اس جوڑنے اور کاٹنے کے اجمال کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

اَلرَّحْمُ شَجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ (۱)

رحم (شکم مادر) رحمٰن سے نکلی ہوئی ایک شاخ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تجھ کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھ کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

یعنی جو شخص صلہ رحم کرے گا، خدا اس کے ساتھ رحم سے پیش آئے گا اور جو قطع رحم کرے گا خدا کا رحم اس سے دور ہوگا، حدیثوں میں مختلف تمثیلی پیرایوں میں صلہ رحم کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کی پیدائش سے فارغ ہو چکا تو رحم نے اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیا اور کہا یہ اس کا مسکن ہوگا جو تیری گرہ (یعنی صلہ رحم کو) کاٹنے (قطع رحم) سے بچے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک کیا تجھ کو یہ پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا، رحم نے عرض کیا ہاں یارب فرمایا تو یہ تجھ کو دیا گیا، یہ بڑا حق ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اَنْ تَوَلَّيْتُمْ اِنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوْا

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ

اَرْحَامَکُمْ محمد-۲)(۱)

وہ قوم رحمت الٰہی سے محروم رہتی ہے جس میں کوئی قاطع رحم ہوتا ہے اور اس کو دنیا ہی میں قطع رحم کی سزا مل جاتی ہے۔(۲)

مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رحم عرش الٰہی میں لٹکا ہوا کہتا ہے کہ جس نے مجھ کو جوڑا اس کو خدا جوڑے گا اور جس نے مجھ کو کاٹا خدا اس کو کاٹے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت پیدا ہو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے، بعض روایتوں میں ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔

ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز بتایئے جو مجھ کو جنت سے قریب اور آتشِ دوزخ سے دور کردے، فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس میں شریک نہ کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحم کرو۔(۳)

بدلہ کا صلہ رحم معتبر نہیں ہے کہ ایک شخص نے کسی کے ساتھ صلہ رحم کیا تو اس نے بھی اس کا بدلہ دے دیا بلکہ صلہ رحم یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحم نہ کرے اس کے ساتھ بھی صلہ رحم کیا جائے۔(۴)

والدین کے حقوق: دنیا میں انسان کے سب سے بڑے محسن اس کے والدین ہیں، وہ اولاد سے جیسی بے غرض محبت کرتے اور ان کی پرورش و پرداخت میں جو تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتے اور ان کی خوشی و مسرت اور راحت و آرام کے لیے اپنی ساری راحتیں قربان کردیتے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہے، اس لیے والدین کا حق سب سے زیادہ ہے اور ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور حسن وسلوک کی کلام مجید میں بڑی تاکید ہے۔

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصلہ وصلہ اللہ، یہ دونوں حدیثیں مسلم باب البر والصلہ والآداب باب صلۃ الرحم والتحریم قطعتھا میں ہیں۔ (۲) ادب المفرد (۳) ادب المفرد باب صلۃ رحم (۴) بخاری کتاب الادب باب لیس الواصل بالمکافی

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَّحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا (احقاف-۲)

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے اس کو تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر جنا اور حمل میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔

والدین کا حق اتنا بڑا ہے کہ خدا کی عبادت اور شرک کی ممانعت کے ساتھ ہی ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (نساء-۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آؤ۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَبُّكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (انعام-۱۶)

کہہ دو اے پیغمبر! آؤ میں تم کو پڑھ کر بتاؤں کہ تمھارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

والدین کا اپنی اولاد پر یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کے سامنے اف نہ کہا جائے، ان سے عاجزی کے ساتھ پیش آیا جائے، ان کی خدمت اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ

اور تمھارے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، اگر

لَهُمَا اُفٍّ وَلَاتَنهَرهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَولًا كَرِيمًا وَاخفِض لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَةِ وَقُل رَّبِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا (بنی اسرائیل-۳)

ان میں ایک یا دونوں تمھارے سامنے ضعیفی کی عمر کو پہونچیں تو ان کے آگے اونھ بھی نہ کرو، نہ ان کو جھڑکو اگر ان سے کچھ کہنا ہو تو ادب کے ساتھ کہو اور محبت سے عاجزی کا پہلو ان کے سامنے جھکا دو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار تو ان پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا۔

اسلام میں شرک سے بری کوئی چیز نہیں ہے، مشرک سب سے بڑا گنہگار ہے لیکن والدین کا اتنا بڑا حق ہے کہ مشرک والدین کے ساتھ بھی نیکی کرنے کا حکم ہے، البتہ اگر وہ شرک کی دعوت دیں تو اس کو قبول نہ کرنا چاہیے۔

وَوَصَّينَا الاِنسَانَ بِوَالِدَيهِ حُسنًا وَّاِن جَاهَدَاكَ لِتُشرِكَ بِى مَا لَيسَ لَكَ بِهِ عِلمٌ فَلَا تُطِعهُمَا (عنکبوت-۱)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کی تاکید کی ہے اور اگر وہ تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا تو جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ مشرک والدین کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

وَاِن جَاهَدَاكَ عَلَى اَن تُشرِكَ بِى مَالَيسَ لَكَ بِهِ عِلمٌ فَلَاتُطِعهُمَا وَصَاحِبهُمَا فِى الدُّنيَا مَعرُوفًا (لقمان-۲)

اور اگر والدین تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والدین کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی کہ

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ (ابراہیم-٦) اے میرے پروردگار میرے ماں باپ کو بخش دے۔

حدیثوں میں بھی والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کی بڑی تاکید ہے اور اس کے بارہ میں تفصیلی ہدایات ہیں، خدا کے نزدیک نماز کے بعد سب سے پسندیدہ کام والدین کے ساتھ سلوک ہے اور جہاد جیسی عبادت کا درجہ اس کے بعد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کام کون سا ہے؟ فرمایا: وقت سے نماز پڑھنا، پوچھا پھر کون ہے، فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا، پوچھا اس کے بعد، فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ (۱)

چنانچہ جن لوگوں کے ضعیف والدین زندہ ہوتے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کو جہاد کے بجائے ان کی خدمت کا حکم دیتے اور جہاد سے روک دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت مانگی، آپؐ نے پوچھا تمھارے والدین زندہ ہیں، اس نے کہا زندہ ہیں، فرمایا: جاؤ انہی کی خدمت کرو، تمھارا یہی جہاد ہے۔ (۲)

حضرت ابودرداء انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو نو چیزوں کی وصیت فرمائی تھی، کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا، خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاؤ یا جلا دیے جاؤ، فرض نمازیں نہ چھوڑنا، جو عمداً نماز چھوڑے گا اس سے میں بری الذمہ ہوں، شراب نہ پینا کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے، والدین کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ اگر وہ دنیا چھوڑ دینے کو کہیں تو ان کے لیے دنیا چھوڑ دینا۔ (۳)

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب وصینا الانسان بوالدیہ (۲) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب بر الوالدین وانھما احق بھا (۳) ادب المفرد باب بر والدیہ مالم یکن معصیۃ اس حدیث میں باقی چیزوں کا بھی ذکر ہے۔

وہ بدبخت ہے جو بوڑھے باپ کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ذلیل وخوار ہے، وہ ذلیل وخوار ہے، حاضرین نے پوچھا کون یارسول اللہؐ! فرمایا: جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت نہ حاصل کر سکا۔(۱)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ خدا کی رضامندی باپ کی رضامندی ہے اور خدا کی ناخوشی باپ کی ناخوشی ہے۔(۲)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ والدین کا حق اپنی اولاد پر کیا ہے، آپؐ نے فرمایا وہ تمھاری جنت و دوزخ ہیں(۳)(یعنی ان کی رضامندی میں جنت ہے اور نارضامندی میں دوزخ)

جس کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کو جہاد اور ہجرت کی اجازت نہ دیتے تھے کہ اس سے والدین کو تکلیف ہوگی اور وہ اس کی خدمت سے محروم ہو جائیں گے۔

ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو، تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے، عرض کیا ہاں، دونوں زندہ ہیں، فرمایا: واپس جاؤ اور ان کی خدمت کرو۔(۴)

ادب المفرد میں یہ روایت اس شکل میں ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں اور ماں باپ کو روتا چھوڑ کر

---

(۱) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب (۲) ادب المفرد باب قول اللہ تعالیٰ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا (۳) ابن ماجہ (۴) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب بر الوالدین وانھما احق بھا

آیا ہوں، فرمایا: واپس جاؤ جس طرح ان کو رلایا ہے، اسی طرح ہنساؤ (۱) ماں باپ کی نافرمانی شرک اور گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو سب سے بڑا گناہ بتادوں، لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: خدا کی ذات میں شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی، آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا: ہاں جھوٹی بات اور جھوٹی شہادت اور اس کو بار بار دہراتے رہے حتی کہ مجھے خیال ہوا کہ آپؐ سکوت نہ فرمائیں گے۔ (۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت بھیجنا ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے، فرمایا: اس طرح کہ کوئی شخص کسی کے باپ پر لعنت بھیجے، وہ بھی بدلہ میں اس کے باپ پر لعنت بھیجے یا کسی کی ماں پر لعنت کرے، وہ اس کے بدلہ میں اس کی ماں پر لعنت کرے۔ (۳)

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے، فرمایا تمھاری ماں، پوچھا پھر کون، فرمایا: تمھاری ماں، پوچھا پھر کون، فرمایا: تمھاری ماں، پوچھا پھر کون، فرمایا: تمھارا باپ (۴)

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مجھے کیا حکم ہوتا ہے، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، سائل نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، آپؐ نے ہر مرتبہ فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، چوتھی مرتبہ باپ کو بھی شامل فرمایا۔ (۵)

---

(۱) ادب المفرد باب بر والدیہ مالم یکن معصیۃ (۲) بخاری کتاب الادب باب حقوق الوالدین من الکبائر (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین (۴) بخاری کتاب الادب باب ووصینا الانسان بوالدیہ (۵) ادب المفرد باب برالاب

ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، معاویہ بن جاہمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ نے پوچھا: تمھاری ماں موجود ہے، انھوں نے کہا: ہاں، فرمایا: بس ان کے قدموں سے چمٹے رہو، ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔(۱)

ماں کی خدمت گناہوں کا کفارہ ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، اب اس سے توبہ کی کوئی سبیل ہے، آپ نے پوچھا تمھاری ماں زندہ ہیں، انھوں نے کہا: نہیں، پوچھا: خالہ زندہ ہیں، انھوں نے کہا: ہاں، فرمایا: تو ان کے ساتھ نیکی کرو۔(۲)

ماں باپ کا حق ان کے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا، ان کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے، انھوں نے جو وعدے کیے تھے ان کو پورا کرنا چاہیے، ان کے اعزہ و اقربا اور احباب کا پاس ولحاظ کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرسکوں، فرمایا: ان کے لیے دعا کرو، ان کی مغفرت چاہو، ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو، ان کے اعزہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان کے دوستوں کا اعزاز واکرام کرو۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد کے ملنے والوں کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ عبداللہ بن دینار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی ابن عمرؓ کو مکہ کے راستہ میں ملا، عبداللہ نے اپنا گدھا جس پر وہ سواری کیا کرتے تھے اور اپنا عمامہ اس کو دے دیا، آپ کی فیاضی دیکھ کر

---

(۱) مسند ابن حنبل (۲) ترمذی کتاب البر والصلۃ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین

ابن دینار نے آپ سے کہا کہ اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ اعرابی تو تھوڑے سلوک سے خوش ہو جاتے ہیں (یعنی ان کے ساتھ اتنی دادودہش کی ضرورت نہ تھی) عبداللہ نے کہا کہ ان کے باپ میرے والد عمر بن الخطابؓ کے دوست تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ سب سے بڑی نیکی اولاد کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔(۱)

اولاد کے حقوق والدین پر: اولاد پر والدین کے حقوق کو تو سب مذاہب نے تسلیم کیا ہے اور ان کی ادائیگی اور والدین کی خدمت کی بڑی تاکید ہے، لیکن اسلام کے علاوہ غالباً کسی مذہب نے ماں باپ پر اولاد کا کوئی حق نہیں مانا ہے یا اس کا دائرہ بہت محدود رکھا ہے، اولاد کے حقوق کو والدین کے مرتبہ اور بزرگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے حقوق کے معاملہ میں چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، وہ جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے حق کو تسلیم کرتا ہے، اسی طرح بڑوں پر بھی چھوٹوں کے حقوق عائد کرتا ہے اور بڑی تفصیل سے ان کے حقوق کا احاطہ کیا ہے، اس کا ایک جامع اصول آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا	جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ اصول محض عمر میں چھوٹے بڑے نہیں بلکہ مرتبہ میں بھی چھوٹے بڑے سب پر حاوی ہے، اگر اسی اصول پر عمل کیا جائے تو حاکموں، محکوموں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں اور خادموں ہر طبقہ کے چھوٹوں بڑوں میں ناگواری نہ پیش آئے، ناگواری ہمیشہ اس اصول میں عدم توازن سے پیدا ہوتی ہے۔

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ استقرار حمل کے وقت ہی سے اس کے تحفظ کا اہتمام

---

(۱) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوہما

کیا جائے، چنانچہ اسلام میں بغیر طبی ضرورت کے اسقاطِ حمل گناہ ہے، پیدائش کے بعد اولاد کی پرورش و پرداخت میں کوتاہی نہ کی جائے، ان کی پرورش اور نشو ونما کے لیے وہ تمام ذرائع اختیار کیے جائیں جو والدین کی استطاعت میں ہیں۔

عرب کی وحشیانہ رسموں میں سب سے سفاکانہ رسم اولاد کشی تھی، جو اس زمانہ کی بہت سی قوموں میں رائج تھی، اسلام نے اس کو حرام قرار دیا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی، اس رسم کے کئی اسباب تھے، ایک سبب مذہبی تھا، والدین دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے اولاد کو بھینٹ چڑھاتے تھے، یہ رسم بعض وحشی اور بت پرست قبائل میں اب بھی جاری ہے، روما کے قانون میں باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کا پورا اختیار تھا، اس کی کوئی باز پرس نہ تھی اور اولاد کشی کا علانیہ رواج تھا(۱) ایک زمانہ میں راجپوتوں میں دختر کشی عام تھی، لڑکی کی شادی کے عار سے بچنے کے لیے پیدا ہوتے ہی اس کو مار ڈالتے تھے، قرآن مجید نے اس مذموم رسم کو جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی حرام قرار دیا۔

وَكَذَالِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (انعام-١٦)

اور اس طرح بہت سے مشرکین کو ان کے بنائے ہوئے شریکوں (دیوتاؤں) نے ان کی اپنی اولاد کے مار ڈالنے کو عمدہ کر کے دکھایا ہے تا کہ ان کو ابدی ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے (تو اے پیغمبر) ان مشرکوں کو اور ان کی افترا پردازیوں کو (اللہ پر) چھوڑ دو۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

---

(۱) لیکی کی تاریخ یورپ ج اول ص ۲۲ مترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام-٦)

بے شک وہ لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت سے مار ڈالا۔

عربوں میں قتل اولاد کا ایک سبب ان کا فقر و فاقہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اگر اولاد زندہ رہے گی تو وہ ان کے لیے وبال ثابت ہوگی، اس سے بچنے کے لیے سرے سے اس کا قصہ ہی ختم کر دیتے تھے، کلام مجید نے ان کو بتایا کہ ہر جاندار کو رزق دینے والا خدا ہے، اس لیے فقر و فاقہ کے خوف سے کسی کو قتل نہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْراً (اسراء-۴)

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے نہ مار ڈالا کرو، ہم ہی ہیں جو ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں، ان کا مار ڈالنا بے شبہ بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی ممانعت شرک کی ممانعت کے ساتھ ساتھ کی گئی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَّلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام-١٩)

کہہ دو اے پیغمبرؐ! آؤ میں تم کو پڑھ کر بتا دوں کہ تمھارے پروردگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے، یہ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو نہ مار ڈالو، ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیتے ہیں۔

حدیثوں میں بھی اس کو قریب قریب شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ

قال قال رجل یارسول اللہ ﷺ أی الذنب أکبر عند اللہ قال أن تدعو للہ نداً وھو خلقك قال ثم أی قال أن تقتل ولدك خشیة ان یطعم معك

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہؐ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون ہے؟ فرمایا: یہ کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، پوچھا پھر کون گناہ ہے؟ فرمایا: اولاد کو اس خوف سے قتل نہ کردو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔

لڑکیوں کے قتل کی حرمت: لڑکیوں کے قتل کرنے کا دوسرا سبب جاہلانہ شرم و عار تھی، لڑکی والدین کے لیے باعث ذلت سمجھی جاتی تھی، ان کو لڑکی کی پیدایش کا بڑا غم ہوتا تھا اور وہ مارے شرم کے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے تھے اور اس کو زندہ دفن کر کے اس عار کو مٹاتے تھے، قرآن مجید کی ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (نحل-۷)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی (پیدایش) کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ آیا ذلت اٹھا کر وہ اپنے پاس رہنے دے، یا مٹی میں دفن کردے۔

اس کے بڑے دردناک واقعات حدیثوں میں ہیں، سنن دارمی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ہم لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بتوں کو پوجتے تھے، اولاد کو مار ڈالتے تھے، میرے ایک لڑکی تھی، جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑ کر میرے پاس چلی آتی، ایک دن میں نے اس کو بلایا وہ خوش

خوش چلی آئی اور میرے پیچھے ہولی، میں ایک کنویں کے پاس پہنچا جو میرے گھر کے قریب ہی تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکارنے لگی، یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس شخص کو ملامت کی کہ تم نے رسول اللہ ؐ کو غمگین کر دیا، آپ ؐ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اس پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا علاج پوچھنے آیا ہے اور اس سے دوبارہ اس قصہ کو سنا اور اس قدر روئے کہ آنسو بہہ کر ریشِ مبارک تک آگئے، پھر فرمایا: جاؤ جاہلیت کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے، اب نئے سرے سے عمل شروع کرو۔ (۱)

قبیلہ تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے اقرار کیا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں، آپ ؐ نے فرمایا ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو، قیس نے کہا یا رسول اللہ ؐ! میرے پاس اونٹ ہیں، فرمایا تو ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ ذبح کرو۔ (۲)

اسلام سے پہلے بعض نیک نفس لوگ ایسے موجود تھے جو لڑکیوں کی جان بچانے کے لیے والدین کو قیمت دے کر ان کو خرید لیتے تھے اور خود ان کی پرورش کرتے تھے، چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ نے اس میں بڑا نام پیدا کیا تھا، انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور اس کے شرف سے مشرف ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ! میں نے تین سو ساٹھ لڑکیوں کو خرید کر موت سے بچایا ہے، کیا مجھ کو اس کا اجر ملے گا، فرمایا: ہاں ملے گا، خدا نے تم کو مسلمان بنا کر تم پر احسان کیا ہے۔ (۳)

اسی طرح ایک اور شخص عمرو بن نفیل جو بعثتِ نبوی کے پہلے دین ابراہیمی کے پیرو تھے، اس قسم کی لڑکیوں کو لے کر ان کی پرورش کرتے تھے، جب وہ سیانی ہو جاتیں تو ان کے والدین سے کہتے کہ اگر چاہو تو ان کو واپس کر دوں، ورنہ میرے پاس رہنے دو۔ (۴)

---

(۱) سنن دارمی باب ما کان الناس قبل بعثۃ النبی ﷺ من الجہل والضلالہ (۲) ابن جریر و ابن کثیر تفسیر سورہ تکویر (۳) درمنثور تفسیر سورہ تکویر (۴) بخاری باب حدیث عمرو بن فضیل

لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کی فضیلت: لیکن ان انفرادی کوششوں سے اس مذموم رسم کا انسداد نہیں ہوسکتا تھا، اسلام نے اس کے استیصال کے لیے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ لڑکیوں کی پرورش ایک نیک عمل اور مستحسن فعل قرار دیا اور اس کو نجات اخروی کا ذریعہ بنا دیا اور رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو قیامت میں اپنی رفاقت اور ہم نشینی کی بشارت دی، حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

قال رسول الله ﷺ من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو هكذا وضم أصابعه (۱)	رسول اللہؐ نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اس کا ساتھ (انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہوگا۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں کئی روایتیں نقل کی ہیں کہ جس شخص کے دو یا تین لڑکیاں ہوں اور اس نے ان کی پوری پرورش اور پرداخت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۲)

مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کی پوری پرورش و پرداخت کی تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔(۳)

ابوداؤد میں ہے کہ جس۔نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۴)

حسن سلوک کے استحقاق میں لڑکے اور لڑکی کو برابر قرار دیا، محض لڑکی ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ طرز عمل میں کوئی فرق نہ کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس

---

(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب فضل الاحسان الی البنات (۲) ادب المفرد من عال جاریتین اوواحدۃ (۳) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب فضل الاحسان الی البنات (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیما

کے لڑکی پیدا ہو وہ اس کو زندہ رکھے، اس کی بے توقیری نہ کرے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اس کو خدا جنت میں داخل فرمائے گا۔(۱)

جو لڑکی شادی کے بعد بے آسرا ہو جائے باپ کے علاوہ اس کا کوئی سہارا نہ ہو، اس کی کفالت بڑے ثواب کا کام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کہ تم کو سب سے بڑا کارِ خیر بتاؤں، سراقہ نے عرض کیا ہاں، یا رسول اللہ! فرمایا: اس لڑکی کی کفالت جو تمھارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور اس کے لیے تمھارے سوا کوئی دوسرا کمانے والا نہ ہو۔(۲)

کلام مجید میں عورتوں سے جن چیزوں پر بیعت لینے کا حکم ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ (ممتحنہ-۲) اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

اس آیت کے نزول کے بعد جب عورتوں بلکہ مردوں سے بھی بیعت لیتے تھے تو اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔(۳)

اس سلسلہ میں یہ آیت حرفِ آخر کا حکم رکھتی ہے کہ قیامت کے ہولناک دن میں:

وَاِذَا الْمَوْءُدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۂ تکویر) جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی۔

تو قاتلوں پر کیا گذرے گی اور وہ اس کا کیا جواب دیں گے۔

لڑکی کا قتل تو بڑی چیز ہے، اس کی موت کی تمنا کرنا بھی حرام ہے، ادب المفرد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی تھا جس کے کئی لڑکیاں تھیں، اس

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیماً (۲) ادب المفرد باب فضل من عال ابنتہ الموؤدۃ (۳) بخاری کتاب التفسیر باب اذا جاءک المؤمنات ان یبایعنک کی تفسیر میں اس کی متعدد روایتیں ہیں۔

نے ان کی موت کی تمنا ظاہر کی، ابن عمرؓ بہت برہم ہوئے اور فرمایا: کیا تم ان کو رزق دیتے ہو۔(۱)

لڑکوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش کا سب سے پہلا کام رضاعت ہے، اس کی مدت کی تعیین خود کلام مجید نے کردی تھی۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَالْمَوْلُوْدُ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ-۳۰)	اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لیے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے اور لڑکے والے (باپ) پر ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے۔

کھانے کپڑے کی شرط اس لیے لگادی ہے کہ اگر مدت رضاعت میں شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو بھی اس کا کھانا کپڑا باپ کے ذمہ رہے گا یا اگر باپ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے تو اس کا کھانا کپڑا بھی باپ کے ذمہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اس لیے اس شرط کی ضرورت ہی نہ تھی، اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد جب تک سن شعور کو پہنچ کر کھانے کمانے کے قابل نہ ہو جائے، اس کی کفالت والد کے ذمہ ہے، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے۔

اولاد کے بارہ میں مختلف احکام: حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے اہل وعیال پر صرف کرے اور جس کو جہاد کی سواری خریدنے میں صرف کرے اور جس کو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر صرف کرے۔

اس روایت کے ایک راوی ابوقلابہ کہتے ہیں کہ پہلے آپؐ نے اہل وعیال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس شخص سے بڑا اجر کس کا ہوسکتا ہے جو اپنے صغیر السن بچوں پر خرچ کرتا

---

(۱) ادب المفرد باب من کرہ ان تمنی موت البنات

ہے اور اس کے ذریعہ ان کو دوسروں کی مدد سے مستغنی کر دیتا ہے۔(۱)

اولاد کو خوشحال چھوڑ جانا اخلاقی فرض ہے، اسی لیے ترکہ میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ دولت مند صحابی تھے، ان کے صرف ایک لڑکی تھی، وہ ایک مرتبہ ایسے سخت بیمار پڑے کہ زندگی کی امید باقی نہ رہ گئی، رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس دولت ہے اور میری وارث تنہا ایک لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال کی وصیت کار خیر کے لیے کر جاؤں، فرمایا: نہیں، سعد نے عرض کیا، اچھا تو نصف کی وصیت کر دوں، فرمایا: نہیں، صرف ایک تہائی کی وصیت کرو اور ایک تہائی بھی بہت ہے، اپنے بعد اپنے ورثہ کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔(۲)

اولاد کی پرورش کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے، کلام مجید نے اس کو ایک مختصر اور بلیغ جملہ میں ادا کیا ہے۔

يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُـوا قُـوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً (تحریم-۱)	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس سے مقصود ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے بچانا ہے جو آتشِ دوزخ کی مستحق بناتی ہیں، اس میں اخلاقی تعلیم و تربیت کے سارے پہلو آجاتے ہیں، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنی اولاد کو ادب سکھانا، ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے، دوسری روایت میں ہے کہ والد کا اولاد کے لیے سب سے بہتر عطیہ حسن ادب کی تعلیم ہے۔(۳)

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی النفقه علی الاہل (۲) یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، مسلم باب الوصیۃ بالثلث (۳) یہ دونوں روایتیں ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی ادب الولد میں ہیں

اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اولاد جو والدین کے لیے بلا اور مصیبت سمجھی جاتی تھی وہ دل کا ٹکڑا اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (فرقان-٦)	اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

اس بارہ میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، اولاد سے آپؐ کی محبت کے واقعات حدیثوں میں محفوظ ہیں، آپؐ کی سب اولادیں آپؐ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں، صرف حضرت فاطمہؓ زہرا رہ گئی تھیں، ان سے آپ کو غایت درجہ کی الفت تھی، ان کے متعلق آپؐ کا ارشاد ہے۔

فاطمة بضعة منى فمن أبغضها فقد أبغضنى (۱)	فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔

آپؐ کو حضرت فاطمہؓ سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا پیام دیا، آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مخصوص خطبہ دیا اور فرمایا کہ

بنی ہشام علی سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں، میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، البتہ علی میری بیٹی کو طلاق دے کر نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھ کو تکلیف پہونچائی۔

دوسری روایتوں میں اس مخالفت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتا، لیکن خدا کی قسم خدا کے رسولؐ کی لڑکی اور اس کے دشمن کی لڑکی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ (۲)

---

(۱) یہ پوری حدیث مسلم اور بخاری دونوں میں ہے۔ (۲) یہ روایتیں بخاری اور مسلم دونوں میں حضرت فاطمہؓ کے فضائل کے ابواب میں ہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں آتیں تو ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اپنے پہلو میں بٹھاتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، جب سفر میں جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے، ان کے صاحبزادوں حضرت حسنین علیہما السلام سے ان کی محبت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۱)

آپ ؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ اپنے بعد ایک صغیر السن لڑکی چھوڑ گئی تھیں، اس کا نام امامہؓ تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ کبھی کبھی مسجد میں ساتھ لاتے اور گود میں لیے ہوئے نماز پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ امامہ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تھے تو اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر لے لیتے۔ (۲)

اپنے نواسوں حضرت امام حسن و حسینؓ رضی اللہ عنہما سے آپ ؐ کی والہانہ محبت کے حدیثوں میں بکثرت واقعات ہیں، جن کی شہرت کی بنا پر ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

(۱) یہ سب واقعات فضائل فاطمہؓ میں ہیں۔ (۲) بخاری کتاب الصدقات باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلوٰۃ

چٹا باب

عورتوں کا درجہ اور ان کی حیثیت

بیوی کے حقوق

اسلام سے پہلے عورت کا درجہ بہت پست تھا، اس کی کوئی ذاتی حیثیت نہ تھی، وہ زندگی کے ہر مرحلے میں مردوں کی محکوم اور دست نگر تھی، اس کو اپنی املاک پر بھی اختیار نہ تھا، تقریباً تمام مذاہب نے عورتوں کی مذمت کی ہے، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کا درجہ بلند کیا، اس کی مستقل حیثیت قایم کی، ان کے حقوق متعین کیے، وراثت میں حصہ دار اور ان کی املاک کا ان کو مالک بنایا، چند کے سوا بیشتر امور میں ان کو مردوں کے برابر حقوق دیئے، جو لوگ پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے، ان کے دلوں میں ان کی مہر و محبت پیدا کی، ان کی پرورش و پرداخت کو اجر و ثواب قرار دیا، بیوی اور شوہر میں حقوق کی مساوات قایم کی، بیوی کو شوہر کی خادمہ کے بجائے رفیق زندگی اور رب البیت بنایا، ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت رکھی، غرض ہر پہلو سے عورت کا درجہ بلند کیا۔

دوسری اقوام و مذاہب میں عورتوں کی حیثیت اور ان کے حقوق: یونان و روم میں جو اپنے دور میں تہذیب و تمدن کے معلم سمجھے جاتے تھے، عورتوں کو کچھ حقوق ضرور حاصل ہوئے، اس کے باوجود بقول لیکی ان کی حالت یہ تھی۔

''بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی، وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا، طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا، تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار دنیا یونانی ناموس حیا کے منافی تھا، البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا، دوسری بات یہ تھی کہ اشیعیا کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا، لیکن بس ان دو باتوں کے سوا کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں پیش نہیں کی جاسکتی، فلاطون نے بے شبہ مرد وعورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی، عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی''۔(۱)

روما میں عورتوں کی یہ پوزیشن تھی۔

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا، جہیز یا دولہن کے والد کو نذرانہ دینے کی مطلق رسم نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا، زمانہ مابعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہوگیا تھا اور اس کے

(۱) تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ اردو جلد دوم ص ۱۸۲

اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل تک کر سکتا تھا،
۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہیں سنا۔"(۱)

قدیم مذاہب نے بھی جو اخلاق کے سب سے بڑے معلم تھے، عورتوں کی حالت میں کوئی خاص تغیر نہیں پیدا کیا، یہودی مذہب نے جو محض اخلاقی تعلیم کا مبلغ نہیں بلکہ یہودیوں کے لیے ضابطۂ حیات ہے، عورت کو اس جرم میں کہ اس نے حضرت آدمؑ کو بہکایا تھا ہمیشہ کے لیے مردوں کا محکوم بنا دیا۔

"اور خداوند نے کہا میں تیرے درد حمل کو بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" (پیدائش باب ۳)

مرد کی موجودگی میں وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہے، عیسائی مذہب میں عورتوں کے متعلق یہ احکام ہیں۔

"چاہیے کہ عورت چپ چاپ کمال فرماں برداری سیکھے اور میں اجازت نہیں دیتا عورت سکھائے یا اپنے شوہر پر حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا بعد اس کے حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا، پر عورت فریب کھا کر گناہ میں پھنسی۔"
(پولس پہلا خط تمطاؤس کے نام باب ۱۲)

ایک دوسرے خط میں پولس کا ارشاد ہے۔

"مرد کو نہ چاہیے کہ اپنے سر کو ڈھانپے کہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے، پر عورت مرد کا جلال ہے، اس لیے مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے، اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی۔" (پولس کا پہلا خط افرنیتون کے نام باب ۱۱)

---

(۱) تاریخ اخلاق یورپ لیکی ج دوم ص ۱۹۰

عورت سراپا فتنہ وشر سمجھی جاتی تھی، عابدوزاہدان کے سایے سے بھاگتے تھے بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا اوران کے چہرہ پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے، رہبانیت کی تاریخ عورت سے نفرت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، لیکی نے اس کے بڑے دردانگیز واقعات نقل کیے ہیں۔

ہندو مذہب میں عورتوں کی حالت سب سے بدتر تھی، ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ زندگی کے ہر مرحلے میں مردوں کی محکوم تھیں، منوسمرتی میں عورتوں کے متعلق یہ احکام ہیں۔

''عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے۔'' (۵/۱۴۷)

''عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں اور شوہر کی موت کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خودمختار کبھی نہ رہے۔'' (۵/۱۴۸)

''عورتوں کے لیے عبادت کی ضرورت نہیں، شوہر کی خدمت اس کے لیے سب سے بڑی عبادت اور نجات کا ذریعہ ہے، عورتوں کے لیے یگیہ اور برت اُوراپاس علاحدہ نہیں ہے، صرف شوہر کی خدمت گذاری سے سورگ لوک مین پہونچ کر اعلیٰ درجہ پاتی ہے۔''

''شوہر کی موت کے بعد عقد ثانی کی اجازت نہیں، اس کا فرض ہے کہ قوت لایموت پر پاکبازی سے زندگی بسر کردے۔''

''شوہر کی موت کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لے ...... مرتے دم تک نیم سے بھرم چاری ہو کر لاغر بدنی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔'' (۵/۱۵۷و۱۵۸)

چانکیہ نیتی میں عورتوں کے متعلق یہ خیالات ہیں۔

''جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع،

نا پاکی، بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔'' (باب ۲)

''شہزادوں سے تہذیبِ اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی،
قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیے۔''
(۱۲/۸)

'' آگ پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت
یہ سب موجب ہلاکت ہیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔'' (۱۴/۱۲)
دوست، خدمت گار اور عورت، مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے
ہیں اور جب وہ دولتمند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آجاتے ہیں۔
(۱۵/۵)

اسلام میں عورتوں کے حقوق: اس کے مقابلہ میں اسلام نے عورت کو اللہ کی نشانی میں سے ایک نشانی اور اس کی ایک بڑی نعمت قرار دیا ہے، اس کا ذکر خیر اور مدح کے ساتھ کیا ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک، حسن معاشرت اور نرمی و ملاطفت کی تاکید کی ہے، ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے اس کے حقوق متعین کیے ہیں، اس کو وراثت میں شریک کیا ہے، اس کی املاک کا اس کو مالک بنایا ہے، ماں اور بیٹی کے حقوق کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، بیوی کے حقوق کی تفصیل آیندہ سطور سے معلوم ہوگی، اس سے اسلام میں عورتوں کے درجہ کا پورا اندازہ ہوگا۔

ازدواجی زندگی کی اہمیت: اکثر مذاہب نے عورتوں کو فتنہ کی جڑ مانا ہے اور شادی اور ازدواجی تعلق کو روحانیت اور مذہبی تقدس کے منافی اور تجرد کی زندگی اور عورت سے بے تعلقی کو اخلاق و روحانیت کا اصلی کمال قرار دیا ہے، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ اور برہمچاریت اسی کا نتیجہ ہے، اسلام نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے، بتلایا کہ مذہب و اخلاق کا سب سے اہم پہلو انسانوں کے ساتھ حسن معاملہ، حسن سلوک اور انسانی حقوق و فرائض کی ادائیگی ہے، اس کے بغیر مذہب اخلاق کی تکمیل نہیں ہوسکتی، ترک دنیا اور

گوشہ نشینی سے روحانی تزکیہ تو ہوسکتا ہے لیکن جب تک انسانی حقوق و فرائض ادا نہ کیے جائیں، اخلاق کی تکمیل نہیں ہوسکتی، پھر تجرد کی زندگی میں کتنے انسان عفت و عصمت کو جو روحانی زندگی کی جان ہے، قایم رکھ سکتے ہیں اور استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر اس پرخار وادی میں کتنوں کا دامن محفوظ رہ سکا ہے، وہ ازدواج کی پاکیزہ زندگی کو چھوڑ کر جیسی جیسی غلاظت اور گندگیوں میں مبتلا ہوئے اس پر رہبانیت کی تاریخ شاہد ہے اس لیے اسلام نے ہر مسلمان کو شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبٰعَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء-۱)	جن عورتوں کو تم پسند کرتے ہو ان سے اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین چار چار نکاح کرلو، لیکن اگر تم کو اس کا اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف قایم نہ رکھ سکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو یا جو لونڈی تمھارے قبضہ میں ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا۔

النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني	نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔

قدیم معاشرہ میں بیوہ عورت اور لونڈی غلام سب سے زیادہ مظلوم تھے، اس لیے ان کی شادی کردینے کا خاص طور سے حکم دیا گیا۔

وَانْكِحُوْا(۱) الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ	اور اپنی بیواؤں کا نکاح کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں

(۱) ایامیٰ ہر بے شوہر کی عورت اور ہر بے بیوی کے مرد کو کہتے ہیں، اس لیے اس حکم میں سب داخل ہیں لیکن بیوہ عورتیں خاص طور سے مراد ہیں۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور-۴)

اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجایش والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔

اس آیت میں یہ نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ شادی نہ کرنے کا ایک سبب اس کی ذمہ داریوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ اگر تم کو افلاس کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا، اس لیے افلاس کے خوف سے شادی سے فرار اختیار نہ کرو۔

شادی کا مقصد محض نفسانی خواہش کی تسکین نہیں بلکہ عفت و پاکیزگی کا حصول ہے، "محصنین غیر مسافحین" پاکدامنی کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے۔

بیوی کی حیثیت اور اس کا درجہ: بیوی یا عورت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور مردوں کی راحت اور سکونِ قلبی کا ذریعہ ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً، اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ (روم-۳)

اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھاری جنس سے تمھاری بیویاں پیدا کیں تا کہ ان کے پاس سکون پاؤ اور تمھارے آپس میں پیار اور اخلاص پیدا کیا جو لوگ سوچ سمجھ سے کام لیتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں میاں بیوی کی سچی رفاقت اور ازدواجی زندگی کی راحتوں اور مسرتوں کا عطر چند الفاظ میں کھینچ دیا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا

وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو تنِ واحد سے پیدا کیا اور اسی لیے اس کا جوڑا بنایا تا کہ

(اعراف-۲۴) اس سے سکون حاصل کرے۔

میاں بیوی کے گوناگوں اور نازک تعلقات کو قرآن پاک نے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ-۲۳) وہ (عورتیں) تمھارا لباس ہیں اور تم (مرد) ان کا لباس ہو۔

کے جامع اور بلیغ الفاظ سے تعبیر کیا ہے، اس میں وہ سارے لطیف اور نازک پہلو آگئے جو میاں بیوی کے تعلقات میں نکل سکتے ہیں۔

معاشرتی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق برابر قرار دیئے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ-۲۸) اور عورتوں کا حق مردوں پر نیکی کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ عورتوں کا مردوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔

مگر اس فوقیت کی نوعیت محض ایک سربراہ خاندان کی ہے، اس سے حقوق کی مساوات پر اثر نہیں پڑتا، مرد اپنی خلقت اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس فوقیت کا مستحق ہے، خود قدرت نے عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو فہم و فراست اور جسمانی و عقلی خوبی میں برتری عطا کی ہے، اس ترقی نسواں کے دور میں بھی مردوں اور عورتوں کا یہ امتیاز مسلم ہے، مرد خانگی زندگی کی جملہ ذمہ داریوں کا کفیل اس لیے بھی ہے کہ وہ اس امتیاز کا مستحق ہے، اس کا ذکر قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء-٦) مرد عورتوں کے نگراں ہیں اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ بعض (مرد) کو بعض (عورتوں) پر جسمانی اور عقلی حیثیت سے فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ وہ بیویوں پر اپنا مال صرف کرتے ہیں۔

مگر اس سے عورتوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا، گھر کے معاملات میں

مردوں اور عورتوں کی حیثیت خود رسول اللہ ﷺ نے متعین فرما دی۔

تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم سے ہر شخص سے اس کی نسبت باز پرس ہوگی، امام وقت رعایا کا نگہبان ہے، اس سے رعایا کے بارہ میں باز پرس ہوگی، مرد اپنی بیوی بچوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کی باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔(۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ جس طرح مرد اپنی بیوی بچوں کا ذمہ دار ہے، اسی طرح بیوی گھر کی ذمہ دار ہے، اس لیے گھریلو معاملات میں عورتوں اور مردوں کی حیثیت مساوی ہوگی۔

بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم: اگر شادی کے بعد مرد عورت کو پسند نہیں کرتا یا دونوں میں کسی سبب سے نااتفاقی ہو جاتی ہے تب بھی مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اور تحمل و برداشت کا حکم ہے۔

وَعَاشِرُوُهُنَّ بِالْمَعْرُوُفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوُهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوُا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً (نساء-۳)	اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے گذران کرو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو کیا عجب ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر و برکت دے۔

عموماً گھریلو معاملات میں بہت چھوٹی چھوٹی باتوں سے میاں بیوی کے تعلقات میں خرابی کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جو بیشتر عورتوں کی نازک مزاجی کا نتیجہ ہوتی ہے، حدیث میں عورتوں کی اس طبعی کمزوری کو ایک بڑی اچھی مثال سے واضح کیا ہے اور اس کو نظر انداز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے تو اس کجی کے ساتھ

(۱) بخاری باب قوا انفسکم و اھلیکم ناراً

ان سے نباہ کرو۔(۱)

ایک حدیث میں ہے۔

خیر کم خیر کم لأھلہ (ترمذی) — تم میں سب سے بھلا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بھلا ہے۔

اختلاف کی صورت میں صلح کی کوشش: لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا ہوجائے یا اس کا اندیشہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِنْ اَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحاً يُوَفِّقُ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً خَبِيْراً (نساء-۶)

اگر میاں بیوی میں کشیدگی کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے، اگر یہ (دل سے) صلح کرانا چاہیں گے، تو اللہ دونوں میں صلح کرادے گا اور بیشک اللہ (سب کے ارادوں سے) واقف اور خبردار ہے۔

ایک دوسری آیت میں حکم ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزاً اَوْ اِعْرَاضاً فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمْ صُلْحاً وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء-۱۹)

اور اگر عورت کو شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ (صلح کی کوئی بات طے کر کے) آپس میں صلح کرلیں اور صلح ہر حال میں بہتر ہے۔

طلاق اور عدت کے احکام: لیکن اگر صلح کی کوئی شکل نہ نکل سکے اور دونوں میں علاحدگی ضروری ہوجائے تو اللہ دونوں کا مالک ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی کردے گا۔

---

(۱) بخاری باب المداراۃ مع النساء وقول النبی ﷺ انما المرأۃ کالضلع

وَاِن یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ وَکَانَ اللّٰہُ وَاسِعاً حَکِیْماً (نساء-۱۹)	اور (اگر دونوں میں صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکے) اور دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ دونوں کو اپنی قدرت سے ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا با تدبیر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کا سامان کرے گا۔

گو طلاق بعض حالتوں میں ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن وہ شریعت کی نگاہ میں ''ابغض المباحات'' یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اس لیے کلام مجید میں بار بار صلح کی تاکید ہے لیکن طلاق میں بھی خوش اسلوبی کے ساتھ طلاق دینے کا حکم ہے، تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دے، بلکہ وقفہ وقفہ سے دے کہ شاید دونوں میں صلح و مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور شوہر رجوع کرلے (۱) لیکن اگر اس کی شکل بھی نہ نکل سکے تو مرد کا فرض ہے کہ ایام عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور ختم عدت تک اس کی کفالت کرے۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ وَلَاتُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَایَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَن یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ لَاتَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِکَ اَمْراً فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ	اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو) کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور طلاق کے بعد ہی سے عدت کا شمار کرو اور اللہ سے جو تمھارا پروردگار ہے ڈرتے رہو (عدت میں) ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر اس صورت میں کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جس

(۱) یعنی طلاق بائن پڑنے سے پہلے پھر اس کو بیوی بنالے۔

مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذَالِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ (طلاق-۱)

نے ان سے باہر قدم رکھا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ (طلاق کے بعد) ملاپ کی کوئی صورت پیدا کردے، جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہوں تو (طلاق سے رجوع کر کے خوش اسلوبی سے) ان کو روک لو یا خوش اسلوبی سے علاحدہ کردو اور اپنے میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو اور (ضرورت کے وقت) اللہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دو، یہ نصیحت کی باتیں ان لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

عرب جاہلی میں کامل علاحدگی سے پہلے اور ایامِ عدت میں عورتوں کو طرح طرح سے ستاتے تھے، اس لیے کلام مجید نے خوش اسلوبی سے رجوع کر لینے یا خوش اسلوبی سے علاحدہ کردینے کی بار بار تاکید اور ایذا پہنچانے کی ممانعت کی ہے اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو گھر میں رکھنے اور ان کی کفالت کا حکم ہے۔

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ (طلاق-۱)

(مطلقہ عورتوں کو ایامِ عدت میں) جہاں تک مقدور ہو ان کو وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور ان پر سختی کرنے کے لیے ان کو ایذا نہ دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ جننے (حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک ہے) تک ان کا خرچ برداشت کرو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَاراً لِتَعْتَدُوْا وَمَن يَّفْعَلْ ذَالِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَاتَتَّخِذُوْا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (بقرہ-۲۸)	اور جب تم نے عورتوں کو (دوبار) طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئی تو یا دستور کے مطابق ان کو اپنی زوجیت میں روک لو یا خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو چھوڑ دو، ایذا دہی کے لیے ان کو نہ روکو، نہ ان پر زیادتی کرو، جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو۔

تین طلاقوں کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی، اس لیے پہلے دو طلاقیں دینے کا حکم ہے کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے اگر نہ نکل سکے تو پھر خوش اسلوبی سے رخصت کر دے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (بقرہ-۲۷)	طلاق دو دفعہ کر کے دیجائے، اس کے بعد یا دستور کے مطابق (رجعت کر کے) زوجیت میں رہنے دیا جائے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

مہر کی ادائیگی: طلاق کے بعد مہر کی رقم خوش دلی سے ادا کر دینی چاہیے، اگر عورت اپنی خوشی سے اس کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس میں کچھ مضایقہ نہیں۔

وآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَّرِيْئاً (نساء-۱)	عورتوں کا مہر خوش دلی سے ادا کر دو پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ پیو۔

شوہر بیوی کو جتنا بھی دے چکا ہو، طلاق کے بعد اس کو واپس نہ لینا چاہیے اور نہ اس کے لیے اس پر کوئی تہمت لگانا چاہیے، اس کو واپس لینا گذرے ہوئے ازدواجی

تعلقات کے خلاف ہے۔

وَاِنْ اَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَکَانَ زَوْجٍ وَآتَیْتُمْ اِحْدَاھُنَّ قِنْطَاراً فَلَاتَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا اَتَاْخُذُوْنَہٗ بُھْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِیْناً وَکَیْفَ تَاْخُذُوْنَہٗ وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَاَخَذْنَ مِنْکُمْ مِیْثَاقاً غَلِیْظاً (نساء-۲)	اور اگر تمھارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ہوتو اگر پہلی بیوی کو بہت سا مال دے چکے ہوتو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس پر بہتان لگا کر اور کھلے ہوئے گناہ کی بات کہہ کر دیا ہوا مال واپس لینا چاہتے ہو، حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور بیویاں (نکاح کے وقت) تم سے پکا وعدہ لے چکی ہیں۔

مطلقہ کو عقد ثانی سے روکنے کی ممانعت: مال کی واپسی کے لیے ان کو زبردستی قید میں رکھنا کہ وہ دوسری شادی نہ کرسکیں۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَایَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کُرْھاً لَاتَعْضِلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ (نساء-۳)	مسلمانو! تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر زبردستی ان پر قبضہ رکھو اور نہ ان کو اس لیے قید رکھو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ چھین ہو مگر اس صورت میں کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں۔

عدت گذر جانے کے بعد ان کو دوسری شادی سے نہ روکنا چاہیے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَاتَعْضِلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ	اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں اور جائز طور سے آپس (یعنی کسی مرد سے) میں ان کی

(بقرہ-۳۰)

مرضی مل جائے تو ان کو دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔

زمانۂ جاہلیت میں مرد مطلقہ عورت کو جن جن شکلوں سے ستاتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے، مذکورہ بالا آیات میں ان سب صورتوں کو روک دیا گیا۔

عورتوں کو خلع کا حق: جس طرح مردوں کو عورتوں کو طلاق دینے کا حق ہے، اسی طرح خاص حالات میں عورتوں کو بھی کچھ دے دلا کر مردوں سے گلوخلاصی کا حق حاصل ہے، جس کو شرعی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں۔

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئاً اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ-۲۹)

اور تم عورتوں کو جو کچھ دے چکے ہو، اس میں تم کو کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی کو اس بات کا خوف ہو کہ اللہ نے ان کے درمیان جو حدیں قایم کی ہیں ان پر قایم نہ رہ سکیں گے اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے بدلہ میں) کچھ دیدے تو اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، ان کے آگے مت بڑھو اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

اس کی مزید صراحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن حبیبة بنت سھل انھا کانت تحت ثابت بن قیس بن شماس وان رسول اللہ ﷺ خرج علی

حبیبہ بنت سہل سے روایت ہے جو قیس بن شماس کے بیٹے ثابت کے نکاح میں تھیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح کی

الصبح فوجد حبيبة بنت سهل عند بابه في المجلس فقال رسول الله ﷺ من هذه قالت انا حبيبة بنت سهل يا رسول الله ﷺ فقال ماشأنك قالت لا أنا ولاثابت بن قيس لزوجها فلما جاء ثابت بن قيس قال له ﷺ: هذه حبيبة بنت سهل قد ذكرت ماشاء الله ان تذكر فقالت حبيبة يارسول الله كل ما أعطاني عندي فقال رسول الله ﷺ لثابت خذ منها فأخذ منها وجلست في أهلها (موطأ باب ماجاء في الخلع)

نماز کے لیے نکلے تو حبیبہ بنت سہل کو اندھیرے میں اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑا پایا، آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ حبیبہ نے جواب میں عرض کیا یارسول اللہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں، فرمایا کیسے آنا ہوا، عرض کیا میں اور ثابت بنت قیس ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، جب ثابت آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا یہ حبیبہ بنت سہل ہیں ان کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکیں، حبیبہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! ثابتؓ نے جو کچھ مجھ کو دیا تھا سب میرے پاس موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے فرمایا کہ اس میں سے کچھ لے لو (اور حبیبہ کو چھوڑ دو) چنانچہ انھوں نے لے لیا اور حبیبہ اپنے کنبہ میں چلی گئیں۔

یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے دوسرے طریقے سے مروی ہے۔

نکاح میں عورتوں کی پسند اور رضامندی ضروری ہے: اسلام سے پہلے عورتوں کی شادی میں ان کی رضامندی ضروری نہ تھی، ماں باپ یا ولی جس کے ساتھ چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، عورتوں کے لیے اس میں چوں وچرا کی گنجایش نہ تھی، اسلام نے عورتوں کی رضامندی اور ان کی اجازت ضروری قرار دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستاذن في نفسها و اذنها صماتها

بے شوہر کی عورت (خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ) کو اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے

بارہ میں فیصلہ کرنے کا زیادہ حق ہے،
باکرہ اپنے دل میں اجازت دیدے اس
کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

یعنی باکرہ کے لیے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے، صرف دل سے اس کی رضامندی کافی ہے اور اس کی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ قال لاتنکح الأیم حتی تستامر ولاتنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنہا قال ان تسکت (یہ دونوں روایتیں مسلم کتاب النکاح باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت میں ہے)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شوہر کی عورت (یعنی ثیبہ) کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ صریح اجازت نہ دیدے اور دوشیزہ کا اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی رضامندی نہ معلوم ہو جائے، لوگوں نے پوچھا: اس کی رضامندی کی کیا شکل ہے؟ فرمایا کہ خاموش رہے۔

جبریہ شادی میں فسخ نکاح کا حق: اگر باپ مرضی کے خلاف لڑکی کی شادی کردے تو لڑکی کی خواہش پر نکاح فسخ کردیا جائے گا، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کا شوہر مرگیا، اس نے ایک شخص سے نکاح کرنا چاہا، اس کے باپ نے اسکی مرضی کے خلاف ایک دوسرے شخص سے شادی کردی، عورت نے رسول اللہؐ سے شکایت کی، آپؐ نے اس کے باپ کو بلاکر استفسار فرمایا کہ تم نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کی ہے اس نے کہا ہاں، جس سے لڑکی شادی کرنا چاہتی تھی، اس سے بہتر شخص کے ساتھ میں نے شادی کی ہے، آپؐ نے دونوں میں تفریق کرادی۔(۱)

(۱) مسند ابوحنیفہ باب زوج بریرۃؓ

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک دوشیزہ لڑکی نے رسول اللہ ﷺ سے آکر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کردی ہے، آپؐ نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے وہ قبول کرے، چاہے رد کردے۔(۱)

بریرہؓ ایک لونڈی تھیں، ان کے شوہر مغیث غلام تھے، بریرہؓ کو ان کے مالک نے آزاد کردیا (آزاد عورت اگر چاہے تو اپنے غلام شوہر کو چھوڑ سکتی ہے) اس لیے آزادی کے بعد بریرہؓ نے مغیث کو چھوڑ دیا، وہ بیوی کے عاشق زار تھے، اس کے پیچھے پیچھے روتے پھرتے تھے، ان کی وارفتگی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ مغیث کو بریرہؓ کے ساتھ کس قدر شیفتگی اور بریرہؓ کو ان سے کس قدر نفرت ہے اور مغیث کا حال زار دیکھ کر بریرہؓ سے فرمایا کہ مغیث کے پاس لوٹ جاؤ، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ آپؐ کا حکم ہے؟ فرمایا: نہیں، صرف سفارش ہے، بریرہؓ نے کہا تو پھر میں واپس نہیں جاتی۔(۲)

اس سے شادی کے معاملہ میں عورتوں کی آزادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وراثت میں عورتوں کا حصہ: اسلام سے پہلے عورت اپنی ذاتی املاک تک کی مالک نہ ہوتی تھی، شادی کے بعد شوہر اس کا مالک ہوجاتا تھا، وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا، اسلام نے اس کو ماں بیٹی، بہن، بیوی ہر حیثیت سے ماں، باپ، شوہر، بھائی، بہن اور بیٹے، بیٹی کے ترکہ میں اس کا حصہ بھی مقرر کیا، جس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے، اس کی املاک کا اس کو مالک قرار دیا جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔

باعصمت عورتوں کی عزت وناموس کا تحفظ: مختلف حیثیتوں سے ان کی عزت وآبرو کا تحفظ اور ان کا وقار قایم کیا، زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر تہمت لگادینا معمولی بات تھی،

---

(۱) سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی البکر یزوجہا ابوہا لایستامرہا (۲) بخاری کتاب الطلاق باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس سے عورت کی پوری زندگی برباد ہو جاتی تھی اور اس کا خاندان بدنام ہو جاتا تھا، کلام مجید نے تہمت طرازوں کو دنیا و آخرت دونوں میں لعنت اور قیامت میں عذاب عظیم کا مستحق قرار دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (نور-۴)

جو لوگ ایسی پاکدامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں جو (ایسی باتوں سے) بے خبر ہیں اور ایمان رکھتی ہیں ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں ملعون ہیں اور (قیامت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

محض اس تہدید پر بس نہیں کیا بلکہ اگر تہمت لگانے والے اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو فاسق، مردود الشھادۃ قرار دیا اور ان کی سزا اسی کوڑے مقرر کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً وَلَاتَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَداً وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (نور-۱)

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں اور چار گواہ نہ لا سکیں ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور اس کی شہادت کبھی نہ قبول کرو، ایسے لوگ فاسق ہیں۔

اس سزا نے عورتوں کی عزت و آبرو محفوظ کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عورتوں کی منزلت: عورتوں کے بارہ میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، آپؐ کی نگاہ میں عورتوں کی جو قدر و منزلت ہے اس کے ثبوت کے لیے یہ حدیث کافی ہے۔

حبب الی من دنیاکم النساء و الطیب و جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ (جامع صغیر بحوالہ نسائی، مسند احمد بن حنبل و مستدرک)

تمھاری دنیا میں سے میرے لیے عورتیں اور خوشبو مرغوب بنادی گئی ہیں، لیکن میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ان کو آبگینہ سے تشبیہ دی ہے، آپ ازواج مطہرات کے ساتھ سفر کررہے تھے، ساربان انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی شروع کی، آپؐ نے فرمایا: انجشہ شیشوں (مستورات) کو سنبھال کرلے چلو۔

امام مسلم نے یہ روایت ''باب فی رحمۃ النبی علیہ السلام للنساء وامر السواق مطایاھن بالرفق لھن'' میں نقل کی ہے۔

نماز تک میں عورتوں کا لحاظ رکھتے تھے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں طویل نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں پھر (مقتدی ماں کے) بچے کے رونے کی آواز سن کر اس کی ماں کی پریشانی کے خیال سے مختصر کردیتا ہوں۔ (۱)

بارگاہ نبوی میں ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، انھوں نے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک دن مخصوص کردیا جائے، آپؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ (۲)

آپ کی نرمی اور ملاطفت کی بناپر عورتیں آپؐ سے بے تکلفی سے باتیں کرتی تھیں ایک مرتبہ بہت سی قرابت دار بی بیاں جمع تھیں اور آپؐ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کررہی تھیں، اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے ان کو دیکھ کر سب اٹھ کر چلدیں، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا حضور ﷺ کو خنداں رکھے، آپؐ ہنسے کیوں، فرمایا: ان عورتوں پر جو تمھاری آواز سن کر سب چھپ گئیں، حضرت عمرؓ نے ان عورتوں سے کہا ''اپنے جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں''، انھوں نے جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت سخت مزاج ہیں۔ (۳)

ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں منھ ڈھانکے آرام فرمارہے تھے، عید کا دن تھا لڑکیاں گا بجارہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا گانے

---

(۱) مسلم کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوٰۃ (۲) بخاری کتاب العلم باب ہل تجعل للنساء یوماً علاحدہ (۳) بخاری مناقب عمر بن الخطابؓ

دوان کی عید کا دن ہے۔(۱)

جب عورتوں کے مجمع سے گذرتے تھے تو خود ان کو سلام کرتے تھے، اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں عورتوں کے مجمع کے سامنے سے گذرے تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔(۲)

جن عورتوں سے کسی قسم کا تعلق ہوتا تو کبھی کبھی ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ کے گھر کبھی کبھی تشریف لے جاتے، وہ بستر بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی تھی کہ کفن کے حنوط میں عرقِ مبارک ملا لیا جائے۔(۳)

حضرت انسؓ کی خالہ ام حرامؓ قبا میں رہتی تھیں، جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان سے ضرور ملتے، وہ اکثر کھانا پیش کرتیں، آپ نوش فرماتے اور جب آپؐ استراحت فرماتے تو ام حرامؓ آپؐ کے سر سے جوئیں نکالتیں۔(۴)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا حسن معاشرت: بیوی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لطف و مدارات کا اندازہ آپ کی گھریلو زندگی کے واقعات سے ہوتا ہے، آپ کا معمول تھا کہ ہر روز تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں جو پاس پاس تھے تشریف لے جاتے، ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان بیوی کا گھر آجاتا جن کے یہاں قیام کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرما دیتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے، زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ آپؐ عصر کے وقت ازواج مطہرات کے گھروں پر تشریف لے جاتے تھے اور اس کی ابتدا حضرت ام سلمہؓ کے گھر سے ہوتی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جن بیوی کی باری ہوتی تھی، انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک

---

(۱) مسلم کتاب العیدین باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه (۲) ترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء فی التسلیم علی النساء (۳) بخاری کتاب الاستیذان (۴) بخاری کتاب الجهاد باب الدعاء باب الجهاد والشهادة للرجال

صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔

آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ صدیقہ آپؐ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں، لیکن آپ کو ان سے غایت درجہ کی الفت تھی، ان کی زندگی بھر آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد بڑی حسرت سے ان کو یاد کرتے تھے اور جب ان کا ذکر آجاتا بے تاب ہو جاتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا تھا، مگر رسول اللہ ﷺ اس کثرت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے کہ مجھے جس قدر خدیجہؓ پر رشک تھا کہ کسی عورت پر نہ تھا، جب آپ قربانی کرتے تو پہلے خدیجہؓ کی سہیلیوں کو حصہ بھجواتے۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ کی آواز سے ملتی ہوئی تھی، اس کو سن کر آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور جھجک اٹھے، فرمایا: ہالہؓ ہوں گی، حضرت عائشہؓ نے کہا آپ کیا ایک بوڑھی عورت کو یاد کرتے ہیں جو عرصہ ہوا ختم ہو چکیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی دیدی۔(۱)

جنگ بدر میں آپؐ کے داماد ابو العاص جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے گرفتار ہوئے ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، انھوں نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے پاس جو اس وقت مکہ میں تھیں کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، حضرت زینبؓ کی جب شادی ہوئی تھی تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو ایک قیمتی ہار جہیز میں دیا تھا، حضرت زینبؓ نے وہی ہار گلے سے اتار کر بھیج دیا، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پچیس برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا: تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔(۲)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ سے ان کی ذہانت وذکاوت اور دوسری خصوصیات کی بنا پر آپ کو زیادہ محبت تھی، حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں اور

---

(۱) یہ سب روایتیں مسلم باب فضائل خدیجہؓ میں ہیں (۲) ابوداؤد وتاریخ طبری

لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ان کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیتے۔(۱)

حبشی چھوٹے نیزوں سے جس کو حراب کہتے ہیں ایک کھیل کھیلتے تھے ایک مرتبہ عید کے دن وہ یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے اس کو دیکھنے کی خواہش کی، آنحضرت ﷺ ان کے آگے کھڑے ہوگئے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کی آڑ لے کر تماشا دیکھا اور جب تک وہ خود تھک کر نہ بیٹھ گئیں، آپؐ برابر کھڑے رہے۔(۲)

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: آؤ تیز چلنے میں مقابلہ کریں، حضرت عائشہؓ اس وقت چھریرے بدن کی تھیں، آگے نکل گئیں، جب ذرا سن زیادہ ہوا اور بدن بھر گیا تو پھر تیز قدمی میں مقابلہ ہوا، اس مرتبہ وہ پیچھے رہ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس دن کا جواب ہے۔(۳)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک لونڈی کو ساتھ لیے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا اس کو پہچانتی ہو، انھوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: فلاں شخص کی لونڈی ہے، تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو، انھوں نے کہا ہاں، ان کی خواہش پر لونڈی نے گانا سنایا، آپؐ نے سن کر فرمایا: ان کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے(۴) یعنی آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی دلجوئی کے لیے گانا تو سنوا دیا مگر اس کو پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی تھی، سادگی سے اس کی شادی کی، آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کچھ گانا بجانا نہیں ہے، انصاریوں میں اس کا ذوق ہے(۵)، شادی کے موقع پر جائز گانے میں مضایقہ نہیں ہے۔

اکثر کھانا حضرت عائشہؓ کے ساتھ نوش فرماتے تھے، ایک مرتبہ دونوں کھا رہے

---

(۱) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہؓ (۲) بخاری کتاب النکاح باب حسن المعاشرۃ (۳) ابوداؤد ابواب السبق (۴) مسند احمد ابن حنبل ج ۶ مسند عائشہؓ (۵) ایضاً جلد ۶ ص ۲۶۹ و بخاری کتاب النکاح

تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے، آپؐ نے ان کو بھی شریک کرلیا۔ (۱)

کبھی کبھی حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو جاتے تھے، ایک دفعہ اسی طرح آرام فرمارہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق آگئے مگر حضرت عائشہؓ نے اس خیال سے حرکت نہیں کی کہ آپؐ کے آرام میں خلل ہوگا۔ (۲)

میاں بیوی کے تعلقات ایسے ہیں کہ دونوں میں کتنا ہی فرقِ مدارج ہو نسوانی ادائیں اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے بے تکلفی سے تیز باتیں کررہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے، وہ حضرت عائشہؓ کا لہجہ دیکھ کر برہم ہوئے اور اس کی تنبیہ کرنی چاہی، رسول اللہ ﷺ نے روک دیا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہو تم کو کیسا بچایا۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا: عائشہؓ جب تم مجھ سے خوش اور ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو اس کا پتہ لگ جاتا ہے، ناراض ہوتی ہو تو ابراہیم کے خدا کی قسم اور خوش رہتی ہو تو محمد کے خدا کی قسم کھاتی ہو، عرض کی یارسول اللہؐ صرف زبان سے نام چھوڑتی ہوں۔ (۴)

حضرت صفیہؓ کھانا بہت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انھوں نے کچھ پکا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے انھوں نے خادم سے پیالہ چھین کر زمین پر پٹک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے ٹکڑے چن چن کر جمع کیے اور دوسرا پیالہ منگا کر حضرت صفیہؓ کو واپس کیا۔ (۵)

حضرت صفیہؓ خیبر کے رئیس حی بن اخطب کی بیٹی تھیں، جنگ خیبر میں مسلمانوں

---

(۱) ادب المفرد باب اکل الرجل مع زمرأتہ (۲) بخاری کتاب التیمم (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح (۴) بخاری الادب باب مایجوز من الہجران (۵) یہ روایت بخاری کتاب النکاح میں ہے لیکن بیویوں کے نام نہیں ہیں، نام کی تصریح نسائی میں ہے، لیکن روایت میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

کے ہاتھ آئیں اور رسول اللہ کے حصہ میں پڑیں، آپؐ نے ان کے رتبہ کالحاظ کر کے ان سے نکاح کرلیا، وہ نسلاً یہودی تھیں اس لیے دوسری ازواج مطہرات ان کو طعنہ دیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ وہ اس طعنہ پر رو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان سے رونے کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) مجھ کو طعنہ دیتی ہیں کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، آپؐ نے ان کی دلدہی کے لیے فرمایا: تم نبی کی بیٹی ہو (یعنی حضرت ہارونؑ کی نسل سے) تمھارے چچا (حضرت موسیٰؑ) نبی تھے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، حفصہؓ تم پر کس طرح فخر کرسکتی ہیں اور حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کیا کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا تھا کہ ہم دونوں تم سے زیادہ معزز ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ تم دونوں کس طرح مجھ سے بہتر ہوسکتی ہو، میرے شوہر محمدؐ ہیں، میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔(۱)

اس قسم کے اور واقعات بھی ہیں جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ کتنا تعلق تھا اور آپؐ ان کی کتنی دلجوئی فرماتے تھے۔

بیواؤں کی شادی کا حکم: عورتوں میں سب سے زیادہ مظلوم طبقہ بیواؤں کا تھا، شوہر کی موت کے بعد اس کی زندگی غم والم اور حسرت و نامرادی کی تصویر بن جاتی تھی، شوہر کے ترکہ میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا، شوہر کی موت کے بعد وہ زندگی بھر کے لیے اس کے ورثہ کی دست نگر اور غلام بن جاتی تھیں، عربوں میں شوہر کے ورثہ کی ملکیت ہوجاتی تھیں، وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہتے تھے، کرتے تھے، ہندوستان میں بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی یا وہ شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتی تھیں یا زندگی کی ساری لذتوں اور راحتوں سے کنارہ کش ہوکر پوری زندگی بیوگی میں بسر کرنے پر مجبور تھیں۔

---

(۱) یہ دونوں روایتیں ترمذی کتاب المناقب باب فضل المناقب باب فضل ازواج النبیؐ میں ہیں۔

اسلام نے اس مظلوم طبقہ کی بھی دادرسی کی، ساری زندگی کے سوگ کو محدود کردیا اوراس کی مدت چار مہینے دس دن مقرر کی اور اگر حاملہ ہوتو وضع حمل تک رکھی تا کہ اس درمیان میں اس کا غم والم کچھ ہلکا ہو جائے اور وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارہ میں کوئی فیصلہ کرسکے، اس کے بعد عقد ثانی کی اجازت دے دی، اگر اس کا مہر ادا نہ ہوا ہو تو شوہر کے ترکہ میں سے سب سے پہلے اس کا ادا کرنا ضروری قرار دیا، ترکہ میں اگر شوہر کے اولاد ہے تو بیوہ کا آٹھواں حصہ اور اگر لا ولد ہے تو چوتھائی حصہ مقرر کیا کہ وہ شوہر کی موت کے بعد بالکل بے سہارا نہ ہو جائیں، اس طرح اس نے بیواؤں کو بیوگی کی مصیبتوں اور شوہر کے اعزہ و اقربا کے ظلم وستم اور غلامی کی زندگی سے بالکل آزاد کردیا، عورتوں کو نہ صرف عقد ثانی کی اجازت ہے بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا۔

وانكحوا الأيامى منكم (نور-۴) — اور اپنی بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کرو

بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کو عبادت قرار دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الساعی علی الأرملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله أو كالذی يصوم النهار ويقوم الليل — بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا خدا کی راہ میں مجاہد یا اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازیں پڑھتا ہے

ایک دوسری روایت میں ہے۔

الساعی علی الأرملة والمسكين كالساعی فی سبيل الله وأحسبه قال كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفتر (۱) — بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں مدد کرنے والا (راوی کا بیان ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا) اور جیسے وہ نمازی جو نماز سے کبھی نہیں تھکتا اور وہ روزہ دار جو کبھی روزہ نہیں توڑتا

(۱) یہ روایتیں بخاری، مسلم اور موطا امام مالک تینوں میں ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ اپنے عنفوان شباب میں جو جوانی کے جذبات اور ولولوں کی ہوتی ہے، ایک سن رسیدہ بیوہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں اور ان کے ساتھ اس لطف و محبت کی زندگی بسر کی کہ جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی۔

قرآن مجید نے اگرچہ بیواؤں کی شادی کا حکم دیا ہے لیکن بعض بیوائیں اپنے چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کی محبت میں دوسری شادی کرنا نہیں چاہتیں اور ان کی پرورش و پرداخت میں پاکدامنی کے ساتھ عمر بسر کر دیتی ہیں، ایسی عورتوں کو اس نے شادی پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی ہے اور ان کا مرتبہ بہت اونچا قرار دیا ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

”میں اور محنت و مشقت کے سبب سے کالی پڑ جانے والی وہ بیوہ قیامت کے دن مرتبہ میں ان دو انگلیوں کے برابر ہوں گے یعنی وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی بیوہ جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے اور اپنے ننھے یتیم بچوں کی خدمت کے خاطر اپنے کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پرورش پا کر اس سے علاحدہ ہو جائیں یا مر جائیں (۱) ایک دوسری روایت میں اس کو تمثیل یا واقعہ کی صورت میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا تو کون ہے، وہ کہے گی میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند یتیم بچے تھے۔ (۲)

☆☆☆

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتامیٰ (۲) ایضاً

ساتواں باب

یتیموں اور مسکینوں کے حقوق

یتیموں کے حقوق اور ان کے متعلق احکام: وہ بچہ جو شعور کی آنکھ کھولنے سے پہلے ہی باپ کی شفقت و محبت سے محروم ہو جائے پوری سوسائٹی کی شفقت و محبت کا مستحق ہے، لیکن بے درد اعزہ اس کو لاوارث سمجھ کر اس کے باپ کے ترکہ پر قبضہ کر لیتے تھے، سرپرست بن کر اس کی املاک سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور یتیم لڑکیوں کی شادی میں اپنا مفاد ملحوظ رکھتے تھے، عرب جاہلی میں بڑی اولاد باپ کے ترکہ کی وارث ہوتی تھی اور چھوٹی اولادیں محروم رہ جاتی تھیں، اس لیے تمام مذاہب نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، لیکن اسلام نے ان کے حقوق کے بارہ میں جو تفصیلی احکام دیئے ہیں اس کی مثال کسی مذہب میں نہیں ملتی، اس نے ان کو نقصان پہنچانے والی تمام شکلوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اس نے حکم دیا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یتیم بچوں کو اپنے آغوش شفقت میں لے، غریب یتیموں کی پرورش و صاحب املاک یتیموں کے مال و متاع کی حفاظت اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے، سن شعور کے پہونچنے کے بعد ان کی املاک ان کو واپس کر دے، یتیم لڑکیوں کی حفاظت و نگرانی کرے اور جب وہ شادی کی عمر کو پہونچیں تو مناسب جگہ ان کی شادی کر دے اور اپنی اولاد کی طرح ان کی فلاح و بہود کا خیال رکھے۔

کن للیتیم کالأب الرحیم (۱) یتیم کے لیے مہربان باپ کی طرح بنو۔

مساکین کی امداد و دستگیری: بے کسی و بے نوائی میں وہ غریب و نادار بھی یتیم ہی کے درجہ میں ہیں، جو کسب معاش سے معذور ہیں اس لیے کلام مجید نے یتیموں کے ساتھ ہی ساتھ غریبوں اور ناداروں کی امداد و دستگیری کا بھی حکم دیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ (نساء-۶)

اور لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرو۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ لَاتَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ (نساء-۶)

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ سلوک کرو

رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ غربت اور یتیمی میں آپ کی امداد و دستگیری کو یاد دلا کر ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَاتَنْهَرْ (ضحیٰ)

کیا تم کو خدا نے یتیم نہیں پایا تو تم کو پناہ دی (راہ حق کی تلاش میں) تم کو بھٹکتا پایا تو سیدھا راستہ دکھایا اور تم کو مفلس پایا تو غنی کر دیا (اس لیے اس کے شکرانہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا۔

---

(۱) ادب المفرد، باب کن للیتیم کالاب الرحیم

یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور محتاجوں سے اعراض کرنا روز جزا کے انکار کا نتیجہ ہے۔

اَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ (ماعون)

اے پیغمبر کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روز جزا کو جھوٹ سمجھتا ہے، اسی سبب سے یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

کَلَّا بَلۡ لَّا تُکۡرِمُوۡنَ الۡیَتِیۡمَ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ وَتَاۡکُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَکۡلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا (فجر)

ہرگز نہیں (تم اتنے بخیل ہو) کہ یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو محتاج کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور مُردوں کا پورا مال (یعنی یتیم بچہ کے باپ کا چھوڑا ہوا مال) سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیاوی مال ومتاع سے بڑی محبت رکھتے ہو۔

نیکو کاروں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے۔

وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُکُوۡرًا (دھر-۱)

وہ خدا کی محبت میں محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور (یہ بھی ظاہر کردیتے ہیں) کہ ہم تم کو خدا کے لیے کھلاتے ہیں، نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری۔

یتیموں کے مال کی حفاظت ونگرانی: صاحب املاک یتیموں کے اولیا کو حکم ہے کہ وہ یتیموں کا مال ان کے حوالہ کردیں اور اس میں کسی قسم کا ناجائز تصرف نہ کریں۔

وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَہُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

اور یتیموں کا مال ان کے حوالہ کردو، ان

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ لَاتَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلَى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهُ كَانَ حُوْباً كَبِيْراً (نساء-۱)	کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کے مال میں اپنا مال ملا کر سب کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

جو لوگ یتیم کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت انگارے کھاتے ہیں اور دوزخ کی آگ میں ایندھن بنیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْماً اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً (نساء-۱)	جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ انگارے کھاتے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَلَاتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهُ (انعام-۱۹)	اور لوگو! یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس کی بہتری کی غرض سے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

اس ڈر سے کہ یتیم بڑا ہو کر اپنے مال کا مطالبہ کرے گا، اس کو جلدی جلدی اڑا نہ دینا چاہیے، اگر سرپرست صاحب حیثیت ہے تو اس کو یتیم کے مال سے حق الخدمت بھی نہ لینا چاہیے، لیکن اگر غریب ہے تو بقدر کفاف لے سکتا ہے۔

وَلَاتَاْكُلُوْهَا اِسْرَافاً وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْباً (نساء-۱)	اور اس اندیشہ سے کہ یتیم بڑے ہو جائیں گے فضول خرچی کر کے ان کا مال جلدی جلدی نہ کھاؤ اور جو (سرپرست) غنی ہو اس کو اس کے (یتیم کے مال سے) بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے اور جب تم ان کا مال ان کو واپس کرو تو (لوگوں کو) اس کا گواہ بنا لو

اور حساب لینے والا تو اللہ ہی بس ہے۔

ایسے ناسمجھ یتیموں کو ان کا مال حوالہ نہ کردینا چاہیے، جو اس کو اڑا ڈالیں بلکہ اس کو ان کی ضروریات میں صرف کرتے اور ان کو نرمی سے سمجھاتے رہنا چاہیے، جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائیں اور ان میں پوری سمجھ آجائے تو اس وقت ان کا مال ان کے حوالہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ لَكُمْ قِیَاماً وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوْفاً وَابْتَلُوْا الْیَتَامٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوْا النِّكَاحَ فَاِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (نساء-۱)	اور اپنے مال کو جسے خدا نے تمھارے قیام کا سہارا بنایا ہے کم عقل (یتیموں) کے حوالہ نہ کرو اور اس سے ان کو کھلاتے پہناتے رہو اور ان کو سمجھاتے اور جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں اور ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کا مال ان کو واپس کردو۔

یتیم لڑکیوں کی شادی کے احکام: بعض ولی اور سرپرست خود دولت مند یتیم لڑکیوں سے شادی کرلیتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے تھے، ان کو حکم دیا گیا کہ جو لوگ ایسی لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکیں، وہ دوسری عورتوں سے شادی کریں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (نساء-۱)	اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو (ان کو چھوڑ کر) دوسری عورتوں سے شادی کرو۔

اس حکم سے یہ غلط فہمی ہوتی تھی کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ شادی کی مطلق ممانعت کردی گئی ہے جو بعض حالتوں میں ان کے لیے مضر ہوتی تھی، اس لیے دوسری آیت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ	اور اے پیغمبر! لوگ تم سے (یتیم عورتوں

يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَاءِ الَّتِي لَاتُؤْتُونَهُنَّ مَاكُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوَالِدَيْنِ اَنْ تَقُوْمُوا لِلْيَتَامٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْماً (نساء-۱۹)

کے بارے میں اجازت مانگتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ اللہ (ان سے نکاح کی) اجازت دیتا ہے اور اس سے پہلے تم کو جو حکم دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم ان کا حق نہیں دیتے، جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے، مگر ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو اور بے بس بچوں خاص طور سے یتیموں کے بارہ میں کہ ان کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو ان کے ساتھ جو بھلائی بھی کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔

احادیث میں یتیموں کی امداد و دستگیری کے فضائل: یہ یتیموں کے بارہ میں کلام مجید کے احکام تھے، احادیث نبویؐ میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی امداد و دستگیری کی بڑی تاکید ہے، رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کی کفالت کرنے والوں کو جنت میں اپنے برابر جگہ دی ہے۔

قال رسول الله ﷺ أنا و كافل اليتيم في الجنة كهاتين و أشار باصبعيه السبابة و الوسطى

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں (کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی) کی طرح قریب ہوں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

قال رسول الله ﷺ من أحسن الى يتيمة ويتيم عنده كنت أنا وهو في

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس یتیم لڑکی اور یتیم لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک

الجنة کھاتین وقرن بین اصبعیه (۱) کرے گا جو اس کے پاس ہے تو میں اور وہ شخص جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح پاس پاس ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے اچھا سلوک کرتے ہوں اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے برا سلوک کرتے ہوں۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان یتیم کو اپنے گھر میں رکھ کر کھلائے پلائے گا اللہ تعالیٰ اسکو ضرور جنت میں داخل کرے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو معاف نہ ہو سکتا ہو۔ (۳)

صحابہ کا سلوک یتیموں کے ساتھ: اس تعلیم نے عربوں کی کایا پلٹ دی، وہ دل جو بیکس یتیموں کے لیے پتھر سے زیادہ سخت تھے، موم سے زیادہ نرم ہو گئے اور ہر صحابی کا گھر یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لیے کئی کئی ہاتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اس کی کفالت اور پرورش کے لیے اپنی آغوشِ محبت پیش کرنے لگا۔ (۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی یتیم بچہ کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے کان لایاکل الطعام الا وعلی خوانه یتیم۔ (۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لا کر پرورش کرتی تھیں (۶) صحابۂ کرام یتیموں کی پرورش نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف طریقوں سے ان کی امداد و دستگیری بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک یتیم نے آنحضرت ﷺ کی عدالت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا

---

(۱) یہ دونوں روایتیں بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی وغیرہ تمام کتب صحاح میں مختلف طریقوں سے مروی ہیں۔ (۲) ادب المفرد باب فضل من یعول یتیما (۳) ترمذی ابواب البر والصلہ باب فی رحمۃ الیتیم (۴) بخاری باب عمرۃ القضاء (۵) ادب المفرد باب فضل من یعول یتیما (۶) موطا امام مالک و مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۲ و ۶۹

دعوی کیا مگر اس کا ثبوت نہ پیش کر سکا، اس لیے آپؐ نے مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ فرمایا: وہ یتیم رونے لگا، آپ کو رحم آ گیا، آپؐ نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ یہ نخلستان اس کو دیدو، خدا اس کے بدلہ میں تم کو جنت دے گا، مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحداحؓ موجود تھے انھوں نے اس شخص سے کہا تم اس نخلستان کو میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو؟ وہ تیار ہو گیا، ابوالدحداحؓ نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالہ کر دیا۔(۱)

مال غنیمت میں یتیموں کا حصہ: اسلام نے محض انفرادی طور پر یتیموں کی پرورش اور ان کی امداد و دستگیری کی ترغیب نہیں دی بلکہ مال غنیمت اور فے میں یتیموں کا حصہ مقرر کیا۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ (انفال-۵)	اور مسلمانو! جان لو کہ تم کو جنگ میں جو مال غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کا ہے اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ (حشر-۱)	اور جو مال اللہ اپنے رسول کو بستیوں سے بے لڑے بھڑے دلائے وہ اللہ کا اور رسول کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔

یتیم خانے: بیت المال میں دوسرے ابواب خیر کے ساتھ یتیموں کی امداد کے لیے بھی ایک مد رکھی، اسلامی حکومتوں نے مستقل یتیم خانے قایم کیے، جن میں یتیموں کی پرورش کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی پورا انتظام ہوتا تھا، سب سے پہلے باقاعدہ یتیم خانہ ولید بن عبدالملک نے قایم کیا(۲) اس کے بعد اس کا سلسلہ برابر قایم رہا، ہر اسلامی حکومت میں

(۱) استیعاب تذکرۃ ابوالدحداح (۲) تاریخ الخلفا سیوطی، ص ۲۲۴

یتیم خانہ ضرور ہوتا تھا، اس کے علاوہ صاحب ثروت اصحاب خیر اپنے ذاتی یتیم خانے بھی قایم کرتے تھے جن پر بڑی بڑی جائدادیں وقف کرتے تھے، جن کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے، اس طرح یتیم خانوں کی بنیاد درحقیقت مسلمانوں نے رکھی، جس کی تقلید دوسری قوموں اور حکومتوں نے کی، ان سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ اسلامی حکومت نے قاضیوں کے فرائض میں لاوارث یتیموں کی سرپرستی اور ان کی جائدادوں کی حفاظت ونگرانی بھی رکھی، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

فقراء ومساکین اور مقروض ومسافر کے حقوق اور اس کی امداد: ہر قوم اور معاشرہ میں ایسے فقراء ومساکین ہوتے ہیں جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور بقائے حیات کے وسائل سے بھی محروم ہوتے ہیں اور وہ نادار مقروض جو سر سے پاؤں تک قرض میں غرق ہوتے ہیں اور اپنی غربت کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر سکتے، اسلام نے ان کو اور غریب الدیار مسافروں کو اہل حاجت میں شامل کرلیا اور ان سب کی امداد ودستگیری کی تاکید کی، اس زمانہ میں جبکہ سفر کی ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں شاید مسافروں کی امداد تصور میں نہ آئے لیکن اس زمانہ میں جبکہ سفر کی یہ سہولتیں نہ تھیں مسافر نوازی بھی بڑا کار خیر سمجھی جاتی تھی اور آج بھی ان لوگوں کو چھوڑ کر جن کو ہر طرح کے وسائل عیش میسر ہیں غریب الدیار مسافر اسی طرح امداد کے مستحق ہیں جس طرح اگلے زمانہ میں تھے، فقراء مساکین کی امداد ودستگیری کا تمام مذاہب میں حکم ہے اور اس کو بڑے اجر وثواب کا کام قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام کی تعلیم میں جو جامعیت ہے اور اس نے جس طرح اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے وہ کسی مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یتامیٰ اور غلام اور فقراء ومساکین کی امداد کے احکام وفضائل قریب قریب یکساں ہیں، اس لیے کلام مجید میں عموماً ان سب کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے، یہ آیات اوپر گذر چکی ہیں، اس لیے ان کو دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے تمام مذاہب میں غرباد

مساکین کی امداد کی صرف اخلاقی تعلیم ہے اور اس کو اجر وثواب قرار دیا گیا ہے، لیکن اسلام نے تنہا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی امداد واعانت کے لیے زکوٰۃ فرض کی اور اس کا یہ مصرف متعین کر دیا۔

توخذ من أغنيائهم و ترد الى فقرائهم	زکوٰۃ دولت مندوں سے لی جائے گی اور غریبوں پر صرف کی جائے گی۔

یہ مذہبی ٹیکس خود حکومت وصول کر کے غربا پر صرف کرے گی اور اس میں اتنی سختی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے میں بھی تامل نہیں کیا، جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں خود زکوٰۃ دینے والا اس کو اس کے مصرف میں صرف کر سکتا ہے۔

ہر مسلمان کے مال میں حاجتمندوں کو حقدار بنا دیا۔

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ (ذاریات)	(مسلمانوں) کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم کے لیے حق ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (معارج)	مسلمانوں کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے لیے مقررہ حق ہے۔

اس میں ہر طرح کے سائل اور حاجت مند داخل ہیں۔

فے اور مال غنیمت میں فقراء کا حصہ مقرر کیا۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ (انفال-۵)	اور جان لو تم کو جو مالِ غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔
وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی	جو مال اللہ رسول کو بستیوں سے دلوائے وہ ان کے لیے اور ان کے رسولؐ کے

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (حشر-۱)	لیے ہے اور یتیموں او رمسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ تم میں جو لوگ دولت مند ہوں ان ہی میں یہ مال گردش کرتا نہ رہے۔

مستحقین صدقات میں فقراء ومساکین سرفہرست ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ-۶)	بیشک صدقات فقراء ومساکین کا حق ہے اور ا ن کا رکنوں کا جو صدقات وصول کرتے ہیں اور مولفۃ القلوب کا اور صدقہ کے مال کو گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافروں پر صرف کیا جائے، یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا فرض ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

جو مقروض تنگ دستی کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے ہوں ان کو اس وقت تک مہلت دینا چاہیے، جب تک ان میں ادائیگی کی وسعت نہ پیدا ہو جائے اور اگر قرض خواہ معاف کر دے تو یہ اس کے ملیے بہتر ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ-۳)	اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دو اور اگر تم معاف کردو تو تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم اس کو سمجھو۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بڑے فضائل ہیں وہ لوگ نیکوکار ہیں جو غریبوں کو کھانا کھلاتے اور ان پر کوئی احسان نہیں رکھتے ہیں۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا	اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور

وَيَتِيماً وَّاَسِيراً اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَاشُكُورًا (دھر)	قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور یہ جتاتے ہیں کہ ہم تم کو خدا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری۔

ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ

لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع الی جنبہ(۱)	وہ مومن نہیں جوخود تو شکم سیر ہوکر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے

ان تمام گناہوں اور خطاؤں میں جن کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہےاور جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اگر غلام میسر نہ ہوتو مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے،فقراء و مساکین کی امداد و دستگیری کی اتنی آیات واحادیث ہیں کہ ان کو نقل کرنا دشوار ہے۔

اسی کے ساتھ اس میں کچھ خرابیاں بھی ہیں،اسلام نے ان کی اصلاح بھی کی ہے ،اس میں دو بڑی خرابیاں ہیں ایک تو صدقات وخیرات سے ناکارہ لوگوں میں مفت خوری کی عادت پڑ جاتی ہے، دوسرے غریبوں میں احساس کمتری اور صدقہ دینے والوں میں اپنی بڑائی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے،اسلام نے ان سب کی اصلاح کی،اس نے اس پیرایہ میں مسکینوں کو خودداری کی تعلیم دی ہے کہ اصلی مسکین وہ ہے جو احتیاج و ناداری کے باوجود غیرت اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے،ایسے مساکین خاص طور سے امداد کے مستحق ہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَايَسْاَلُوْنَ النَّاسَ	خیرات تو ان محتاجوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں ملک میں کسی طرف جانہیں سکتے، ان کے حال سے بے خبر ان کی خودداری کی وجہ سے ان کو غنی

(۱) بخاری کتاب الادب

اِلْحَافاً وَمَا تُنفِقُوْنَ مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (بقرہ-۲۷)

سمجھتا ہے، لیکن تم ان کو بشرہ سے پہچان سکتے ہو (کہ محتاج ہیں) وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو کچھ تم لوگ اپنے مال سے خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اس کو جانتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں میں گھومتا اور ایک ایک دو دو لقموں یا ایک ایک دو دو کھجور کے لیے در بدر مارا مارا پھرتا ہے بلکہ اصل مسکین وہ ہے جو اتنا تو نگر نہ ہو جو اس کو دوسروں سے بے نیاز کردے اور کو اس کی حالت کی خبر نہ ہونے پائے کہ لوگ اس کو خیرات دے دیں اور نہ لوگوں سے کھڑا ہو کر سوال کرے۔ (۱)

مفت خوری کے لیے سوال کی بڑی مذمت کی ہے اور توانا و تندرست اور غنی کے لیے صدقہ لینا حرام قرار دیا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غنی اور توانا و تندرست کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، ایک دوسری روایت ہے کہ اگر غنی اور توانا و تندرست سوال کرے گا تو قیامت میں اس کے چہرے پر اس کا سوال کھرونچے کی شکل میں نمایاں ہوگا۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ مانگتا پھرتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا یعنی گداگری کے اثر سے چہرہ مسخ ہوگا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ و خیرات لوگوں کے ہاتھ کا میل ہے (۴) جس کو

(۱) بخاری و مسلم (۲) یہ دونوں حدیثیں ترمذی ابواب الزکوٰۃ باب تحل لہ الزکوٰۃ اور باب ماجاء فی من لاتحل لہ الصدقۃ میں ہیں۔ (۳) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب من سئل الناس مکثرا
(۴) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ترک استعمال آل النبی صدقۃ

مجبوری کے علاوہ کوئی غیرت مند لینا گوارا نہیں کرسکتا، دوسری روایت میں ہے کہ اوپر کا ہاتھ یعنی دینے والا نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے سے بہتر ہے۔(۱)

سوال کرنے اور بھیک مانگنے کے مقابلہ میں محنت و مشقت کے ذریعہ پیٹ پالنے کی ترغیب دی، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمھارے لیے لکڑی کا بوجھ ڈھو کر کمانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ بھیک مانگے اور دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ دے یا نہ دے۔(۲)

ایک مرتبہ ایک حاجت مند صحابی نے آپؐ سے خیرات مانگی، آپؐ نے پوچھا تمھارے پاس کچھ ہے انھوں نے جواب دیا ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے، آپؐ نے اس کو منگا کر خود نیلام فرمایا اور اس کی قیمت سے کلہاڑی خرید کر سائل کو دی اور فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو، ان کی محنت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ ان کی حالت اتنی بہتر ہوگئی کہ پھر ان کو کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔(۳)

دوسری طرف صدقہ دینے والوں کے لیے حکم ہے کہ وہ صدقہ لینے والے پر احسان جتا کر اور ان کو تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات کو برباد نہ کریں۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَايُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا (بقرہ-۳۶)

اے مسلمانو! احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد نہ کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، اس کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہے اس پر زور کا پانی برسا تو اس نے

---

(۱) بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (۲) ایضاً باب کراہۃ المسئلۃ
(۳) ابوداؤد کتاب الزکوۃ

(مٹی بہا کر) پتھر سپاٹ کردیا، (اسی طرح
احسان جتانے والے اور ایذا پہونچانے
والے کے صدقہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا

جولوگ ان دونوں چیزوں سے بچتے ہیں، درحقیقت وہی لوگ اجروثواب کے مستحق ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَایَتَّبِعُوۡنَ مَا اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَا اَذًی لَّھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (بقرہ-۲٦)

جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں اور خرچ کئے پیچھے نہ اس کا احسان جتاتے ہیں اور نہ (صدقہ لینے والے کو) کسی قسم کی ایذا پہنچاتے ہیں تو ان کو اس کا اجر اپنے رب کے یہاں ملے گا، نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

صدقہ علانیہ بھی دیا جاسکتا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو ترغیب ہو اور خفیہ بھی، لیکن خفیہ زیادہ بہتر ہے۔

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاھِیَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡھَا وَتُؤۡتُوۡھَا الۡفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَیُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ سَیِّئَاتِکُمۡ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ (بقرہ-۳٦)

اور اگر تم ظاہر کرکے صدقہ دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر محتاجوں کو دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ تمھارے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

اس میں فائدہ یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کا دامن ریا اور دکھاوے سے محفوظ رہتا ہے اور لینے والے کی خودداری کو صدمہ نہیں پہنچتا، وہ دوسروں کی نگاہوں میں خفت سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ خیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ داہنے ہاتھ

سے دی جائے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

غرض اسلام نے غربا و مساکین کی امداد و دستگیری کا بھی حکم دیا ہے، اسی کے ساتھ صحیح و تندرست لوگوں کو مفت خوری کی عادت سے بھی روکا ہے، صدقہ دینے والوں کو احسان جتانے کی بھی ممانعت کی ہے اور صدقہ لینے والوں کی عزت نفس کو بھی بچانے کی کوشش کی ہے، اتنی متوازن تعلیم مشکل سے کسی دوسرے مذہب میں مل سکتی ہے۔

درحقیقت اسلام کا اقتصادی نظام اور دولت کی تقسیم اتنی متوازن ہے کہ اگر اس پر پورا پورا عمل کیا جائے تو مسلمانوں میں نہ تو کوئی قارون بن سکتا ہے اور نہ کوئی ننگا بھوکا رہ سکتا ہے، معذور اور اپاہج لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری خود سرکاری خزانہ بیت المال پر ہے۔

عام اہل حاجت کی امداد: حاجت مندوں کی بہت سی قسمیں ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص مالی امداد ہی کا طالب ہو، دولت مندوں کو بھی کبھی نہ کبھی کسی کام میں دوسروں کی مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، انسانی معاشرہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت ہی پر قایم ہے، اس لیے امداد و اعانت صرف مالی امداد کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ہر قسم کی مدد شامل ہے اور اس قسم کی امداد اور اہل حاجت کی حاجت برآری ایک دوسرے کا حق ہے، حدیثوں میں اس کی بڑی تاکید اور فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں ہے۔(۱)

من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه من كرب يوم القيامة

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو خدا اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

---

(۱) یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

واللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون أخیہ(۱)	اللہ اپنے بندہ کی مدد پر اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

اچھے کاموں میں سفارش کرنے کی خود قرآن مجید نے ترغیب دی ہے۔

مَن يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَن يَّشْفَع شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (نساء-۱۱)	جو شخص کسی نیک بات کی سفارش کرے گا تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تھا تو آپ صحابہؓ سے فرماتے تھے کہ تم بھی اس کی سفارش کرو تم کو بھی ثواب ملے گا۔(۲)

اسلام نے اچھے اور نیک کاموں میں دوسروں کی امداد کو اتنی وسعت دی ہے کہ جو شخص بھولے بھٹکے ہوئے شخص یا اندھے کو راستہ بتاتا ہے تو اس کو بھی صدقہ قرار دیا ہے۔(۳)

☆☆☆

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی الستر علی المسلمین (۲) بخاری کتاب الادب باب تعاون المومنین و باب قول اللہ من یشفع شفاعۃ حسنۃ (۳) باب کل بر صدقۃ

آٹھواں باب

غلامی اور غلاموں کے حقوق

اسلام سے پہلے غلاموں کی حالت: دنیا میں غلامی کی تاریخ حاکمیت ومحکومیت اور فاتح ومفتوح کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے، طاقتور قبائل کمزور قبائل کو فاتح اور حاکم اور مفتوح اور محکوم کو غلام بناتے تھے، غلامی کے رواج میں سب سے زیادہ لڑائیوں کو دخل ہے، ان میں جو شکست خوردہ گرفتار ہوتے تھے، ان کو یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا غلام بنالیا جاتا تھا اور جو عمر بھر کے لیے غلام بن جاتے تھے جن سے ہر قسم کے کام لیے جاتے تھے، ان میں آخری صورت زیادہ رائج تھی، جس نے رفتہ رفتہ لونڈی غلاموں کی تجارت کی شکل اختیار کر لی، یہ لونڈی غلام زندگی کی ایسی ناگزیر ضرورت بن گئے تھے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بھی غلامی کے رواج سے خالی نہ تھی، یونان، روم، مصر، ہندوستان ہر ملک میں غلامی رائج تھی، بعض بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی اصل آبادی کے برابر تھی، خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی، یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں بلکہ وحشی قوموں کو بھی زبردستی غلام بنالیتی تھیں غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بہتر نہ تھی، آقا ان کی جان تک کا مالک ہوتا تھا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا نہ تھی، ان سے طرح طرح کے پر مشقت کام لیے جاتے تھے اور ادنی لغزش اور سرتابی کی

بڑی سخت سزا دی جاتی تھی، ان کی ساری املاک کا مالک آقا ہوتا تھا، تقریباً ساری دنیا میں ان کا یکساں حال تھا، مذاہب میں یہودی مذہب نے غلاموں کو کچھ حقوق دیے تھے اور روما نے بھی اپنے آخری دور میں غلامی میں کچھ اصلاح کی لیکن سوسائٹی میں ان کو انسانیت کا مرتبہ حاصل نہ ہوسکا۔

اسلام میں غلامی کی اصلاح: اسلام پہلا مذہب ہے جس نے دوسرے مظلوم طبقوں کے ساتھ غلاموں کے ساتھ بھی انسانیت اور حسن سلوک کا سبق دیا، ان کو انسانی حقوق عطا کیے اور ان کو اونچا کرنے کی کوشش کی، اس زمانہ میں ساری دنیا میں لونڈی غلام ایسی ناگزیر ضرورت بن گئے تھے جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے اسلام نے اس کو ختم تو نہیں کیا لیکن غلامی میں اتنی اصلاحیں کیں اور غلاموں کو اتنے حقوق دیئے اور آقا پر ان کی اتنی ذمہ داریاں عائد کردیں کہ غلامی کی شکل بالکل بدل گئی، وہ آقائی اور بندگی کے پرانے مفہوم کے اعتبار سے غلامی باقی نہیں رہ گئی بلکہ غلام آقا کے خاندان کا ایک فرد بن گیا، اس کی آزادی اور ترقی کی راہیں کھل گئیں، چنانچہ اسلام کی تاریخ علم و کمال کے ہر میدان میں اصحاب کمال غلاموں سے بھری ہوئی ہے۔

اسلام غلاموں کے لیے بھی آزادی کا پیام لایا تھا، اس لیے اس کی آواز پر ابتدائی لبیک کہنے والوں میں غلاموں کی بڑی تعداد تھی، جن کو اسلام میں وہ مرتبہ حاصل ہوا جو روسائے قریش کو حاصل نہ ہوسکا، حضرت بلالؓ، عمار بن یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، زید بن حارثہؓ، سالمؓ، عامر بن فہیرہؓ، خباب بن ارتؓ جیسے اجلۂ صحابہ غلام تھے جن پر روسائے قریش رشک کرتے تھے، اسی طریقہ سے اکابر تابعین تبع تابعین اور ائمۂ اسلام میں بہت سے غلام تھے۔

آزاد کو غلام بنانے کی ممانعت: اسلام نے غلامی میں پہلی اصلاح یہ کی کہ جنگ کے قیدیوں کے علاوہ کسی آزاد شخص کو زبردستی غلام بنانا حرام اور جرم قرار دیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تین آدمیوں سے جھگڑا کرے گا، ان میں سے ایک وہ

شخص ہوتا جو کسی آزاد مسلمان کو غلام بنا کر بیچ دے (۱) اس طریقہ سے تین آدمیوں کی نماز نہ قبول کرے گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد شخص کو غلام بنالے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ عربوں کو غلام بنانا پسند نہ فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس ایک لونڈی تھی، جو قبیلۂ تمیم سے تھی، آپؐ نے ان سے فرمایا: اس کو آزاد کردو کہ یہ بنی اسماعیل میں سے ہے (۳) اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں یہ قانون بنادیا تھا کہ عرب کو غلام نہیں بنایا جاسکتا و لا یسترق عربی (۴) اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد قبائل کے جو لوگ گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے ان کو آزاد کردیا۔ (۵)

جنگی قیدیوں کے لیے اس زمانہ میں چند شکلیں رائج تھیں یا تو ان کو قتل کردیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا لونڈی غلام بنالیا جاتا تھا، اسلام نے ان سب شکلوں کو قایم رکھا اور امام کو اختیار دیا کہ وہ حالات کے لحاظ سے ان میں سے جو چاہے اختیار کرے اور بلا معاوضہ چھوڑ دینے کی ایک نئی شکل جاری کی اور معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دینے کو بہتر قرار دیا اما منا بعد و اما فداء مگر اس کو قانون نہیں بنایا کہ بعض حالات میں دشمن کی رہائی مضر ہوتی ہے۔

غلاموں کی آزادی پر اجر وثواب: لیکن غلاموں کی آزادی کی بہت سی شکلیں پیدا کیں اور ان کی آزادی کو اجر وثواب قرار دیا، سورہ بقرہ میں جہاں اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے ان میں ایک غلاموں کی آزادی بھی ہے چونکہ غلامی قید کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قیدی اور غلام کا ذکر ہر جگہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	لیکن بڑی نیکی یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكُتُبِ وَالنَّبِيِّينَ	یوم آخرت اور فرشتوں اور سب کتابوں

(۱) بخاری کتاب الاجارہ باب منع اجر الآجر (۲) جامع صغیر ج اول ص ۱۸۱ بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ
(۳) مسلم کتاب الفضائل فضائل غفار واسلم وغیرہم (۴) کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۱
(۵) یعقوبی ج اول ص ۱۵۸

وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلَ وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَی الزَّکٰوةَ (بقرہ-۲۲)	اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال کی محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں اور گردنوں کے چھڑانے (یعنی غلاموں کی آزادی) میں صرف کرے اور نماز قایم کرے اور زکوٰۃ دے۔

زندگی کی دشوار گھاٹی کو پار کرنے کی ایک راہ غلاموں کی آزادی بھی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَتِیْماً ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْناً ذَامَتْرَبَةٍ (بلد-۱)	پھر بھی انسان گھاٹی میں سے ہوکر نہ نکلا جانتے ہو وہ گھاٹی کیا چیز ہے گردن (غلام) کو چھڑانا، بھوک کے دن قرابت دار یتیم یا خاک نشیں محتاج کو کھانا کھلانا۔

کتب احادیث غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی ترغیب اور ان کی فضیلت سے معمور ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آتش دوزخ سے بچائے گا(۱) بعض روایتوں میں مسلم کے بجائے 'نسمہ' یعنی کسی انسان کا لفظ ہے، ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے جو جنت میں داخل کردے فرمایا:

اعتق النسمة وفك الرقبة	غلام کو آزاد کرو اور گردن کو چھڑاؤ۔

اعرابی نے پوچھا کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں، فرمایا: نہیں، عتق نسمہ یہ ہے کہ تم تنہا بلاشرکت غیرے غلام آزاد کرو اور 'فک رقبہ' یہ ہے کہ تم بھی اس کی آزادی کی قیمت میں

---

(۱) بخاری کتاب الرھن فی الحضر باب فی العتق وفضول

شریک ہو جاؤ۔(۱)

صحابہ کرامؓ اور غلاموں کی آزادی: اس ترغیب کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ بکثرت غلام آزاد کرتے تھے، حضرت عائشہؓ صدیقہ نے اپنی ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے(۲) آپ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا دفعتہ سونے کی حالت میں انتقال ہو گیا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کی طرف سے بہت سے غلام آزاد کیے۔(۳)

صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، امیر اسماعیل نے شرح بلوغ المرام میں چند صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے، حضرت عائشہؓ ۶۷، حضرت عباسؓ ۷۰، حضرت حکیم بن حزامؓ ۱۰۰، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۰۰۰، ذوالکلاع حمیری ۸۰۰۰، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ۳۰۰۰۰، حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے مگر یہ لکھا ہے کہ انھوں بہ کثرت غلام آزاد کیے۔(۴)

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد لونڈی غلاموں کی تھی، جو اپنے آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھے، ان کے قبول اسلام کے بعد ان کا ظلم اور بڑھ گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایسے بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں، حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ. لونڈیوں میں زنیرہؓ، نہدیہ بنت نہدیہؓ۔

میر اسماعیل نے جو فہرست نقل کی ہے وہ صرف ان صحابہؓ کی ہے جنھوں نے بکثرت غلام آزاد کیے تھے، صحابہؓ میں مشکل سے کوئی ایسا نکلے گا جس نے کچھ غلام آزاد نہ کیے ہوں، حدیث کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

خطا اور گناہ کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی: غلاموں کی آزادی کی ایک بڑی راہ یہ نکالی کہ بعض گناہوں اور فروگذاشتوں کا کفارہ تحریر رقبہ یعنی غلام کی آزادی مقرر کیا، قتل خطا

(۱) بیہقی میں یہ حدیث طویل ہے، ہم نے اس کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ (۲) بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ (۳) موطا امام مالک (۴) سبل السلام کتاب العتق ج ۲ ص ۲۳۵

یعنی جو مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردے تو اس کا کفارہ اور تاوان ایک غلام کی آزادی اور خونبہا بتایا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤمِناً خَطَاءً فَتَحرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهلِهِ إِلَّا أَن يَّصَّدَّقُوا (نساء-۱۳)

اور جو مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردے تو ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثہ کو خونبہا ادا کرے الا یہ کہ وہ خود معاف کردیں۔

ظہار یعنی جو شخص اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر حرام کرلے مثلاً یہ کہے کہ تو میری ماں یا بہن کی جگہ ہے اور پھر اس کو واپس لے کر اس کو بیوی بنانا چاہے تو اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ بِمَا قَالُوا فَتَحرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبلِ أَن يَّتَمَاسَّا ذَالِكُم تُوعَظُونَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِيرٌ فَمَنْ لَّم يَجِدْ فَصِيَامُ شَهرَينِ مُتَتَابِعَينِ مِنْ قَبلِ أَن يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّم يَستَطِعْ فَإِطعَامُ سِتِّينَ مِسكِيناً (مجادلہ-۱)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اسے اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں، تم کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، جس سے یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

قسم توڑنے کا کفارہ:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغوِ فِي أَيمَانِكُم

تمھاری لغو قسموں (۱) پر اللہ تعالیٰ تم سے

(۱) لغو قسمیں وہ ہیں جو عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر چڑھی رہتی ہیں اور بلاضرورت واللہ باللہ کہا کہتے ہیں۔

وَلٰكِن يُّوَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذَالِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا اَيْمَانَكُمْ (مائدہ-۱۲)

کوئی مواخذہ نہیں کرتا لیکن اگر پکی قسم کھالو (اور پھر اس کو توڑ دوتو) اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے، جیسا کہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اس کو کپڑے پہنانا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا، اگر یہ نہ ہو سکے تو تین دن روزے رکھنا یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو (اور اس کو پورا نہ کرسکو اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو)

اسی طریقہ سے عمداً فرض روزہ توڑنے کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے(۱) ان کفاروں سے غلاموں کی بڑی تعداد آزاد ہو جاتی تھی۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا مستحب ہے، بخاری کی روایت ہے۔(۲)

عن أسماء بنت أبى بكر أمرنا رسول الله ﷺ بالعتاقة فى كسوف الشمس

اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

مکاتبت: یعنی جو غلام آزاد ہونا چاہے اسلام نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آقا کو ایک مقررہ رقم دے کر جو دونوں میں طے ہو جائے آزادی حاصل کرسکتا ہے، اس کو شرعی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں، کلام مجید نے آقاؤں کو حکم دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْراً

اور تمھارے مملوکہ لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہتے ہوں تو تم ان کو

---

(۱) بخاری کتاب الصیام باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن شیء فتصدق الخ (۲) بخاری کتاب الرہن فی الحضر باب مایستحب من العتاقۃ فی الکسوف والآیات

وَ آتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِیْ آتَاكُمْ (نور-۴)

مکاتب بنادو اگر ان میں بہتری کے آثار دیکھو اور اس مال میں سے جو اللہ نے تم کو دیا ہے ان کو دو۔

اس آیت میں مکاتبت کا حکم صیغہ امر کے ساتھ ہے جو وجوب کے لیے ہے، اس لیے کچھ ائمہ کی رائے ہے کہ جو غلام مکاتب بننا چاہے، اس کو مکاتب بنانا ضروری ہے، لیکن اکثر ائمہ کا فیصلہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، آقا کو اختیار ہے چاہے مکاتب بنائے یا نہ بنائے۔(۱)

حضرت عمرؓ وجوب کے قائل تھے، بخاری کی روایت ہے کہ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا کہ جب مجھے یقین ہو جائے کہ غلام کے پاس مال ہے (یعنی وہ مکاتبت کا معاوضہ ادا کر سکتا ہے) تو کیا مکاتب بنا دینا واجب ہے، عطا نے کہا میرے خیال میں تو واجب ہے، عمرو دینار نے پوچھا اس بارہ میں کوئی اثر منقول ہے، انھوں نے کہا نہیں، لیکن موسیٰ بن انس نے ان سے بیان کیا کہ سیرین (انس کے غلام) نے حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی ، وہ دولت مند تھے، انھوں نے انکار کر دیا، سیرین حضرت عمرؓ کے پاس پہونچے اور واقعہ بیان کیا، حضرت عمرؓ نے انسؓ کو بلا کر کہا سیرین کو مکاتب بنادو، انھوں نے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے ان کو کوڑے سے مارا اور یہ آیت پڑھی 'فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا' اس کو سن کر حضرت انسؓ نے سیرین کو مکاتب بنا دیا۔(۲)

مکاتبت میں بہتری کے آثار دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام میں کھانے کمانے کی صلاحیت ہو، ایسا نہ ہو کہ آزادی کے بعد ٹھوکریں کھاتا پھرے اور آتوھم من مال اللہ سے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی اس کی آزادی میں مالی مدد کرنی چاہیے(۳)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۷ (۲) بخاری کتاب المکاتب باب المکاتب و نجومہ کل سنۃ نجم

(۳) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۷

امام مالکؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب غلام کتابت کے معاوضہ کا بڑا حصہ ادا کردے تو آقا کو کچھ حصہ چھوڑ دینا چاہیے۔(۱)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: یہ تو غلاموں کی آزادی کی صورتیں اوران سے متعلق احکام تھے، غلامی کی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی اتنی تاکید ہے اور آقاؤں پر اتنی ذمہ داریاں عائد کردی گئی ہیں کہ غلاموں کی حیثیت غلام کی نہیں بلکہ گھر کے ایک فرد کی ہوجاتی ہے، حدیث میں ہے مولی القوم من انفسهم یعنی قوم کا غلام اس کے گھر کا ایک فرد ہے۔

کلام مجید میں جہاں جہاں والدین، اقربا اور غربا و مساکین وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، غلام کے ساتھ بھی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَّلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء-۱۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور عزیز پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ اور جو لونڈی غلام تمھارے قبضہ میں ہوں ان کے ساتھ۔

آقا جو خود کھائے پہنے وہی غلاموں کو کھلائے پہنائے: اس سلسلہ کی اور آیات بھی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو خود کھائے پہنے وہی غلاموں کو کھلائے پہنائے، حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی غلام تمھارے بھائی بہن ہیں، خدا نے ان کو تمھارے ماتحت کردیا ہے تو جس کے بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت

(۱) موطا امام مالک کتاب المکاتب باب القضاء فی المکاتب

کردے اس کو چاہیے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے، ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر کبھی ایسا کام پیش آجائے تو خود اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، چنانچہ حضرت ابوذرؓ کا معمول تھا کہ جو خود کھاتے پہنتے تھے وہی غلام کو بھی کھلاتے پہناتے تھے۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو چونکہ اس نے کھانے کی تیاری میں آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے اس لیے اس کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کھلانا چاہیے اور اگر کھانا کم ہو تب بھی اس کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دینا چاہیے۔(۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارا جو خادم کھانا تیار کر کے لائے تو اس کو ساتھ بیٹھا کر کھلائے اور اگر اس کو پسند نہ کرے تو کھانے میں سے کچھ اس کو بھی دیدے، ابومحذورؓ کا بیان ہے کہ عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ صفوان بن امیہ ایک بڑا طشت یا سینی جس کو کئی آدمی اٹھائے ہوئے تھے، لائے اور عمرؓ کے سامنے رکھ دیا، اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس جو غربا و مساکین بیٹھے ہوئے تھے، ان سب کو انھوں نے اپنے ساتھ کھلایا اور فرمایا ان کو برا ہو جو غلاموں کو ساتھ کھلانے میں عار کرتے ہیں۔(۳)

لونڈی غلام کو لونڈی غلام نہ کہنا چاہیے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی غلام کو لونڈی غلام نہ کہنا چاہیے، تم سب خدا کے غلام ہو اور تمھاری عورتیں خدا کی باندیاں ہیں، اس لیے لونڈی غلام کو میری چھوکری اور میرے چھوکرے کہنا چاہیے(۴) بعض روایتوں میں ہے کہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کہنا چاہیے۔(۵)

لونڈی غلاموں کو مارنا نہ چاہیے، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ

---

(۱) بخاری باب قول النبی العبید اخوانکم فاطعموھم مما تاکلون (۲) مسلم کتاب الایمان باب الطعام والمملوک مما یاکل (۳) ادب المفرد ھل تجلس خادمہ اذا اکل (۴) ادب المفرد باب لایقول عبدی (۵) کنز العمال ج ۵

نے فرمایا: لوگو! میں تم کو بتاؤں، بدترین آدمی کون ہے، وہ جو تنہا کھاتا ہے، اپنے غلام کو تازیانہ لگاتا ہے مگر اس کو دیتا کچھ نہیں۔(۱)

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو تم کھاتے اور پہنتے ہو وہی ان کو کھلاؤ پہناؤ اور اللہ عزوجل کی مخلوق (یعنی غلام) کو سزا نہ دو۔(۲)

غلاموں کو مارنے کی ممانعت: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارے تو اللہ کو یاد کرلے (یعنی مارنے میں خدا کا خوف کرے۔)

حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے غلاموں کو مار رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی، ابو مسعود جان لو، ابو مسعود جان لو، پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے، آپؐ نے فرمایا: جتنا تم کو اپنے غلام پر قابو ہے، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم پر قدرت رکھتا ہے، ابو مسعودؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر میں نے اپنے کسی غلام کو نہیں مارا(۳) مسلم میں اتنا اور اضافہ ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوجہ اللہ آزاد ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو آزاد نہ کرتے تو آگ تم کو چھوتی۔(۴)

غلاموں کو مارنے کا کفارہ آزادی ہے: غلام کو مارنے کا کفارہ اس کی آزادی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا کسی اور چیز سے مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اتفاقیہ اپنے کسی غلام کو مارتے تھے تو اس کو آزاد کردیتے تھے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک لونڈی حضرت عمرؓ کے پاس آئی، اس کو اس

---

(۱) مشکوۃ باب النفقات وحق المملوک (۲) ادب المفرد باب اکسوھم بما تلبسون
(۳) ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الخادم (۴) مسلم کتاب الایمان باب ضرب الممالیک وکفارتہ

کے مالک نے آگ سے جلا کر زخمی کر دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو آزاد کر دیا۔(۱)

عمرو بن الحکم کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک لونڈی میری بکریاں چراتی ہے، ایک دن ایک بکری گم ہو گئی، میں نے لونڈی سے پوچھا اس نے کہا بھیڑیا کھا گیا، مجھے بہت افسوس ہوا، انسان ہی تھا غصہ آ گیا، لونڈی کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا، کیا اسی آن میں اس کو آزاد کر دوں، رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کو بلا کر پوچھا اللہ کہاں ہے، اس نے کہا: آسمان پر، پوچھا میں کون ہوں، لونڈی نے کہا: آپؐ اللہ کے رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حکم سے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔(۲)

معاویہ بن سوید روایت کرتے ہیں کہ میرے گھر کا ایک غلام تھا، میں نے اس کو مارا (پھر والد کے خوف سے) گھر سے بھاگ گیا، ظہر کے وقت واپس آیا اور والد کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد والد نے مجھ کو اور غلام کو بلایا، غلام کو حکم دیا کہ تم اپنا بدلہ لے لو، اس نے مجھ کو معاف کر دیا، اس کے بعد والد نے یہ واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمارے خاندان بنی مقرن میں صرف ایک غلام تھا، ہم میں سے کسی نے اس کو مار دیا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو، لوگوں نے عرض کیا: اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی خادم نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا: اچھا جب تک دوسرے خادم کا انتظام نہ ہو جائے اس سے کام لو، لیکن جیسے ہی انتظام ہو جائے اس کو آزاد کر دو۔(۳)

غلاموں کی غلطیوں سے درگذر کا حکم: اگر غلام ایک دن میں ستر مرتبہ غلطی کرے تب بھی اس کو معاف کر دینا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! کتنی مرتبہ غلام کی غلطیوں کو معاف کر دو، یہ سن کر آپؐ خاموش رہے، اس شخص نے پھر یہی سوال کیا، آپؐ نے فرمایا: ایک دن میں ستر مرتبہ(۴)

---

(۱) یہ دونوں روایتیں موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد میں ہیں (۲) موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق امہات الاولاد و جامع القضاء فی العتاقۃ (۳) مسلم کتاب الایمان باب ضرب الممالیک وکفارتہ (۴) ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب خادم

یہ تعداد تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ غلام جتنی غلطیاں بھی کرے اس کو معاف کر دینا چاہیے۔

لونڈی غلاموں کی شادی کی ذمہ داری: آقا کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہونہار اور سعادت مند لونڈی غلاموں کی شادیاں کرے، کلام مجید کا حکم ہے۔

وَانۡکِحُوۡا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِیۡهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (نور-۴)

اور مسلمانو! اپنی بیواؤں کا نکاح کرو اور تمھارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں (یعنی بدراہ نہ ہوں) ان کا نکاح کرو، اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجایش والا اور جاننے والا ہے

لونڈیوں کی پرورش و پرداخت کا اجر: حدیثوں میں خاص طور پر لونڈیوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی شادی بیاہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس لونڈی ہو اور اس نے اس کی پرورش کی، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھا پھر آزاد کر کے اس کی شادی کر دی تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔(۱)

لونڈیوں اور غلاموں کے لڑکوں کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ماں اور اس کے لڑکے کو جدا کرے گا تو خدا قیامت میں اس کو اس کے پیاروں سے جدا کر دے گا۔(۲)

بلکہ ایسے دو غلاموں کو جو آپس میں بھائی ہوں جدا نہ کرنا چاہیے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو غلام دئے جو آپس میں بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک غلام کو بیچ دیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم نے ایک غلام کو کیا کیا؟ میں

(۱) بخاری ابواب المظالم، باب من ادب جاریۃ وعلمھا (۲) ترمذی

نے بتایا تو فرمایا: اس کو فوراً واپس لو، اس کو فوراً واپس لو۔ (ترمذی)

جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوتی تھی، ان کے لیے سب سے بہتر شکل یہ تھی کہ ان کو بیوی بنالیا جائے، اس سے ان کے ساتھ آقا کا تعلق بڑھ جاتا تھا اور ان کی حیثیت بدل جاتی تھی، اس لیے اسلام نے لونڈیوں کی بہتری کے لیے اس کی اجازت بھی دی ہے، ایسی لونڈیوں کے بطن سے جب بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو ان کا درجہ بلند ہو جاتا تھا، وہ 'ام ولد' یعنی بچہ کی ماں کہلاتی تھیں اور ان کو فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا، حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ جس لونڈی کے بطن سے آقا کا بچہ پیدا ہو جائے نہ اس کو بیچا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ وراثت میں دی جا سکتی ہے، آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زیدؓ اور ان کے لڑکے اسامہؓ: خود رسول اللہ ﷺ کا سلوک اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ یہ تھا کہ اپنے ایک غلام زید بن حارثہؓ کو منھ بولا بیٹا بنالیا تھا اور لوگ ان کو زید بن محمد کہتے تھے، جب کلام مجید کا یہ حکم 'ادعوھم لآبائھم' یعنی لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارا جائے، نازل ہوئی تو اس وقت لوگوں نے زید بن محمد کہنا چھوڑا۔ (۲)

اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی حضور ﷺ نے زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دی تھی، لیکن دونوں میں نبھ نہ سکی اس لیے طلاق ہوگئی، اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان کو جنگی مہموں میں امیر بنا کر بھیجتے تھے، چنانچہ غزوۂ موتہ میں ان کو امارت عطا فرمائی، جس میں انھوں نے شہادت پائی۔ (۳) اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی حضرت جعفرؓ بھی امارت کے متوقع تھے لیکن یہ شرف زیدؓ ہی کو عطا ہوا ان کے لڑکے اسامہؓ کو بھی آپ بہت محبوب رکھتے تھے، ایک زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھاتے اور دوسرے پر اسامہؓ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اس لیے تو بھی محبت

---

(۱) موطا امام مالک باب عتق امھات الاولاد الخ (۲) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل زید بن حارثہؓ (۳) بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ

فرما۔(۱)

سریہ موتہ میں ان کے والد زیدؓ اور ان کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے شہادت پائی تھی، اس کا انتقام لینے کے لیے آپؐ نے جو سریہ بھیجا تھا، اس کا امیر انہی کے صاحبزادہ اسامہؓ کو بنایا، بعض معمر لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے باپ کی امارت پر لوگوں نے اعتراض کیا تھا، اب اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہیں، خدا کی قسم اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔(۲)

حضرت زیدؓ اور اسامہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اور واقعات بھی ہیں جن کی تفصیل طویل ہوگی، اس لیے ان کو نقل نہیں کیا گیا۔

جو مالِ غنیمت آتا تھا، اس میں غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ صدیق کا بھی یہی طریقہ تھا(۳) آپؐ کے لطف و کرم کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے جو غلام بھاگ کر آپؐ کے دامن میں پناہ لیتے تھے، آپؐ ان کو آزاد فرما دیتے تھے۔(۴)

عام خدام کے ساتھ آپ کا حسن سلوک: عام خادموں کے ساتھ بھی یہی شفقت تھی حضرت انس بن مالکؓ غلام نہیں تھے بلکہ انصار کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن بچپن ہی سے ان کو آپؐ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور دس سال تک خلوت اور جلوت میں آپؐ کی خدمت کی سعادت حاصل کی، صبح سویرے کاشانۂ نبویؐ پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر کو گھر واپس جاتے، دوسرے پہر پھر حاضر ہوتے اور عصر کی نماز پڑھ کر گھر جاتے، آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی اور پیار میں ان کو بیٹا کہتے تھے، کبھی کبھی انیس کہہ کر مخاطب فرماتے، کبھی کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کھانا نوش فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو استراحت فرماتے پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور حضرت انسؓ کے لیے دعا کرتے، حضرت

(۱) بخاری کتاب المناقب باب مناقب اسامہ بن زیدؓ (۲) بخاری کتاب المغازی باب بعث اسامہ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسمۃ الفیء (۴) مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۳

انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی لیکن آپؐ نے کبھی کسی بات پر غصہ فرمایا اور نہ پوچھا کہ یہ کام کیوں نہ ہوا۔(۱)

تاریخ اسلام میں غلاموں کا مرتبہ: اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے کس طرح غلامی کی برائیوں کو مٹایا اور غلاموں کو اتنے حقوق عطا کیے کہ غلامی کی نسبت کے سوا عام انسانی حقوق میں ان میں اور آقاؤں میں بہت کم فرق رہ گیا، ان پر ہر طرح کی ترقی کے دروازے کھل گئے اور بہت سے غلام آقا کے ہمسر بلکہ مرتبہ میں ان سے بڑھ گئے، اسلام کی تاریخ غلاموں کی عظمت اور ان کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے، اکابر صحابہ میں حضرت بلالؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، عمار بن یاسرؓ، زید بن حارثہؓ، سالم مولی ابوحذیفہؓ، خباب بن ارت وغیرہ غلام ہی تھے، جن کے سامنے سردارانِ قریش گردنیں خم کرتے تھے۔

تابعین میں عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، نافع بن کاؤسؒ، محمد بن سیرینؒ، حسن بصریؒ، طاوس بن کیسانؒ، عطا بن ابی رباحؒ، مکحول دمشقیؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابوالعالیہ ریاحیؒ، ربیعۃ الرائیؒ وغیرہ غلام تھے۔

تبع تابعین میں عبداللہ بن مبارکؒ، یحیٰی بن معینؒ، سفیان بن عیینہؒ، امام محمدؒ، حماد بن زیدؒ، لیث بن سعدؒ، علی بن المدینیؒ وغیرہ دینی علوم کے امام تھے، جن کے سامنے بڑے بڑے ہاشمی ومطلبی زانوئے تلمذتہ کرتے تھے۔

یہ چند نام مثالاً لکھ دیے گئے، ورنہ حکومت وکشور کشائی کے ایوان سے لے کر علم وفن اور تعلیم وتدریس کی مسند اور ارشاد وہدایت کے زاویوں تک کوئی میدان ایسا نہیں ہے، جس میں غلاموں نے نام نہ پیدا کیا ہو، اسلام کی تاریخ غلاموں کے کمالات اور کارناموں سے معمور ہے۔

☆☆☆

---

(۱) یہ سب واقعات مسند احمد بن حنبل ج ۳ مسند انس بن مالکؓ سے ماخوذ ہیں۔

نواں باب
پڑوسیوں اور مہمانوں کے حقوق

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے متعلق ذمہ داریاں: اسلام نے درجہ بدرجہ ہر قسم کے تعلق رکھنے والوں پر ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں اور ان سے متعلق ذمہ داریاں عائد کی ہیں، اعزہ واقربا کے بعد سب سے زیادہ سابقہ پڑوسیوں سے رہتا ہے، وہی شادی وغمی اور رنج وراحت میں شریک ہوتے ہیں، اس لیے اسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور لطف ومدارات کی بڑی تاکید ہے، قرآن مجید نے پڑوسیوں میں ہمسایوں کے علاوہ ہر قسم کے رفقائے کار کو شامل کیا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء-٦)

اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آؤ۔

اس آیت میں پڑوسی میں تین قسم کے آدمیوں کو شامل کیا ہے، ایک جو عزیز بھی ہو اور پڑوسی بھی، دوسرے جو صرف پڑوسی ہو، تیسرے پاس بیٹھنے والے، اس میں ہر قسم کے ساتھی اور رفقائے کار آ گئے، اسلام میں ان سب پڑوسیوں کے اتنے حقوق ہیں کہ

عن عائشة عن النبی ﷺ قال مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت أنه سیورثه (۱)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ پڑوسیوں کے بارہ میں اتنی مسلسل وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ ان کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔

پڑوسی کا سب سے مقدم حق یہ ہے کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے، ابوشریح روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خاص انداز میں فرمایا: خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، کسی نے پوچھا کون یا رسول اللہؐ! فرمایا: جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص خدا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (۳)

جو شخص پڑوسی کو ستاتا ہے اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت رات بھر نمازیں پڑھتی اور دن کو ہمیشہ روزے رکھتی ہے اور صدقہ بھی کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہونچاتی ہے، فرمایا: وہ دوزخی ہے پھر کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت صرف نمازیں پڑھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے، کچھ کپڑے بھی خیرات کر دیتی ہے لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، فرمایا: وہ جنتی ہے۔ (۴)

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب الوصایا بالجار (۲) ایضاً باب اثم من لایامن جارہ بوائقہ (۳) ایضاً باب من کان یومن باللہ ویوم الآخرۃ فلا یوذ جارہ (۴) ادب المفرد باب لایوذی جارہ

مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی یا پڑوسی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔(۲)

سب سے بہتر وہ انسان ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔(۳)

کسی عمل کی اچھائی اور برائی کا معیار یہ ہے کہ پڑوسی اس کو اچھا یا برا کہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! یہ مجھ کو کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کام کیا یا برا کام کیا، فرمایا: جب تم اپنے پڑوسیوں سے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو سمجھو کہ اچھا ہے اور جب پڑوسیوں سے سنو کہ برا کام کیا تو سمجھو کہ برا کیا۔(۴)

ہر پڑوسی اپنے پڑوسی کے مال و متاع اور عزت و ناموس کا امین اور محافظ ہوتا ہے، اس لیے اگر ان میں اس نے خیانت کی تو اس کا گناہ دوسروں کے ساتھ جرم کرنے سے دس گناہ بڑھ جاتا ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کے مال اور اس کی عزت کے بارہ میں دوسرے پڑوسی کی ذمہ داری کی اہمیت ان الفاظ میں واضح فرمائی، آپ نے حاضرین

---

(۱) مسلم باب الایمان باب الحث علیٰ اکرام الجار (۲) ایضاً باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (۳) ادب المفرد باب خیر الجیران (۴) ابن ماجہ

سے زنا کے بارہ میں پوچھا انھوں نے عرض کیا: وہ حرام ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے، فرمایا لیکن اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے زیادہ سنگین ہے، پھر چوری کے بارہ میں سوال کیا، صحابہؓ نے عرض کیا حرام ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے، فرمایا: پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔(۱)

یہ سنگینی اس لیے ہے کہ پڑوسی کے ساتھ اس قسم کے واقعات کا زیادہ امکان رہتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کا محافظ اور امین بنایا ہے، وہی خائن اور بددیانت بن جاتا ہے، اس لیے اس کی برائی اور بڑھ جاتی ہے، پڑوسی کی امداد و اعانت کی اہمیت ان الفاظ میں ظاہر فرمائی کہ قیامت میں بہت سے ایسے پڑوسی ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کا دامن تھامے ہوئے کہیں گے کہ یارب اس نے اپنا دروازہ مجھ پر بند کر رکھا تھا اور روزمرہ کی معمولی چیزوں سے روکتا تھا(۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مومن نہیں ہے جو خود تو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔(۳)

جو بھی میسر آئے اس میں پڑوسی کا بھی حصہ رکھنا چاہیے، حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوذر! جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دیا کرو تاکہ پڑوسیوں کو بھی دے سکو۔(۴)

اس قسم کی چیزیں بھیجنے کا تعلق زیادہ تر عورتوں سے ہوتا ہے، جو معمولی چیزوں کو حقیر سمجھتی ہیں، اس لیے ان کو خاص طور سے ہدایت فرمائی کہ مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت دوسری عورت کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو(۵) یعنی نہ معمولی ہدیہ کو حقیر سمجھے اور نہ بھیجنے والی اور لینے والی کو۔

---

(۱) ادب المفرد باب حق الجار (۲) ایضاً باب من اغلق الباب علی الجار (۳) ایضاً باب لایشبع دون جارہ (۴) ادب المفرد باب یکثر ماء المرق فیقسم فی الجیران (۵) بخاری کتاب الادب باب لاتحقرن جارۃ بجارتہا

سب سے زیادہ وہ پڑوسی حقدار ہے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ پوچھا یا رسول اللہؐ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجا کروں، فرمایا: جس کا دروازہ تمھارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔(۱)

پڑوسیوں میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں، ان حقوق میں سب برابر ہیں، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کرائی اور اپنے غلام کو ہدایت کی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی کو گوشت پہنچادے، ایک شخص نے کہا وہ تو یہودی ہے، آپ نے فرمایا: یہودی ہے تو کیا ہوا، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جبریلؑ پڑوسی کے بارہ میں مجھ سے اتنی مسلسل وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا تھا کہ وہ ان کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے(۲) اس سے ظاہر ہوا کہ پڑوسیوں کے حقوق میں مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہیں۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اس کی عزت کرے، اس کی مشکلات میں کام آئے، ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے، اس کے مال ومتاع اور عزت وناموس کا محافظ وامین رہے۔

مہمان اور میزبان کے حقوق وفرائض: ہر انسان کبھی نہ کبھی دوسرے کا مہمان ہوتا ہے، اس لیے میزبانی اور مہمانوں کی خاطر ومدارات ہر قوم کے اخلاق وتہذیب میں داخل ہے، مشرقی قوموں میں خاص طور سے اس کی بڑی اہمیت ہے، یورپ میں بھی جہاں ہوٹلوں نے مہمانی اور میزبانی کا قصہ بڑی حد تک ختم کر دیا ہے، میزبانی کی رسم قایم ہے اور عربوں کے تو خمیر میں میزبانی داخل تھی، ان کی میزبانی ساری دنیا میں مشہور ہے، اسلام نے اس کو اور زیادہ موکد کر دیا اور مہمانی ومیزبانی کے حدود مقرر کر دیئے، کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے۔

هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا	کیا تم کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو

(۱) ایضاً باب حق الجوار فی ضرب الابواب (۲) ادب المفرد باب جار الیہودی

سَلَاماً قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُوْنَ فَرَاغَ اِلٰی اَھْلِہٖ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ فَقَرَّبَہٗ اِلَیْھِمْ قَالَ اَلَا تَاْکُلُوْنَ فَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْہُ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ (ذاریات)

سلام کیا، انھوں نے اس کا جواب دیا (اور دل میں خیال کیا) کہ یہ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں، پھر جلدی سے اپنے گھر جاکر ایک فربہ بکرا (بھون کر) لائے اور ان کے سامنے پیش کیا (ان لوگوں نے کھانے میں تامل کیا) تو ابراہیم نے ان سے کہا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں اور ان سے جی ہی جی میں ڈرے، ان لوگوں نے کہا آپ کسی قسم کا اندیشہ نہ کیجیے اور ان کو ایک ہوشیار فرزند (کے تولد) کی خوشخبری دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مہمان آئے تو سلام کے بعد خواہ وہ اجنبی کیوں نہ ہو اس کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کرنا چاہیے، حضرت ابراہیمؑ کے لیے ان کے مہمان اجنبی تھے مگر انھوں نے ان کے لیے فربہ بکرا بھنوایا۔

حدیثوں میں ان حقوق و فرائض کی زیادہ تفصیل ہے، آنحضرت ﷺ نے مہمان کے اعزاز و اکرام کو ایمان کا جز قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۔(۱)

ان حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن رات خاطر مدارات اور پر تکلف کھانا، تین

(۱) مسلم کتاب الادب باب الحث علی اکرام الجار والضیف

دن عام کھانا اس کے بعد میزبان جو کچھ کھلائے گا وہ صدقہ ہوگا مہمانی کا حق نہ ہوگا۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ کرے، لوگوں نے پوچھا جائزہ کیا ہے؟ فرمایا: ایک دن رات، تین دن ضیافت، اس کے بعد میزبان جو کھلائے گا وہ صدقہ ہوگا۔(۱)

امام بخاری نے ایک طویل واقعہ 'باب صنع الطعام والتکلف للضیف' میں نقل کیا ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو درداء انصاریؓ کے مہمان ہوئے تو ابو درداءؓ نے ان کے لیے کھانے کا اہتمام کیا، جب کھانے کا وقت آیا تو ابو درداءؓ نے معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں، حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، اس لیے حضرت ابو درداءؓ کو ساتھ کھانا پڑا۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خاص مہمانوں کے لیے کچھ نہ کچھ تکلف کرنا چاہیے اور مہمان کو میزبان کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے، اس کے لیے نفل روزہ تک توڑا جا سکتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ بال بچوں پر مہمان کو ترجیح دیتے تھے، حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے یہاں ایک مہمان شب باش ہوا، انصاری کے پاس صرف اس کے اور اس کے بال بچوں کے بھر کھانا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو، چراغ گل کردو اور جو کھانا ہے وہ مہمان کے سامنے رکھ دو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی)

مہمان جب رخصت ہونے لگے تو گھر کے دروازے تک اس کو رخصت کرنا سنت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنت میں یہ بھی ہے کہ جب مہمان جانے لگے تو میزبان دروازہ تک اس کو رخصت کرنے کے لیے

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ (۲) بخاری کتاب الادب باب صنع الطعام والتکلف للضیف

جائے۔(۱)

یہ تو میزبانی کے فرائض ہوئے، مہمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان پر بار ہو جائے۔(۲)

ولایحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ (۳)

مہمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اتنا ٹھہرے کہ میزبان پر بار ہو جائے۔

مہمانی اور میزبانی میں عام دعوت بھی شامل ہے، اسلام نے اس کے آداب بھی مقرر کیے ہیں، وہی آداب سب مہمان کے لیے ہیں، جب کوئی شخص کسی کے یہاں دعوت میں جائے تو اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے اور کھانے سے فراغت کے بعد اتنا نہ ٹھہرنا چاہیے کہ داعی پر گراں گذرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (احزاب-۷)

اے مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں بے بلائے مت جاؤ الا یہ کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے (یعنی کھانے کے لیے بلایا جائے) تو ایسے وقت جاؤ کہ کھانے کی تیاری کا انتظار نہ کرنا پڑے اور جب تم کو (کھانے کے لیے) بلایا جائے (تو جب کھا چکو) تو واپس چلے جایا کرو، باتوں میں جی لگا کر بیٹھے نہ رہا کرو، اس سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، وہ تمھارا لحاظ کر کے کچھ نہیں کہتے، لیکن اللہ صاف بات کہنے میں نہیں شرماتا۔

یہ حکم اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے بارے میں ہے، لیکن یہ آداب ہر شخص

---

(۱) ابن ماجہ (۲) ادب المفرد باب جائزۃ الضیف (۳) باب لا یقیم عندہ حتی یحرجہ

کے لیے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا پہلے جانا چاہیے کہ گھنٹوں کھانے کا انتظار کرنا پڑے اور نہ کھانے کے بعد اتنا بیٹھنا چاہیے کہ صاحبِ خانہ پریشان ہو جائے۔

داعی کی اجازت کے بغیر کسی غیر مدعو شخص کو مدعو کے ساتھ نہ جانا چاہیے، ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری ابوشعیب کا ایک غلام قصائی کا پیشہ کرتا تھا، ایک دن انھوں نے اس سے کہا کہ میرے لیے تھوڑا سا کھانا تیار کرو، میں رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر بلاؤں گا، ان کے ساتھ چار آدمی اور ہوں گے، چنانچہ آپؐ چار آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے، راستہ میں ایک اور شخص آپؐ کے ساتھ ہو گیا، آپؐ نے انصاری سے فرمایا تم نے ہم پانچ آدمیوں کو بلایا تھا، ایک شخص اور ہمارے ساتھ ہو گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو کھانے میں شریک ہونے کی اجازت دے دو اور چاہو تو نہ دو، انھوں نے اجازت دے دی۔ (بخاری)

جب تک دسترخوان نہ اٹھ جائے، اس وقت تک کسی کھانے والے کو نہ اٹھنا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دسترخوان لگ جائے تو اس وقت تک کوئی شخص نہ اٹھے جب تک دسترخوان بڑھا نہ دیا جائے اور نہ کوئی شخص خواہ وہ کھا چکا ہو اس وقت تک کھانے سے ہاتھ روکے جب تک سب لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور اگر اٹھنا ہی چاہے تو اس کی معذرت کر لے، عذر کے بغیر دسترخوان سے اٹھ جانے سے اس کے پاس بیٹھا ہوا شخص بھی شرم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے، جو ابھی شکم سیر نہیں ہوا ہے۔ (ابن ماجہ)

☆☆☆

دسواں باب
مسلمانوں کے باہمی حقوق

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کی خانہ جنگی مشہور تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر میان سے تلواریں نکل آتی تھیں اور جنگ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، جب تک ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے پورا انتقام نہ لیتا تھا اس کی پیاس نہ بجھتی تھی اور انتقام در انتقام کا یہ سلسلہ پشتہا پشت تک چلتا رہتا تھا، جس نے عربوں کی قوت بالکل پارہ پارہ کر دی تھی، یہ لڑائیاں 'ایام عرب' کے نام سے موسوم ہیں اور عرب جاہلی کی تاریخ کا نہایت اہم باب ہیں۔

اسلامی وحدت و اخوت: عربوں پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کو دینی اخوت کے رشتہ میں منسلک کر کے ایسا متحد کر دیا کہ وہ پرانی عداوتوں کو بھلا کر ایک دوسرے کے بھائی اور ایک جسم کے اعضا بن گئے اور ان کی اخوت ایک زمانہ تک ساری دنیا میں ضرب المثل رہی، قرآن مجید نے ان الفاظ میں اس احسان کا ذکر کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ	اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَاتفرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَاناً (آل عمران-۱۱)	مسلمان رہتے ہوئے اور سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْاَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال-۸)	اور خدا نے مسلمانوں کے دلوں کو ملا دیا اگر تم روئے زمین کی ساری چیزوں کو بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ ملا سکتے، لیکن خدا نے ان کو ملا دیا، بیشک وہ غالب آنے والا ہے، حکمت والا ہے۔

مسلمانوں کی وحدت کا مسئلہ اسلام کی نگاہ میں اتنا مہتم بالشان ہے کہ اس نے اس کے ہر رخنہ کے دور کرنے کی کوشش کی، مسلمانوں کو پھوٹ کے انجام سے ڈرا کر اختلاف سے روکا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (انفال-٦)	اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، اس سے ہمت ہار جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

جب مسلمانوں میں کوئی جھگڑا یا کوئی اختلافی معاملہ پیش آئے تو اس کو دور کرنے کے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ	پس اگر تم میں کسی بات میں اختلاف

وَالرَّسُوْلِ (نساء-۸) ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

اگر جھگڑا بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کرے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کریں پھر جو فریق زیادتی سے کام لے تو مسلمان قوت کے ذریعہ اس کو صلح پر مجبور کریں، لیکن عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (حجرات-۱)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرلے اور جب وہ رجوع کرلے تو دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل سے کام لو اور اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لیے دونوں بھائیوں میں صلح کرادو۔

اس نے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخوت کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ جنگ سے نہیں ٹوٹتا، اس کے بعد بھی مسلمان بھائی بھائی رہتے ہیں، ان آیات کی اس حدیث سے مزید وضاحت ہوتی ہے 'انصر اخاك ظالما كان أو مظلوما' اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کی جاسکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے؟ فرمایا: اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو۔

دو مسلمانوں میں صلح کرانا عبادت سے بھی زیادہ افضل ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی زیادہ

افضل ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! فرمایا: دو آدمیوں میں صلح کرادو(۱) اس کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی بھی اجازت ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں میں مصالحت کرانے کے لیے جھوٹ بول دے جس سے اس کا مقصد صلح کرانے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے۔(۲)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو وحدت واخوت اور ایک دوسرے کی محبت اور غم گساری کی مختلف عنوانوں اور مختلف تمثیلات سے تلقین فرمائی ہے، سارے مسلمان ایک جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ مثل المومن فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد ان اشتکیٰ منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر و الحمی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارے اعضا بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

قال رسول الله ﷺ المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله وان اشتکی راسه اشتکی کله

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سارے مسلمان مل کر ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر دکھتا ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔

مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمارت کے مختلف حصوں کی طرح ہیں جن سے مل کر پوری عمارت مستحکم ہوتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی اصلاح ذات البین (۲) ایضاً

قال رسول اللہ ﷺ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضھم بعضا(۱)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

یعنی جس طرح ایک اینٹ دوسری اینٹ سے جڑ کر یا عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے مل کر پوری عمارت کو مضبوط کرتا ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کی عمارت مسلمانوں کے اتحاد سے قایم اور مستحکم ہوتی ہے، اگر ان میں کوئی اینٹ اپنی جگہ سے کھسک جائے تو پوری عمارت کو نقصان پہونچے گا۔

مسلمانوں کی صفت یہ ہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح-۴)

وہ آپس میں رحم وشفقت رکھتے ہیں۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (مائدہ-۸)

مسلمانوں سے جھک کر ملتے ہیں۔

ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (حشر-۱۱)

اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے، مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے، اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحمت والا ہے۔

مسلمانوں کے جان کی حرمت: اس لیے جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو عمداً قتل کرتا ہے وہ خدا کے غضب اور اس کی لعنت کا مستحق ہے اور اس کی سزا دائمی عذاب جہنم ہے جو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَاءُهٗ

اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا

(۱) یہ تینوں روایتیں مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب تراحم المومنین میں ہیں۔

جَھَنَّمَ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَاباً اَلِیْماً (نساء-۱۴)

تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس نے اس کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حدیث میں ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو گالی دینا گناہ کا کام اور ان سے جنگ کرنا کفر ہے۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے (۲) مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہونچے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! سب سے اچھا اسلام کیا ہے یعنی سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا: جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (۳)

مسلمانوں کی وحدت کا مسئلہ آپؐ کی نگاہ میں اتنا اہم تھا کہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے مسلمانوں کو جن باتوں کی وصیت فرمائی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔

لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب

میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک

(۱) مسلم کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر (۲) ایضاً باب من حمل السلاح علینا فلیس منا (۳) یہ دونوں روایتیں بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ میں ہیں۔

بعضکم رقاب بعض (۱)　　　دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

اس میں اتنی احتیاط برتی کہ اگر کافر دشمن بھی صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لے تو کسی مسلمان کو اس سے انکار کرنے اور اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (نساء-۱۳)	اور جو شخص (اظہار اسلام کے لیے) تم سے سلامتی کا کلمہ کہے، اس سے تم یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

یہ آیت اس واقعہ سے متعلق ہے کہ ایک صحابی نے ایک لڑائی میں ایک کافر کو زد میں پا کر اس پر حملہ کر دیا، اس نے کلمہ پڑھ دیا، صحابی نے یہ سمجھ کر کہ اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے اس کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ان صحابی کو بلا کر پوچھا، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا: ھلا شققت قلبه کیا تمؓ نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ (۲)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو بغیر معقول وجہ کے کافر نہ کہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو کفران دونوں میں سے کسی ایک پر عائد ہو جاتا ہے (۳) یعنی اگر اس مسلمان نے حقیقۃً کفر کا کوئی عمل کیا ہے تو کہنے والے نے صحیح کہا اور اگر ایسا نہیں ہے تو مسلمان کو کافر کہنا خود ایک قسم کا کفر ہے، اس لیے جو لوگ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں، ان کو اس حدیث سے سبق لینا چاہیے۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے والے ہر رخنہ کو بند کرنے کی کوشش کی ہے اور ان میں باہم مودت واخوت اور الفت ومحبت کا رشتہ استوار کرنے کے لیے ایک دوسرے پر اتنے حقوق وفرائض اور اتنی ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں کہ

---

(۱) ایضاً باب لاترجعوا بعدی کفارا الخ　(۲) بخاری کتاب المغازی　(۳) بخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ

اگر ان سے عہدہ برآ ہوا جائے تو مسلمان حقیقۃً جسم واحد بن جائیں اور امت مسلمہ کا قلعہ ناقابل تسخیر ہو جائے، ان حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ ایک باب میں ان کا احاطہ دشوار ہے، اس لیے مثال کے طور پر ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق و فرائض: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی جان و مال اور آبرو کا محافظ اور امین ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، اس کی آبرو اور اس کا خون حرام ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ سب سے بڑا اسود مسلمان کی آبرو پر دست درازی ہے۔(۱)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کی کسی منافق کے مقابلہ میں حمایت کی اور اس کو بچایا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو قیامت میں اس کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی بے آبروئی کے ارادہ سے اس پر کوئی تہمت لگائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر روک لے گا، یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت لے۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو ایسے موقع پر بے یارومددگار چھوڑے گا، جس میں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو تو خدا اس کو بھی ایسے موقع پر چھوڑ دے گا، جہاں اس کو اس کی مدد کی ضرورت ہوگی اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا، جہاں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو تو اس کی بھی امداد کے موقع پر مدد کرے گا۔(۳)

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے مال پر ناجائز تصرف کرنا حرام ہے، مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق

---

(۱) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی الغیبۃ (۲) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی الغیبۃ

(۳) ایضاً باب الرجل یذب عن عرض اخیہ

مارے گا تو خدا اس کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام کردے گا، ایک شخص نے پوچھا: اگر کوئی معمولی چیز ہو؟ فرمایا: اراک کی شاخ ہی کیوں نہ ہو(۱) ایک مسلمان کے مال کی حفاظت دوسرے مسلمان کا فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، جو اس کی چیزوں کو بربادی سے بچاتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔(۲)

مشکلات ومصائب کے وقت ایک دوسرے کی اعانت ودستگیری: حضرت سالمؓ سے روایت ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو دشمن کے حوالہ کرے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، خدا اس کی مدد کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی مشکل کو آسان اور اس کی مصیبت کو دور کرے گا تو خدا اس کی مشکل آسان کرے گا۔(۳)

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو خدا قیامت میں اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا، جو کسی تنگ دست مسلمان کے لیے آسانی پیدا کردے گا تو خدا دنیا و آخرت دونوں میں اس کے لیے آسانی پیدا کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا خدا دنیا و آخرت دونوں میں اس کی عیب پوشی کرے گا، جب تک کوئی بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے خدا اس کی مدد میں رہتا ہے۔(۴)

اختلاف اور پھوٹ کے اسباب سے بچنے کی تاکید: مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں حسد اور ایک دوسرے کو خوفزدہ نہ کرو، کینہ نہ رکھو، پیٹھ پیچھے برا نہ

---

(۱) مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجر بالنار (۲) ادب المفرد باب المسلم مرآۃ اخیہ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب المواخاۃ (۴) ایضاً جلد ۲ کتاب الادب باب فی معونۃ المسلم

کہو، ایک دوسرے کے مقابلہ میں دام نہ چڑھاؤ، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے، پھر سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔ (۱)

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برا نہ کہو، خدا کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، ایک مسلمان کے لیے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق جائز نہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے چھوٹی بات ہے، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، پیٹھ پیچھے برا نہ کہو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (۲)

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے عیوب کا تجسس نہ کرو، جو شخص ان کے عیوب کی ٹوہ میں رہے گا تو خدا اس کے عیوب کا تجسس کرے گا اور جس کے عیوب کا خدا تجسس کرے گا اسکو اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔ (۳)

وہ مسلمان مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔ (۴)

جو مسلمان ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے، وہ جنت کے مستحق نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک مومن نہ ہو اور ایک دوسرے سے محبت نہ کرو

---

(۱) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب تحریم ظلم المسلم (۲) یہ دونوں روایتیں بخاری کتاب الادب باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ (۴) بخاری کتاب الایمان باب من الایمان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر اس پر عمل کروگے تو آپس میں محبت بڑھے گی، ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ (۱)

مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور ان کی ہوا خواہی ہر مسلمان کا فریضہ ہے، رسول اللہ ﷺ دوسرے فرائض کے ساتھ اس کے لیے بھی بیعت لیتے تھے، جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر تین چیزوں کے لیے بیعت کی، نماز، زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ اخلاص و محبت و ہوا خواہی۔ (۲)

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک سلام و کلام جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق حرام ہے، تین دن کے بعد جب دونوں کا آمنا سامنا ہو تو ان میں سے ایک کو سلام میں پیش قدمی کرنی چاہیے، اگر دوسرے نے سلام کا جواب دیا تو دونوں کو ثواب ملے گا، ورنہ جو جواب نہ دے گا وہ گنہگار ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ایک مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق رکھا اس نے گویا اس کا خون کیا۔ (۳)

سلام سے محبت بڑھتی ہے اور مصافحہ سے مغفرت ہوتی ہے، اس لیے جب دو مسلمانوں میں ملاقات ہو تو آپس میں سلام و مصافحہ کرنا چاہیے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں خدا ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (۴)

ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، جب وہ چھینکے تو یرحمکم اللہ کہنا، دعوت قبول کرنا اور اس کی عیادت کرنا، اس کے جنازہ

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب افشاء السلام (۲) بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی ھجرۃ الرجل اخاہ (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب فی المصافحۃ

میں شرکت کرنا۔

بعض روایات میں چھ حق بیان کیے گئے ہیں چھٹا حق یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان مشورہ چاہے تو نیک مشورہ دینا۔(۱)

مسلم میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو جب تک واپس نہ آجائے، جنت کی روش پر رہتا ہے۔(۲)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر آخری حق اور اس کی آخری خدمت یہ ہے کہ اس کے جنازہ میں شرکت کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایمان واخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ میں شرکت کی اور نماز و دفن تک برابر ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔

ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جس نے صرف نماز جنازہ میں شرکت کی اور دفن سے پہلے لوٹ آیا تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا(۳) اس تمثیل کا مقصد اجر و ثواب کی کثرت ہے۔

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جنازہ میں شرکت کی اور تین مرتبہ جنازہ کو کندھا دیا تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔(۴)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حقوق و فرائض ہیں، اس باب میں ان سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، جو حدیثیں اوپر نقل کی گئی ہے، اگر ان کے ایک حصہ پر بھی عمل کیا جائے تو مسلمانوں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے اور وہ حقیقۃً بھائی بھائی اور ایک جسم کے مختلف اعضاء بن جائیں۔

☆☆☆

(۱) ایضاً کتاب البر والصلۃ والآداب (۲) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب اتباع الجنائز
(۳) ترمذی

گیارہواں باب

عام انسانوں کے حقوق

عام انسانی برادری کا حق: اسلام کی رحمت وشفقت کا دائرہ کسی خاص طبقہ اور کسی خاص قوم وملت تک کے لیے محدود نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت تک وسیع ہے، اس نے ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ مانا ہے اور تمام مخلوق کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے۔

الخلق كلهم عيال الله فأحب الخلق عند الله من أحسن الى عياله (۱)	ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔

تمام انسانوں کو انسانیت کے رشتہ سے بھائی مانا ہے اور ان کو بھائی کی طرح اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے۔

لاتقاطعوا ولاتدابروا ولاتباغضوا ولاتحاسدوا وكونوا عباد الله اخوانا (۲)	ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منھ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور خدا کے بندے بھائی

(۱) طبرانی وبیہقی (۲) ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الحسد

بھائی بن جاؤ۔

ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ رحم و کرم کی تعلیم دی ہے جو انسان دوسرے انسان پر رحم نہیں کرتا وہ رحمتِ خداوندی کا مستحق نہیں ہے۔

اِرحمُوا مَنُ فِی الأَرضِ یَرحَمُکُمُ مَنُ فِی السَّماءِ	تم لوگ زمین کے رہنے والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔(۱)

مَن لَمُ یَرحِمِ الناس لم یرحمه الله	جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرتا۔

کوئی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک سب کی بھلائی نہ چاہے۔(۲)

لایؤمن أحدکم حتی یحب للناس مایحب لنفسه وحتی یحب المرء ولایحبه الا الله	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو خدا کے لیے دوست رکھے۔

ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے، جس میں مسلمان ہونے کے لیے کئی شرطیں بتائی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔(۳)

وأحب للناس ما تحب لنفسك تکن مسلما	تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، تب مسلمان ہوگے۔

کلام مجید میں عدل و انصاف اور احسان و سلوک کا عام حکم ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

---

(۱) ایضاً باب ماجاء فی رحمۃ الناس (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۷۲ (۳) ترمذی ابواب الزہد

اِنَّ اللّٰـهَ یَـأْمُرُ بِـالْعَدْلِ وَالْاِحْسَـانِ (نحل-۱۳)	بیشک اللہ (سب کے ساتھ) عدل اور احسان وسلوک کا حکم دیتا ہے۔
اَحْسِـنْ کَـمَـا اَحْسَـنَ اللّٰـهُ اِلَیْكَ (قصص-۸)	تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو، جیسا کہ خدا تمھارے ساتھ بھلائی کرتا ہے

اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جہاں بھی جاؤ خدا سے ڈرتے رہو، کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کوئی ایسا نیک کام کرو جو اس کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔(۱)

اسلام میں اس قسم کے جتنے اخلاقی احکام ہیں وہ مذہب وملت کی تخصیص کے بغیر سارے انسانوں کے لیے عام ہیں اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں مثلاً غریبوں کی دستگیری، مظلوموں کی امداد اور اس قبیل کے دوسرے نیک کام کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، یہ اور بات ہے کہ اولیت اور ترجیح اپنے اہل مذہب کے غربا اور ناداروں کو حاصل ہوگی کہ چراغ پہلے گھر سے جلتا ہے۔

اس بارہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کا اندازہ اس حدیث قدسی سے ہوگا جو اس سے پہلے بھی کسی باب میں گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل قیامت میں فرمائے گا اے ابنِ آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کس طرح کرتا تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے، خدا فرمائے گا کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس موجود پاتا، اے ابنِ آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تو تو خود رب العالمین ہے، میں تجھ کو کس طرح کھلاتا، خدا فرمائے گا: میرے فلاح بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس موجود پاتا، اے ابنِ آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے نہیں پلایا، بندہ

(۱) ایضاً باب ماجاء فی حسن الخلق

عرض کرے گا پروردگار میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا، تو خود رب العالمین ہے، خدا فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا تو اگر پلاتا تو میرے پاس موجود پاتا۔(۱)

یہ حدیث تمثیلی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر حاجت مند کی امداد و دستگیری ایک مسلمان کا اخلاقی فرض ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر: اس سلسلہ میں اسلام نے ایک بڑی اور بنیادی اصلاح یہ کی کہ دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے متعلق مسلمانوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کی، جس سے خود بخود ان میں غیر مسلموں کے ساتھ وسعتِ نظر، کشادہ دلی اور رواداری پیدا ہوگئی، اسلام سے پہلے کے تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کو باطل اور ان کے پیغمبروں کو کاذب سمجھتے تھے حتی کہ یہودی اور عیسائی جن کے مذہب ایک ہی درخت یعنی دینِ ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں، ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ (بقرہ-۱۴)	اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں اور نصاری کہتے ہیں یہود کا مذہب کچھ نہیں، حالانکہ دونوں کتاب الٰہی کے پڑھنے والے ہیں۔

یہود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کذاب و مفتری سمجھتے تھے اور ان کو اپنے گمان میں سولی دلوائی تھی، یہی حال عیسائیوں کی یہود دشمنی کا بھی تھا جہاں تک ان کا بس چلا یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، جب تک یورپ میں مذہب کا اثر باقی رہا بلکہ اس کے بعد بھی ایک مدت تک یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ رہا اور وہاں یہودی مجموعۂ ذمائم سمجھا جاتا تھا، ہندو اپنے مذہب کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب کو

(۱) مسلم کتاب البر والصلة والآداب فضل عیادة المریض

مذہب ہی نہیں سمجھتے تھے اور ساری دنیا کو ملچھ اور چنڈال کا لقب دے رکھا تھا، یہاں تک کہ اپنے اوپر کسی غیر مذہب والے کا سایہ بھی نہ پڑنے دیتے تھے، اس کی پوری تفصیل بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے، یہی حال ایرانیوں کے احساس برتری کا تھا، سب سے پہلے اسلام نے یہ نفرت دور کی، اس نے بتایا کہ دنیا کی کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہیں، اس نے ہرقوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبر مبعوث فرمائے، کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً اِلَى قَوْمِهِمْ (روم-۵)	اور ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبران کی اپنی قوم کی رہنمائی کے لیے بھیجے۔
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَسُوْلٌ (یونس-۵)	اور ہم نے ہرقوم کے لیے ایک رسول بھیجا
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ هَادٍ (رعد-۱)	اور ہم نے ہرقوم کے لیے رہنما بھیجا۔

اور مسلمانوں کے لیے ان تمام انبیاء ورسل اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُلِهِ (بقرہ-۴۰)	اور ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

ان سے انکار کفر وضلالت ہے۔

وَمَن يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً بَعِيْداً (نساء-۲۰)	اور جو شخص خدا کا، اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتا ہے وہ سخت گمراہی میں ہے۔

اس لیے اسلام سے پہلے تمام انبیاء و رسل پر مسلمانوں کے لیے ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں ہو سکتے، لیکن ان کی تعداد اتنی ہے کہ قرآن مجید میں

ان سب کا ذکر نہیں ہوسکتا تھا، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ فَمِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن-۸)

اور ہم نے یقیناً بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ کا حال تم سے بیان کیا اور کچھ کا نہیں بیان کیا۔

جن پیغمبروں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے ان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ توحید کی تعلیم دیتے ہیں، کیوں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اولین مقصد توحید اور خداشناسی کی تعلیم ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل-۵)

اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء-۲)

اور ہم نے تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کی میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے مجھی کو پوجو۔

یہ آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی عقیدہ کی رو سے دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کی ہدایت ورہنمائی کے لیے پیغمبر نہ آئے ہوں لیکن آج جس قدر قدیم مذاہب ہیں ان کے پیغمبروں کے حالات افسانوں میں اس قدر گم ہیں اور ان کی تعلیمات میں اتنی تحریف ہوگئی ہے کہ ان کی اصل حقیقت کا پتہ چلانا مشکل ہے، اس لیے کلام مجید میں جن پیغمبروں کا ذکر ہے ان پر تو ہر مسلمان کے لیے ایمان لانا ضروری ہے لیکن جن کا ذکر نہیں ہے ان کو پورے اذعان ویقین کے ساتھ پیغمبر تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ پیغمبر مان لینے کے بعد ان پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے اور اسلام نے ان ہی چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جو تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں آئی ہیں، اس لیے جو قومیں جن برگزیدہ شخصیتوں کو اپنا

پیغمبر مانتی ہیں اور ان کی تعلیم میں توحید ہے اور وہ پیغمبرانہ اوصاف سے متصف ہیں ان کو یقینی طور پر پیغمبر تو نہیں مانا جاسکتا لیکن ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ بہر حال ماننا اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔

دین میں جبر نہیں: اس نقطۂ نظر کی بنا پر اسلام میں دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ رواداری ہے، عیسائیت جس کے پیروؤں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ بدنام کیا ہے، اس کی تاریخ کے صفحات خون سے رنگین ہیں، انھوں نے ادنیٰ ادنیٰ مذہبی اختلافات پر اپنے ہم مذہبوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں اسکی تفصیل آج بھی یورپ کے ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے، لیکن اسلام نے پہلے دن اعلان کردیا کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (بقرہ-۳۴)	دین میں زبردستی نہیں، راہ راست گمراہی سے علانیہ ممتاز ہو چکی ہے۔

اسلام کا قبول کرنا نہ کرنا ہر شخص کی مرضی پر موقوف ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ (کہف-۴)	اور کہہ دو حق (اسلام) تمھارے رب کی طرف سے آچکا، بس جو چاہے قبول کرے جو چاہے نہ قبول کرے۔

تبلیغ حکمت و دانائی اور پند و موعظت کے ذریعہ کرنی چاہیے، اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو اس کو بھی خوبصورتی سے کرنا چاہیے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (نحل-۱۶)	اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعہ بلاؤ اور بہت پسندیدہ طریقہ سے بحث کرو۔

یہ تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے اور یہی تبلیغ کا صحیح طریقہ ہے، اس لیے کہ اسلام نام ہے اسلام پر دل سے یقین اور زبان سے اقرار کا، جبر و قوت سے زبان سے تو

اقرار کیا جاسکتا ہے، لیکن دل میں یقین نہیں پیدا کیا جاسکتا، اس لیے وہ اسلام معتبر ہی نہیں ہے جس کو جبر و قوت سے منوایا جائے، اسلام کی رواداری کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے دوسرے مذاہب کے باطل معبودوں کو بھی برا کہنے کی ممانعت کی ہے۔

لَاتَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام-۱۲۸)	مسلمانو! جولوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو، یہ لوگ بھی نادانی سے خدا کو برا کہنے لگیں گے۔

اہل کتاب کے ساتھ رواداری: ابتدا میں اسلام اور مسلمانوں کا سابقہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ رہا اور یہ تینوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، انھوں نے ان کو مٹانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود اسلام نے ان کو انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا اور ان کی مخالفت اور دشمنی کے حدود مقرر کر دیے، یہودیوں میں زیادہ شقاوت و سنگ دلی تھی اس اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی بھی شدید تھی، ان کے مقابلہ میں عیسائی دیندار تھے، ان میں رقت قلب، اثر پذیری اور قبولِ حق کی زیادہ صلاحیت تھی، اس لیے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی بھی کم تھی، کلام مجید نے ان کی تعریف کی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصَارىٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَاناً وَّاَنَّهُمْ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرىٰ اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ	اے پیغمبر مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں یہود اور مشرکین کو زیادہ سخت پاؤ گے اور مسلمانوں کے ساتھ دوستی میں سب لوگوں میں ان کو زیادہ قریب پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں علما و مشائخ ہیں یہ لوگ تکبر نہیں کرتے اور جب قرآن سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو

رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَا لَنَا لَانُوْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَ نَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِيْنَ (مائدہ-۱۱)

دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے اور یہ لوگ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، اس لیے تو ہم کو (دین حق) کی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے اور ہم کو کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق بات ہمارے پاس آتی ہے، اس پر ایمان نہ لائیں اور توقع رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک بندوں کے ساتھ داخل کرے گا۔

یہودیوں کے ساتھ بھی جو سب سے بڑے دشمن تھے، عدل وانصاف کرنے کا حکم ہے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ. فَاِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَّاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (مائدہ-۷)

یہودی جھوٹی باتوں کی ٹوہ لیتے پھرتے ہیں اور حرام مال کھاتے چلے جاتے ہیں (تو جب وہ لوگ آپ کے پاس اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے آئیں) تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ فیصلہ کیجیے یا ان سے کنارہ کش رہیے (اگر ان کے درمیان میں پڑنے سے) کنارہ کش رہیے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن اگر فیصلہ کیجیے تو انصاف کے ساتھ کیجیے کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ میں جھگڑا نہ کرنا چاہیے، بلکہ خوبصورتی کے ساتھ سمجھانا چاہیے۔

وَلَاتُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (عنکبوت-۵)

اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر شایستہ طریقہ پر، البتہ جو لوگ زیادتی کریں (ان کا جواب دیا جا سکتا ہے) ان لوگوں سے کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف اتری (یعنی قرآن) اور جو تمھاری طرف (توراۃ و انجیل) اتری اور ہمارا تمھارا خدا ایک ہے، اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

دو مختلف اہل مذاہب کے درمیان تعلق کا ایک بڑا ذریعہ ساتھ کھانا پینا اور شادی بیاہ ہے، اسلام میں اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال اور ان کی عورتوں سے شادی کرنا جائز قرار دیا۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا آتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ وَمَنْ یَكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَ هُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ

مسلمانو! آج تمام پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مسلمان بیاہتا بیاں اور جن جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی بھی بیاہتا عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ ان کا مہر ادا کر دو اور تمھارا ارادہ ان کو نکاح میں لانے کا ہو نہ کھلم کھلا

(مائدہ-۱) بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنائی
کرنے کا اور جو ایمان کی باتوں کو نہ مانے
ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت
میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

لیکن اس سے مراد وہی اہل کتاب ہیں جو اپنے مذہب پر قایم اور اس کے حلال و حرام کے پابند ہیں۔

عیسائی رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ خود ان کی خدمت انجام دیتے تھے، ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے یہاں سے ایک سفارت آئی، آپ نے اس کو اپنا مہمان بنایا اور بہ نفس نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام دینا چاہے تو صحابہؓ نے عرض کیا: ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے، اس لیے میں خود ان کی خدمت کروں گا۔ (۱)

ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے تک کی اجازت دے دیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا تو عیسائیوں کی نماز کا وقت آ گیا، انھوں نے مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھنی شروع کر دی، مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو منع کیا اور فرمایا: نماز پڑھنے دو، چنانچہ انھوں نے مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی۔ (۲)

اسلام کے دشمن مشرکین عرب کے ساتھ عدل و رواداری: اسلام اور مسلمانوں کے اصلی دشمن مشرکین عرب تھے، جنھوں نے ان کے مقابلہ کے لیے عرب قبائل کا متحدہ محاذ قایم کر لیا تھا، اور برسوں ان سے جنگ کرتے رہے، ان کے استیصال کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان سے مقابلہ کے بغیر مسلمانوں کا وجود قایم نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے اسلام نے ان کو

---

(۱) شرح شفا خفاجی جلد ۲ ص ۱۰۰ (۲) زاد المعاد ج ۱ ص ۳۵

ان کے مقابلہ کا تو حکم دیا لیکن جنگ کی حالت میں بھی ظلم وزیادتی کرنے کی ممانعت کردی۔

وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَاتَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (بقرہ-۲۲)

جو لوگ تم سے لڑیں اللہ کی راہ میں ان سے لڑو لیکن کسی قسم کی زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جن لوگوں نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ میں مسجد حرام کی زیارت سے زبردستی روک دیا تھا، ان کے ساتھ بھی زیادتی کرنے سے روکا۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (مائدہ-۲)

جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا ان کی عداوت تم کو ان کے ساتھ زیادتی کرنے کا سبب نہ بنے، نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ ایک دوسرے کے مددگار رہا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنا کرو۔

دشمنی کی بنا پر کسی کے ساتھ بے انصافی نہ کرنا چاہیے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ-۱)

اے ایمان والو! انصاف کی گواہی دینے کے لیے اللہ کے واسطے تیار ہو جایا کرو، کسی قوم کی دشمنی کی بنا پر انصاف کو نہ چھوڑو بلکہ انصاف سے (ہر حال میں) کام لو، یہ بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ جانتا ہے جو کام تم کرتے ہو۔

برسر جنگ مشرکین کے ساتھ مصالحت کا حکم: برسر جنگ کفار و مشرکین سے مقابلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے مگر جب وہ صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو صلح کر لینا چاہیے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (انفال-۸)

اوراگرکافر صلح کے لیے جھکیں تو تم بھی صلح کے لیے جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اگر ان کا ارادہ دھوکا دینے کا ہو تو اللہ تمھارے لیے کافی ہے۔

مشرکین میں سے جو پناہ چاہے اس کو پناہ دے کر اس کے ٹھکانے پر پہنچا دینا چاہیے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (توبہ-۱)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے، پھر اس کو اس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ اس لیے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) ناواقف ہیں۔

جنگی دشمنوں سے بھی بدعہدی نہ کرنا چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ-۱)

مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کیا پھر انھوں نے عہد کی پابندی میں کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ عہد و پیمان کی جو مدت مقرر ہے اس کو پورا کرو جو لوگ (بدعہدی سے) بچتے ہیں اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے

اللّٰہِ وَعِنْدَ رَسُوْلِہٖ اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (توبہ-۲)

نزدیک مشرکین کا عہد کیوں کر معتبر ہو (جب کہ انھوں نے عہد شکنی کر کے اپنا اعتبار کھودیا ہے) مگر جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا تھا (یعنی صلح حدیبیہ میں) تو جب تک وہ لوگ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا تو جنت کی بو تک سونگھنے نہ پائے گا، حالاں کہ اس کی مہک چالیس سال تک کی مسافت تک پھیلی ہوگی۔(۱)

اس لیے مسلمان حالت جنگ میں بھی معاہدہ کی پابندی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے حضرت عمرؓ خاص طور سے افسرانِ فوج کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے، جنگ قادسیہ کے زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خاص فرمان لکھ کر بھیجا جس میں منجملہ اور ہدایتوں کے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ

وعدہ کی پابندی ضروری ہے، دوسرے کی بدعہدی کے موقع پر عہد کی پابندی مفید اثر پیدا کرتی ہے اور غلطی سے بھی بدعہدی کرنا ہلاکت ہے، اس سے تمھاری قوت کمزور پڑے گی اور دشمن کی طاقت بڑھے گی، تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کی ہوا بندھ جائے گی، اس لیے میں تم کو ان باتوں سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں، جو مسلمانوں کے لیے باعث عار ہوں اور اس سے ان کی قوت کمزور پڑتی ہو۔(۲)

حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ بعض فوجی دشمنوں کو امان کے بہانہ سے بلا کر قتل کر دیتے ہیں اس لیے آپ نے کوفہ کے افسر فوج کو سخت خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عجمی ذمیوں کو جو بھاگ کر پہاڑ پر پناہ لیتے ہیں 'مترس' (یعنی ڈرومت چلے آؤ) کہہ کر اپنے

(۱) بخاری (۲) طبری ج۴ ص۲۲۳۱

پاس بلا لیتے ہیں اور جب وہ آجاتے ہیں تو ان کو قتل کر دیتے ہیں، خدا کی قسم اگر آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ میرے علم میں آیا تو قتل کرنے والے کی گردن اڑا دوں گا۔ (۱)

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھ بھیجا کہ اگر کوئی مسلمان ہنسی مذاق میں بھی کسی عجمی کو امان دیدے یا اس کا اشارہ کر دے یا ایسی زبان میں کوئی لفظ کہے جس کو عجمی نہ سمجھتا ہو لیکن اس کے یہاں امان کے ہم معنی ہو تو اس کو امان دے دینا چاہیے۔ (۲)

حضرت عمرؓ کو ذمیوں کے ساتھ معاہدہ کی پابندی میں جو اہتمام تھا اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

حضرت امیر معاویہؓ اور ذمیوں کے درمیان ایک معین مدت تک کے لیے معاہدہ تھا جب معاہدہ کی میعاد ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت امیر معاویہؓ نے آہستہ آہستہ رومیوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت ختم ہو فوراً حملہ کر دیں اتنے میں ایک شخص گھوڑے یا خچر پر دوڑتا ہوا آیا، جو کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کرو، بدعہدی نہ کرو، دیکھا تو حضرت عمرو بن عنبسہ صحابی تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کیا واقعہ ہے؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور کسی جماعت میں معاہدہ ہو تو اس میں کوئی تغیر نہ کرے، جب تک مدت نہ پوری ہو جائے، یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ لوٹ گئے۔ (۳)

حالت جنگ کے احکام: تہذیب جدید کے اس دور میں جب کہ انسان دوستی کا بڑا دعویٰ ہے، مہذب سے مہذب قومیں اپنے دشمنوں پر ایسے وحشیانہ مظالم کرتی ہیں جو وحشی انسانوں کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے، جنگ میں انسانی آبادیوں کو تاخت وتاراج کر ڈالتی ہیں ان پر بے دریغ بم برساتی ہیں جس سے عورتیں بچے سب ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اسلام نے ان وحشیانہ حرکتوں سے بالکل روک دیا اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی قطعی ممانعت کر دی۔

---

(۱) موطا امام مالک باب الوفاء بالامان (۲) طبری ج ۵ ص ۲۴۳۱ (۳) ترمذی وابوداؤد

لَاتَقْتُلُوا شَیْخاً فَانِیاً وَلَاطِفْلاً وَلَاصَغِیْراً وَّلَا اِمْرَاَۃً (۱)	بوڑھوں، بچوں، کم عمروں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

ایک مرتبہ ایک مقتول عورت کی لاش پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپؐ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی۔

دشمن کے گھروں اور ان کے فوجی ٹھکانوں کو لوٹنے سے منع کر دیا، انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کچھ لوگوں نے دشمن کے گھروں پر جا کر ان کو تنگ کیا اور لوٹ مار کی، آپ کو معلوم ہوا تو ایک آدمی بھیج کر منادی کرادی کہ جو شخص دوسروں کے گھروں پر جا کر ان کو تنگ اور لوٹ مار کرے گا اس کا جہاد مقبول نہیں۔(۲)

ایک مرتبہ ایک غزوہ میں مسلمانوں کو کھانے پینے کی چیزوں کی سخت دشواری پیش آئی، ایک جگہ بکریوں کا گلہ ان کو نظر آیا تو اس کو لوٹ لیا اور ان کو ذبح کر کے گوشت پکانے کے لیے ہانڈیاں چڑھائیں، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے سب ہانڈیاں الٹ دیں اور ان کا گوشت مٹی میں ملا کر فرمایا: لوٹ کا مال مردار کے برابر ہے۔(۳)

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ر، کا خیال رکھا کہ نہ صرف غیر مصافی اور پر امن آبادی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے بلکہ جانوروں اور کھیت باڑی وغیرہ کو بھی کوئی نقصان نہ پہونچنے پائے، چنانچہ جب شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو فوجوں کو رخصت کرتے وقت سپہ سالار فوج کو ہدایت فرمائی۔(۴)

انك تجد قوماً زعموا انهم حبس أنفسهم الله فذرهم وانی موصیك	تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین (۲) ایضاً باب ما یومر من الضمام العسکر
(۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النھب (۴) تاریخ الخلفا سیوطی ص ۹۶

بعشر خلال لاتقتلوا امرأة و لاصبياً ولا كبيراً هرماً ولا تقطع شجرا مثمراً و لا تخربن عامراً و لاتعقرن شاة و لابعيرا الا لمأكلة و لا تفرقن نخلاً و لاتحرقنه و لا تغلل و لاتجبن	کر دیا ہے ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں : کسی عورت بچے، اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، آبادیوں کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان کو نہ جلانا ، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور نامردی نہ دکھانا۔

آج اس مہذب دور میں فوج کے لیے اس سے زیادہ اخلاقی درس اور کیا ہوسکتا ہے، قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم خود قرآن مجید میں ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَاَسِيراً (دہر-۱)	یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

قیدیوں کو کھانا کھلانے کی کئی آیات اوپر گذر چکی ہیں، اس لیے مسلمان قیدیوں کو آرام سے رکھتے تھے، جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے حوالہ کر دیا تھا اور تاکید فرمادی تھی کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ خود بھوکے رہتے تھے مگر ان کو کھلا دیتے تھے۔

جنگ حنینؓ میں چھ ہزار آدمی قید ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو چھوڑ دیا اور پہننے کے لیے چھ ہزار کپڑے ان کو مرحمت فرمائے۔(۱)

دشمنانِ اسلام کے ساتھ رسول اللہ کا سلوک: اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن عرب کے مشرکین خصوصاً قریش تھے، انھوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، یہاں تک کہ ان کو ترک وطن پر مجبور کر دیا اور وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، مگر کفار و مشرکین نے ان کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دا اور

(۱) یہ دونوں واقعے ابن سعد میں ہیں۔

مسلسل آٹھ سال تک ان سے لڑتے رہے لیکن آخر میں حق کو فتح ہوئی اور ۸ھ میں مشرکین کا مرکز مکہ فتح ہوگیا اور ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی، اگر رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی دنیاوی فاتح ہوتا تو کوئی قریشی اور مشرک زندہ نہ بچنے پاتا مگر آپ کو دنیا کے سامنے عفوو کرم کا نمونہ پیش کرنا تھا اس لیے آپؐ نے معافی کا عام اعلان کر دیا، چند مشرکین کے سوا جنھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا، عام آبادی کے خون کا ایک قطرہ نہ گرنے پایا، فتح مکہ کے واقعات بہت طویل ں اس لیے ان سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، صرف چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں، جن سے جانی دشمنوں کے مقابلہ میں اسلام کے عفوو کرم کا اندازہ ہوسکے۔

مکہ میں داخلہ کے وقت قدرتاً مسلمانوں میں بڑا جوش تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نہایت سختی سے ممانعت فرمادی تھی۔

كان رسول الله ﷺ أمر امراه أن لايقتلوا الا من قاتلهم (۱)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے فوجی سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے علاوہ جو خود جنگ کی ابتدا کریں کسی سے جنگ نہ کریں۔

مگر اس احتیاط کے باوجود چند مشرکین جنھوں نے خود حملہ کر دیا تھا مارے گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے باز پرس کی، انھوں نے جواب دیا کہ انھوں نے خود حملہ کر دیا تھا، میں نے جہاں تک ممکن تھا بچانے کی کوشش کی تھی، یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا: خدا کا فیصلہ بہتر ہے، اس واقعہ کے سوا اور کوئی شخص نہیں مارا گیا۔(۲)

مکہ فتح ہوجانے کے بعد مشرکین میں قدرتاً اپنے انجام کے خیال سے خوف وہراس پھیل گیا، ان کے سرخیل ابوسفیان جو مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے تھے، بہت گھبرائے ان میں اور حضرت عباسؓ میں پرانے تعلقات تھے، اس لیے وہ ان کو کسی طرح

(۱) فتح الباری ج۸ ص۹ (۲) ایضاً ص۹

لوگوں کی نظر بچا کر عفو تقصیر کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آپ نے نہ صرف اس سب سے بڑے دشمن اسلام کو معاف کر دیا بلکہ اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے یا اپنے گھر کے دروازے بند کر لے یا مسجد حرام میں چلا جائے وہ مامون ہے۔(۱)

فتح مکہ اور حرم کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک موثر خطبہ دیا جو خطبۂ فتح کے نام سے موسوم ہے، ہم اس کو علامہ شبلیؒ کے قلم سے نقل کرتے ہیں۔

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کے تیغ وسنان نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا: ''تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں''، یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے پکار اٹھے۔

أخ كريم ابن أخ كريم — تو شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہے

ارشاد ہوا۔

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء — تم پر آج کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو(۲)

---

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۱۱ وزادالمعاد ج ۲ ص ۴۲۳ (۲) سیرۃ النبیؐ ج ا طبع چہارم ص ۲۰-۵۱۹

کیا چشمِ عالم نے جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ عفوودرگذر اور رحم وکرم کا یہ پراثر منظر کبھی دیکھا ہے، مکہ کے کفار ومشرکین کے ساتھ آپ کے عفووکرم اور مروت واخلاق کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کو نقل کرنا دشوار ہے، آپ نے کبھی کفار ومشرکین کو برا بھلا نہیں کہا، ہمیشہ ان کی ہدایت کی دعا کرتے رہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ (حق وباطل کو) نہیں پہچان سکتے۔

ایک مرتبہ مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے ان کے لیے بددعا کی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّاناً وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (مشکوٰۃ باب فی اَخلاقہ وشمائلہ) میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس لیے غیر مسلموں کو برا نہ کہنا چاہیے بلکہ ان کے لیے ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔

حدیث وسیرت کی کتابوں میں کفار ومشرکین ومنافقین اور اسلام ومسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے عفووکرم کے بکثرت واقعات ہیں ان میں کچھ مثال کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

روسائے قریش میں صفوان بن امیہ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے، جنگِ بدر میں ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس لیے انھوں نے ایک دوسرے دشمن اسلام عمیر بن وہب کو انعام اوران کے اہل وعیال کی خبر گیری کا لالچ دے کر آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کیا اور وہ آپ کے قتل کے لیے مدینہ پہونچے لیکن راز فاش ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگئے۔(۱)

لیکن صفوان اپنی دشمنی پر برابر قایم رہے اور فتح مکہ کے بعد اپنے انجام کے خوف

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ عمیر بن وہب

سے جدہ بھاگ گئے، عمیرؓ سے ان کے تعلقات اب تک قایم تھے، اس لیے عمیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ صفوان مارے ڈر کے جدہ بھاگ گئے ہیں آپ نے فرمایا: ان کو امان ہے، عمیرؓ نے کہا اس کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیں جس کو دیکھ کر صفوان کو یقین آسکے، آپؐ نے ردائے مبارک مرحمت فرمائی، عمیرؓ اس کو لے کر صفوان کے پاس گئے اوران کو دکھا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس لائے، صفوان نے عرض کیا کہ عمیرؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے مجھ کو امان دی ہے، آپؐ نے فرمایا: انھوں نے سچ کہا، صفوان نے عرض کیا کہ پھر مجھے دو مہینہ کی مہلت مرحمت ہو، فرمایا: تم کو چار مہینے کی مہلت ہے(۱) اس کے بعد بھی صفوانؓ اپنے مذہب پر قایم رہے اور غزوۂ طائف کے چند دنوں کے بعد مسلمان ہوگئے۔ (۲)

ایک شخص ہبار بن الاسود بھی دشمنانِ اسلام میں تھا، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ جب ہجرت کر رہی تھیں تو کفار نے راستہ میں مزاحمت کی اور ہبار بن الاسود نے آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرادیا جس سے ان کا حمل ساقط ہوگیا اوراس کے صدمہ سے کچھ دنوں علیل رہ کر حضرت زینبؓ کا انتقال ہوگیا، اس اعتبار سے وہ ان کا قاتل اور اشتہاری مجرم تھا، اس نے فتح مکہ کے بعد ایران بھاگ جانے کا قصد کیا پھر آنحضرت ﷺ کے عفو وکرم پر بھروسہ کرکے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور عرض کیا کہ میں ایران بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھ کو آپؐ کے احسانات اور عفو وکرم یاد آئے، اس لیے نہیں گیا مجھ کو اپنی جہالت اور اپنے قصوروں کا اعتراف ہے، اب اسلام کے آستانہ پر سر جھکانے آیا ہوں، یہ سن کر آپؐ نے اس کو معاف کردیا۔ (۳)

مسیلمہ کذاب کا قبیلہ بنی حنیفہ آخر آخر تک اسلام کا باغی رہا، ثمامہ بن آثال اس کے روسا میں تھا، یہ اتفاق سے مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا، اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۷۴ و موطا امام مالک ص ۱۱۷ (۲) استیعاب ص ۳۵۲

(۳) اصابہ تذکرہ ہبار بن الاسود

پاس لے آئے، آپؐ نے اس کو مسجد نبویؐ میں باندھنے کا حکم دیا، جب آپؐ مسجد تشریف لائے تو ثمامہ سے پوچھا، اب کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: محمدؐ اگر تم مجھ کو قتل کردو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا اور اگر فدیہ چاہتے ہو تو جو مانگو گے دوں گا، آنحضرت ﷺ سن کر خاموش ہو گئے، دوسرے دن پھر یہی سوال و جواب ہوا، تیسرے دن بھی جب ثمامہ نے آنحضرت ﷺ کے سوال کا یہی جواب دیا تو آپؐ نے ان کو ستون سے کھلوا کر آزاد کر دیا، اس عفو و درگذر کا ثمامہ پر یہ اثر ہوا کہ انھوں نے قریب ہی میں جا کر غسل کیا اور واپس آکر مسلمان ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! پہلے میری نظر میں آپؐ سے زیادہ مبغوض کوئی شخص نہیں تھا اور اب دنیا میں آپؐ سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں، آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں کوئی برا مذہب نہ تھا اب وہی سب سے زیادہ محبوب ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا اب وہی سب سے زیادہ پسند ہے۔

قبول اسلام کے بعد ثمامہ عمرہ کے لیے مکہ چلے گئے، یہاں لوگوں نے ان کے قبول اسلام پر طنز کیا، ان کو بہت ناگوار ہوا، انھوں نے کہا: یاد رکھو رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی اب یمامہ سے نہیں آسکتا (۱) (مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا) اور عمرہ پورا کرنے کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکوا دیا، مکہ والوں کا دار و مدار یمامہ کے غلہ پر تھا اس لیے وہاں قحط پڑ گیا، اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے فریاد کی۔

یہ وہی اہل مکہ تھے جنھوں نے اسلام کے جرم میں پورے خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں قید کر دیا تھا اور باہر سے غلہ کا ایک دانہ اندر نہ پہونچنے پاتا تھا، جب بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے تھے تو یہ سنگ دل ہنستے تھے مگر رحمت عالمؐ نے ایسے سنگ دلوں سے بھی بدلہ نہیں لیا اور ثمامہ کے پاس کہلا کر غلہ کی بندش سے منع کر دیا اور وہ بدستور آنے لگا۔ (۲)

---

(۱) بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ بن آثال (۲) سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۲۰

مسلمانوں کے لیے سب سے بڑے مارآستیں منافق تھے جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، لیکن اندر اندر ان کے خلاف ہمیشہ تدبیریں کرتے رہتے تھے اور ان کی مخالفت کا کوئی موقع جانے نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے انصار کی دہائی دی، مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے دونوں کو روکا، اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو مہاجرین کے خلاف انصار کو بھڑکانے کا موقع مل گیا، اس نے کہا مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا اس کے ساتھیوں نے رائے دی کہ سب سے آسان صورت یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو، وہ خود تباہ ہو جائیں گے، کلام مجید کی آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (منافقین-۱)

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (اَيضاً)

کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز لوگ (انصار) ذلیل لوگوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔

آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے، اس نے صاف انکار کر دیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے: یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا: جانے دو، لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔(۱)

☆☆☆

---

(۱) بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورہ منافقون

بارہواں باب

غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے حقوق

غیر مسلموں کے حقوق کے سلسلہ میں ایک اہم بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اور ان کو کہاں تک اس نے ادا کیا، درحقیقت یہی بحث اس مسئلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اسلام ذمیوں کے لیے سراسر رحمت ہے، اس نے ان کو جس قدر حقوق دیئے ہیں وہ ان کو خود اپنی قومی اور ہم مذہب حکومت میں بھی حاصل نہ تھے، اسلام سے پہلے دنیا میں جتنی حکومتیں تھیں ان میں ان کی ہم قوم محکوموں کے حقوق بھی نہ تھے، ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی ان کا کام اپنا خون پسینہ بہا کر حاکموں اور جاگیرداروں کے لیے سامان عیش فراہم کرنا تھا، ان کو ادنیٰ ادنیٰ قصور پر نہایت وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں، اس کی تفصیل تاریخوں میں دیکھی جاسکتی ہے، ہندوستان میں اچھوتوں کا طبقہ اب تک اس کی یادگار باقی ہے، یہی حال ایران وروم کی مہذب دنیا کا تھا۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پہلی دستاویز: لیکن اسلام سارے طبقات انسانی کے لیے رحمت بن کر آیا تھا، اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور ان کو اتنے حقوق دیئے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قریب قریب پورا

جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپ نے جو حقوق دیئے وہ اب تک تاریخوں میں محفوظ ہیں، جن کو ہم بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

ولنجران و حاشيتها جوار الله وذمة محمد رسول الله على أنفسهم وملتهم وأرضهم وأموالهم وغائبهم وشاهدهم وغيرهم وبعثهم وأمثلتهم لايغير ما كانوا عليه ولايغير حق من حقوقهم وأمثلتهم ولايفتن أسقف من أسقفته ولاراهب من رهبانيته ولا راقه من رقاهيته على ما تحت أيديهم من قليل او كثير وليس عليهم رهق ولا دم جاهلية ولايحشرون ولا يعشرون ولا يطاء أرضهم جيش من سأل منهم حقاً فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين بنجران ومن أكل منهم ربا من ذى قبل فذمتى منه بريئة ولايوخذ منهم رجل بظلم آخر ولهم على ما فى هذه الصحيفة جوار الله وذمة محمد النبى أبداً حتى ياتى امر الله

نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اسی طرح رہے گا، ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی، ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے

ما نصحوا واصطحوا فيما عليهم غير مكلفين شيئاً بظلمٍ (۱)	گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا، ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے، اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارہ میں اللہ کی امان اور محمد النبیؐ کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اس بارہ میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو، جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیرخواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط کیے گئے ہیں ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

اس معاہدہ سے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں۔

۱-ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۲-ان کی زمین، جائداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گا۔

۳-ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی، مذہبی عہدیدار اپنے اپنے عہدہ پر برقرار رہیں گے۔

۴-صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

۵-ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔

۶-ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔

۷-اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

---

(۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۷۲ مطبوعہ مصر و کتاب الخراج امام ابو یوسف

۸-ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

۹-ان کے معاملات و مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

۱۰-ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔

۱۱-سود خواری کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲-کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلہ میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۳-اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

اس زمانہ کی مہذب حکومتیں اس سے زیادہ حقوق اور کیا دیتی ہیں، ان میں وہ ساری چیزیں آگئی ہیں جو ایک محکوم کے حقوق کے تحفظ اور اس کی باعزت زندگی کے لیے ضروری ہیں، اس سے زیادہ حقوق خود اپنی حکومت بھی نہیں دے سکتی، اس نام نہاد جمہوریت اور آزادی و مساوات کے دور میں غیر مذہب اور غیر قوم کے محکوموں کو جو حقوق حاصل ہیں ان پر یورپ کی محکوم قوموں کی تاریخ خود شاہد ہے۔

اسلام نے جزیرۃ العرب کے باہر عہد صدیقی میں قدم نکالا مگر سب سے زیادہ فتوحات عہد فاروقی میں ہوئی، بہت سی قومیں اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوئیں، اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کا پورا نظام قائم ہوا، اس لیے ذمیوں کے ساتھ طرز عمل کے جانچ کا اصلی معیار انہی کا زمانہ ہے، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے اور محکوم قوموں سے جو معاہدے کیے وہ اب تک تاریخوں میں محفوظ ہیں، ان سب کا نقل کرنا دشوار ہے، اس لیے صرف چند معاہدے نمونہ کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں جن سے مفتوح اور محکوم قوموں کے حقوق کا اندازہ ہوگا۔

بیت المقدس کا معاہدہ: عہد فاروقی کی فتوحات میں سب سے اہم فتح بیت المقدس کی ہے، کیوں کہ وہ انبیاء و رسل کا مدفن اور یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ اور مسلمانوں کا قبلۂ اول اور ان کے عقیدے میں بھی محترم ہے، عیسائی مسلمانوں کے حریف تھے، ان حریفوں کو حضرت عمرؓ نے جو حقوق دیئے وہ یہ ہیں۔

هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير
المومنين أهد ايليا من الأمان
أعطاهم أمانا لأنفسهم و أموالهم
ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها
وبرئيها وسائر ملتها انه لاتسكن
كنائسهم ولاتهدم ولا ينتقض منها
ولا من حيزها ولامن صليبهم ولا
من شيء من أموالهم ولايكرهون
على دينهم ولا يضار أحد منهم
ولايسكن بايليا معهم من اليهود
وعلى أهل ايليا ان يعطوا الجزية
كما يعطى أهل المدائن وعليهم ان
يخرجوا منها الروم واللصوت فمن
خرج منهم فانه آمن على نفسه
وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن أقام
منهم فهو آمن وعليه مثل ما على
أهل ايليا من الجزية ومن أحب من
أهل ايليا أن يسير بنفسه وماله مع
الروم ويخلي بيعهم وصلبهم فانهم
آمنون على أنفسهم وعلى بيعهم
وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم، وعلى
ما في هذا الكتاب عهد الله و

یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر
المومنین حضرت عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو
دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا،
صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام
اہل مذہب کے لیے ہے، ان کے گرجوں
میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ
گرائے جائیں گے اور نہ ان کو اور ان
کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، ان
کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کچھ
کمی نہ کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملہ
میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے
کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں
ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا،
ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے
شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں
کو اپنے یہاں سے نکال دیں، یونانیوں
میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و
مال محفوظ رہے گی، جب تک وہ اپنی
جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی
میں رہنا چاہے اس کو بھی امن ہے، اس کو
جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو
شخص اپنی جان مال لے کر یونانیوں کے

ذمة رسولـه وذمة الخلفاء وذمة المومنين اذا اعطوا الذی عليهم من الجزية (۱)	ساتھ جانا چاہے تو وہ ان کے گرجے اور صلیب بھی مامون ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا، اس کے رسول، خلفا اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں

محکوم قوموں کے حقوق آج بھی جان، مال اور مذہب کے تحفظ سے متعلق ہیں، مذکورۂ بالا معاہدہ میں ان سب کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے، صرف یہودیوں کو اس بنا پر رہنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے دشمن تھے، جہاں رہتے تھے ان کے خلاف سازش کرتے رہتے تھے، اس کے علاوہ عیسائیوں کے عقیدے میں انہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوائی تھی، اس لیے وہ یہودیوں سے سخت نفرت کرتے اور ایک جگہ ان دونوں کا اجتماع دشوار تھا، یونانی مسلمانوں کے اصل جنگی حریف تھے، ان ہی سے ان کا مقابلہ تھا اس لیے بیت المقدس میں ان کا قیام بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، تاہم ان میں سے جو رہنا چاہے اس کی جان و مال کو بھی امان دی گئی۔

بیت المقدس کے علاوہ جو جو قومیں اور ملک مفتوح ہوئے، ان سب کو جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی پوری ضمانت دی گئی، جن معاہدوں کا ذکر تاریخوں میں ہے، ان میں ان کے تحفظ کی پوری ضمانت موجود ہے، جرجان کے معاہدہ میں ہے۔

لهم الأمان على أنفسهم وأموالهم ومللهم وشرائعهم لايغير من شيء فی ذلك (۲)	ان کی جان، مال اور مذہب وشریعت کے لیے امان ہے، ان میں سے کسی چیز میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

(۱) یہ پورا معاہدہ طبری ج۵ ص۲۴۰۵ اور ۲۴۰۶ میں مذکور ہے، اس کے مختلف ٹکڑے کتاب الخراج میں بھی ملتے ہیں۔ (۲) طبری ج۵ ص۲۶۸۵

آذربیجان کے معاہدہ کے بھی قریب قریب یہی الفاظ ہیں۔

الأمان على أنفسهم وملّلهم وشرائعهم (۱)	ان کی جان، ان کے مال، ان کے مذہب وشریعت کے لیے امان ہے۔

ماہِ دینار کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

لا يغيرون عن ملة ولا يحال بينهم وبين شرائعهم (۲)	ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور نہ ان کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت کی جائے گی۔

قومس کے معاہدہ میں ہے۔

الأمان على أنفسهم وملّلهم وأموالهم (۳)	ان کی جان، ان کے مذہب اور ان کے مال کے لیے امان ہے۔

یہ چند معاہدے مثال کے طور پر لکھ دیے گئے ہیں، تقریباً تمام مفتوحہ قوموں کے معاہدوں میں جان و مال اور مذہب کے تحفظ کی پوری تصریح ہے۔

معاہدوں کی پابندی کے تاکیدی احکام: حضرت عمرؓ کو ان معاہدوں کی پابندی اور ذمیوں کے حقوق کے تحفظ میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً فوجی افسروں اور صوبوں کے گورنروں کو اس کے بارے میں تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ فاتح شام کو لکھا۔

وامنع المسلمين من ظلمهم والاضرار بهم وأكل أموالهم الا بحلها ووف لهم بشرطهم الذى شرطت لهم فى جميع ما أعطيتهم (۴)	مسلمانوں کو روکو کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو کوئی نقصان پہونچائیں، نہ ناجائز طور پر ان کا مال کھائیں، ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں اور ان سے جو وعدے کیے گئے ہیں ان کو پورا کیا جائے۔

---

(۱) طبری جلد ۵ ص ۲۶۶۲ (۲) ایضاً ص ۲۶۳۳ (۳) ایضاً ص ۲۶۵۷

(۴) کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۸۲ مطبوعہ مصر

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ اہواز کے ذمی اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں تو آپ نے اس کی تحقیقات کے لیے بصرہ سے دس سچے اور نیک سیرت مسلمانوں کو طلب کیا، ان میں سے ایک احنف بن قیس بھی تھے، ان سے پوچھا کہ ذمی مسلمانوں کے ظلم کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں یا اور کسی سبب سے، انھوں نے کہا کہ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا، وہ خود بلا کسی سبب کے بھاگ رہے ہیں، ان کے ساتھ آپ کی مرضی کے مطابق سلوک ہوتا ہے۔

مگر اس بیان سے آپ کی تشفی نہیں ہوئی تو عتبہ بن غزوان والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ لوگوں کو ذمیوں کے ساتھ ظلم وزیادتی سے روکو اور اس سے ڈرو اور محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ تمھاری بدعہدی یا ظلم کی وجہ سے حکومت تم سے چھین لی جائے، خدا نے تم کو (عدل وسچائی) کے وعدہ پر حکومت عطا کی ہے، اس لیے اس عہد کو پورا کرو اور اس کے حکم اور مرضی پر عمل کرو، اس وقت خدا تمھاری مدد کرے گا۔ (۱)

ذمیوں کی جان کی حفاظت: اسلام نے ذمیوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر قرار دی، اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا یا اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جاتے تو قصاص لینے کے بجائے ان کو خونبہا دے دیا جاتا تھا، یہی دستور ذمیوں کے معاملہ میں عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں رہا، چنانچہ قصاص وخونبہا دونوں کے واقعات ملتے ہیں، بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کرا دیا (۲) اسی کے ساتھ بعض روایتیں خونبہا کی بھی ہیں۔

عہد فاروقی میں ایک مرتبہ شام میں ایک ذمی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا، اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ شام ہی میں تھے، آپ کو معلوم ہوا تو بڑی برہمی ظاہر کی اور فرمایا: تم لوگ ذمی کی جان لیتے ہو، میں قاتل کو مقتول کے قصاص میں ضرور قتل کروں گا لیکن پھر

(۱) طبری ج ۴ ص ۲۵۴۴ (۲) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۰ و ۳۱

حضرت ابوعبیدہؓ کی سفارش پر مقتول کے ورثہ کو ایک ہزار دینار سرخ معاوضہ دلوایا اور قاتل کو سخت تنبیہ کی۔(۱)

قبیلہ بکر میں وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے ورثہ کے حوالے کر دیا جائے، اگر وہ چاہیں تو معاف کر دیں چاہیں قتل کر دیں، چنانچہ قاتل ورثہ کے حوالہ کر دیا گیا انھوں نے قتل کر دیا۔(۲)

اسی طریقہ سے شام کے ایک ذمی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا، آپ نے حکم دیا کہ اگر قاتل عادی مجرم ہے تو اس کو قتل کر دو اور اگر جوشِ غضب میں قتل کر دیا ہے تو مقتول کے ورثہ کو چار ہزار دیت دلا دو۔(۳)

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان ابن شاس نے شام کے ایک قبطی کو قتل کر دیا، حضرت عثمانؓ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن پھر حضرت زبیرؓ بن عوام اور بعض دوسرے صحابہؓ کی سفارش پر قصاص معاف کر دیا اور مقتول کے ورثہ کو مسلمان کی دیت کے برابر ایک ہزار دینار دیت دلوائی۔(۴)

خلفائے راشدین بلکہ صحابہ کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ قانونِ اسلامی کے ماہر اور صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، آپ کو زبان نبوت سے ''اَقضاھم علیٌ'' کی سند ملی تھی، اس بارہ میں آپ کا فیصلہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک ذمی کے قتل کا جس کو یک مسلمان نے قتل کر دیا تھا مقدمہ پیش ہوا، شہادت سے جرم ثابت ہوگیا آپ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، اس فیصلہ کے بعد مقتول کے بھائی نے آکر آپ سے کہا کہ میں نے قاتل کو معاف کر دیا، آپ نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے تم کو لوگوں نے ڈرایا دھمکایا ہے، اس نے کہا نہیں، قاتل کو قتل کر دینے سے میرا بھائی تو مجھ کو واپس ملے گا نہیں، ان لوگوں نے معاوضہ دے کر مجھ کو راضی کر لیا ہے، آپ نے فرمایا۔

---

(۱) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۷

أنت أعلم من كان له ذمتنا فدمه كدمنا و ديته كديتنا (۱)	تم جانو تمھارا کام جانے، جس (یعنی ذمی) کی ذمہ داری ہم پر ہے اس کا خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی دیت ہماری دیت کے برابر ہے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، آپ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آپ نے مسلمان کو ذمی کے ورثہ کے حوالہ کرادیا کہ وہ چاہیں معاف کر دیں، چاہیں قصاص میں قتل کرادیں، انھوں نے قتل کر دیا۔(۲)

یہ روایات اس کا ثبوت ہیں کہ اسلامی قانون میں ذمی کے قتل کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا کم سے کم مقتول کے ورثہ کو مسلمان کے خوںبہا کے برابر خوںبہا دلایا جائے گا، دارقطنی میں تصریح ہے کہ

ان أبابكر و عمر كانا يجعلان دية اليهودي والنصراني اذا كانا معاهدين دية الحر المسلم (۳)	حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ ذمی، یہودی اور عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔

مال کی حفاظت: ذمیوں کے مال و متاع اور املاک کی حفاظت میں بھی یہی عدل واہتمام تھا، اس میں کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا، حضرت عمرؓ صوبوں کے عمال اور افسرانِ فوج کو برابر اس کی تاکید کرتے رہتے تھے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، عہد فاروقی میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب زراعتی تھے، وہ زمانہ ہی زراعت کا تھا، اس لیے مفتوحہ قوموں کی سب سے بڑی املاک جس پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا آراضی تھیں، اس زمانہ میں زمین حکومت اور جاگیرداروں کی ملک ہوتی تھی، کاشتکاروں کو صرف زراعت کا حق تھا، جس کی پیداوار کا بڑا حصہ حکومت اور جاگیردار لے لیتے تھے، کاشتکاروں کو برائے نام ملتا تھا، ایران، عراق اور مصر و شام سب میں جاگیردارانہ سسٹم رائج تھا، تمام مفتوحہ زمینیں افسران فوج اور جاگیرداروں

---

(۱) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۴ (۲) نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۷ (۳) دارقطنی کتاب الحدود ص ۳۴۳

میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ملکوں میں جو نظامِ اراضی قایم کیا، اس میں صرف عراق اور مصروشام کے بندوبست کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، اس سے دوسرے ملکوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے عراق فتح ہوا تھا، اس زمانہ کے دستور کے مطابق بڑے بڑے صحابہ کی رائے تھی، اس کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کردی جائے لیکن حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی جائے تاکہ آیندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں، کئی دن کی بحث ومباحثہ کے بعد صحابہ کو حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا، اس کی تفصیل کتاب الخراج میں مذکور ہے۔

چنانچہ عراق کی کل اراضی زمینداروں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی، ان کو اس پر مالکانہ حقوق دے دئے گئے، وہ اس کو رہن و بیع بھی کرسکتے تھے، کتاب الخراج میں تصریح ہے۔

"وھی ملك لھم یتوارثونھا و یتباعوا"(۱)

البتہ نظام اراضی کی اصلاح کے لیے نیا بندوبست کرایا اور صلاح ومشورہ میں عراق کے زمینداروں کو بھی شامل کیا، مال گذاری اور لگان کی تشخیص میں اتنی نرمی برتی گئی کہ اراضی پر جس قدر لگان اور مال گذاری لگائی گئی، اس کی دونی رقم کاشتکاروں اور زمینداروں کے لیے چھوڑ دی گئی، حضرت عمرؓ نے خود افسران بندوبست کو بلا کر تحقیقات کی کہ مال گذاری کی تشخیص میں سختی تو نہیں کی گئی، انھوں نے اطمینان دلایا کہ جس قدر تشخیص کی گئی ہے اتنی ہی کی اور گنجایش ہے(۲) اس پر بھی ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تو کوفہ اور بصرہ کے دس معتبر اور ثقہ لوگوں کو بلا کر ان کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ خراج کی وصولی میں سختی تو نہیں برتی گئی۔(۳)

---

(۱) کتاب الخراج (۲) ایضاً ص ۲۱ (۳) ایضاً ص ۶۵

مصر کی اراضی بھی کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی اور اس کا جو نظام رومیوں کے زمانہ سے چلا آتا تھا، اس کو قایم رکھا گیا، صرف اس کی خرابیوں کی اصلاح کردی گئی، مصر کی پیداوار کا دارومدار نیل کی طغیانی پر ہے، جو ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی، اس میں کمی بیشی کے لحاظ سے پیداوار میں بھی کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، اس لیے یہاں کوئی متعین شرح تشخیص نہیں کی جاسکتی تھی، ہر سال یا ہر فصل پر پرگنوں اور ضلعوں کے کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورے سے پیداوار کا تخمینہ لگا کر خراج تشخیص کیا جاتا تھا اور پیداوار کے لحاظ سے اس کو مواضعات پر تقسیم کردیا جاتا تھا، اس کی پوری تفصیل مقریزی نے لکھی ہے (۱) اگرچہ اس میں بڑا طول عمل تھا، لیکن اس کو کاشتکاروں اور زمینداروں پر زیادتی کے خوف سے گوارا کرلیا گیا تھا۔

زمینوں پر کاشتکاروں کو کامل مالکانہ حقوق حاصل تھے، حکومت کو بھی معاوضہ دیئے بغیر ان کو لینے کا اختیار نہ تھا۔

ولیس لہ أن یأخذ بعد ذلك منهم وهی ملك لهم یتوارثونها ویتباعوا (۲)	یعنی امام وقت کو بھی زمین لینے کا اختیار نہیں ہے، وہ کاشتکاروں کی ملک ہے جو ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہے گی اور وہ اس کی خرید وفروخت بھی کرسکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے عربوں کے وظیفے مقرر کردیئے تھے اور یہ قانون بنادیا تھا کہ کوئی عرب زراعت نہیں کرسکتا، گو یہ قانون فوجی مصالح کی بنا پر بنایا گیا تھا مگر اس سے ذمیوں کو بڑا فائدہ ہوا اور ان کی زمینیں محفوظ ہوگئیں، ایک مرتبہ مصر کے ایک عرب شریف غطفی نے اس قانون کی خلاف ورزی کی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو سخت باز پرس کی اور فرمایا: میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا جس سے دوسروں کو عبرت ہو۔ (۳)

اسی طرح امام لیث بن سعد نے ایک مرتبہ مصر میں تھوڑی سی زمین خریدی تو اس

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۷۷ (۲) کتاب الخراج (۳) حسن المحاضرہ سیوطی ص ۹۳

پر وہاں کے بڑے بڑے علما نے سخت اعتراض کیا۔(۱)

ایک مرتبہ ایک شخص نے دِجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لیے حضرت عمرؓ سے ایک زمین کی درخواست کی، آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی ملک نہ ہو اور اس میں ان کی نہر اور کنوئیں سے پانی نہ آتا ہو تو سائل کو دے دی جائے۔(۲)

اگر کسی سرکاری ضرورت سے زمین لی جاتی تھی تو اس کا باضابطہ معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کوفہ آباد ہوا تو ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی، اس کی عمارت میں حیرہ کے پرانے شکستہ محلات کا ملبہ استعمال کیا گیا گو ان محلات کا کوئی وارث نہ تھا لیکن زمین ذمیوں کی تھی اس لیے ان کو اس کی قیمت جزیہ میں مجرا دی گئی۔(۳)

عباسی خلیفہ منصور نے جب بغداد آباد کیا تو باودریا، قطربل اور نہر بوق وغیرہ مواضعات کی زمینیں بھی اس میں آگئیں، منصور نے ان کے مالکوں کو ان کا پورا معاوضہ دیا۔(۴)

حضرت عمرؓ کو ذمیوں کے جان و مال کے تحفظ میں اتنا اہتمام تھا کہ وقتاً فوقتاً اس کے بارہ میں عاملوں کو ہدایتیں بھیجا کرتے تھے، چنانچہ ابن عبدربہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے نام حضرت عمرؓ کا ایک طویل فرمان نقل کیا ہے، جس میں ان کو مفصل ہدایات دی ہیں، اس میں ذمیوں کے بارہ میں یہ ہدایات ہیں۔

فوج کا پڑاؤ ذمیوں کی آبادی سے دور رکھا کرو، ان کی آبادی میں انہی لوگوں کو جانے کی اجازت دو جن کی دیانت و امانت پر تم کو پورا بھروسہ ہو اور جو ان کے ساتھ برا سلوک نہ کریں، کیوں کہ تم پر ان کے جان و مال کے احترام اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری

---

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۲۹۵ (۲) فتوح البلدان بلاذری ص ۳۵۹ (۳) ایضاً ص ۲۹۴
(۴) ایضاً ص ۳۰۳

ہے، جن کو پورا کرنا تمھاری آزمائش ہے، جس طرح ان پر ان کے عہد کی پابندی کی ذمہ داری اور اس کی آزمایش ہے، جب تک وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھو اور جن لوگوں نے تم سے صلح کرلی ہے، ان پر ظلم کر کے دشمن پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔(۱)

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ فاتحِ شام کو لکھا۔

وامنع المسلمين من ظلمهم والاضرار بهم وأكل أموالهم الا كلها ووف لهم بشرطهم الذى شرطت لهم فى جميع ما أعطيتهم (۲)	مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے سے روکو نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں اور نہ ان کا مال ناجائز طور پر کھانے پائیں اور جو شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب کو پورا کرو۔

ایک مرتبہ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ فوجوں نے اس کی کھیتی کو پامال کردیا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلوایا۔(۳)

جزیہ کی وصولی میں سختی پسند نہ کرتے تھے، شام کی واپسی میں ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جارہا ہے، اس کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں ادا کرسکتے، فرمایا: اس کو چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دیا کرو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دے گا۔(۴)

صحابۂ کرامؓ بھی ایسے واقعات پر سخت ناگواری ظاہر کرتے تھے، حضرت ہشام بن حکمؓ نے ایک مرتبہ حمص میںؓ دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جزیہ وصولی کے لیے سزا دی جارہی ہے، فرمایا یہ بڑا ظلم ہے، میں نے رسول اللہؐ

(۱) عقد الفرید ج ۱ ص ۳۶ (۲) کتاب الخراج ص ۸۲ (۳) ایضاً ص ۶۸
(۴) ایضاً ص ۷۱

سے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو ایک شخص کے دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا بھیک کیوں مانگ رہے ہو، اس نے کہا کہ جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضرورت کے لیے، حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اپنے پاس سے اس کی امداد کی اور بیت المال کے مہتمم کو لکھ بھیجا کہ ایسے نادار ذمیوں کو نگاہ میں رکھو، خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں چھوڑ دیں، صدقات فقرا و مساکین کا حق ہیں، فقرا سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہل کتاب مساکین ہیں، ان سب کا جزیہ آئندہ معاف کر دیا جائے۔(۲)

آپ کو ذمیوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ وفات کے قریب آیندہ ہونے والے خلیفہ کے لیے جو وصیت نامہ لکھا تھا، اس میں ذمیوں کے بارہ میں یہ ہدایت تھی۔

وأوصيه بذمة الله وذمة رسوله أن يوفى لهم بعهدهم وأن يقاتل من ورائهم وأن لا يكلفوا فوق طاقتهم (۳)

میں ان کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (ذمی) کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں لڑا جائے، ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

اس حسن سلوک کی وجہ سے ذمی ان کے بڑے وفادار اور معاون و مددگار بن گئے تھے، کتاب الخراج میں ہے۔

فلما رای أهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صاروا أشداء على عدو المسلمين وعونا

ذمی مسلمانوں کے عہد کی پابندی اور حسن سلوک کو دیکھ کر مسلمانوں کے دشمنوں کے سخت دشمن اور ان کے مقابلہ میں

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج باب التشدد فی الجزیہ (۲) ایضاً ص ۷۲ (۳) بخاری جلد اول

لھم للمسلمین علی أعدائھم (۱)   مسلمانوں کے معاون ومددگار بن گئے۔

اموی حکومت کے زمانہ میں جب اسلامی قوانین کی پوری پابندی نہ رہ گئی تھی اور وہ اپنے مصالح کے مقابلہ میں مسلمانوں کے حقوق کا بھی لحاظ نہیں کرتی تھی ذمیوں پر بھی زیادتیاں ہوئیں لیکن حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں اس کی پوری تلافی کردی، انھوں نے جب حکومت کے غصب کردہ اموال کو واپس کرنا شروع کیا تو ذمیوں نے بھی اپنے مطالبات ان کے سامنے پیش کیے، ایک ذمی نے دعویٰ کیا کہ خلیفہ ولید کے لڑکے عباس نے اس کی زمین پر قبضہ کرلیا ہے، اتفاق سے عباس حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس موجود تھا، آپ نے پوچھا اس ذمی کے دعویٰ کا کیا جواب دیتے ہو، اس نے کہا امیرالمومنین ولید نے یہ زمین مجھ کو جاگیر میں دی تھی، اس کی سند میرے پاس موجود ہے، عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا لیکن خدا کی کتاب ولید کی سند سے مقدم ہے اور زمین ذمی کو واپس دلا دی۔ (۲)

اسی طریقہ سے خلیفہ عبدالملک کے لڑکے ہشام پر ایک عیسائی نے کسی معاملہ میں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اس کی شاہزادگی کا کوئی خیال نہیں کیا، اس کو مدعی کے برابر کھڑا کیا، ہشام غصہ میں عیسائی کو برا بھلا کہنے لگا، حضرت عمرؒ نے اس کو ڈانٹا کہ خاموش رہو ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ (۳)

ایک مرتبہ عبدالملک کے دوسرے لڑکے مسلمہ اور دیر اسحاق کا کوئی مقدمہ پیش ہوا تو مسلمہ فرش پر بیٹھ گئے، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمایا: تم اپنے فریق کے سامنے فرش پر نہیں بیٹھ سکتے، اگر کھڑے نہیں ہوسکتے تو کسی کو اپنا وکیل بنادو، چنانچہ اس نے ایک شخص کو وکیل بنادیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ (۴)

اموی خلفا کے زمانہ میں ذمیوں سے جزیہ کی وصولی میں سختی کی جاتی تھی، حضرت عمرؒ نے اس کو بالکل روک دیا، جس کی بنا پر غلہ گراں ہوگیا، کسی نے آپ سے کہا کیا بات ہے

---

(۱) کتاب الخراج ص ۸۰   (۲) سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۴

(۳) العیون والحدائق ص ۶   (۴) سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۷۴

آپ کے زمانہ میں غلہ گراں ہوگیا حالانکہ دوسرے خلفا کے زمانہ میں سستا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جزیہ کی وصولی میں سختی کرتے تھے، اس لیے جس نرخ پر ہوتا تھا ذمی غلہ فروخت کردیتے تھے اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں جس کا وہ تحمل کرسکے، اس لیے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے اپنا غلہ فروخت کرتا ہے۔(۱)

وقتاً فوقتاً عمال کو ذمیوں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے، ایک مرتبہ عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کیا کرو، اگر ان میں سے کوئی شخص بوڑھا ہوجائے اور وہ نادار ہوتو اس کی کفالت کیا کرو یا اگر اس کا کوئی رشتہ دار موجود ہوتو اس کو اس کی کفالت کا حکم دو جس طرح جب تمھارا کوئی غلام بوڑھا ہوجائے تو یا اس کو آزاد کرنا پڑے گا یا عمر بھر کھلانا پلانا پڑے گا۔(۲)

مذہبی حقوق کا تحفظ: اوپر مفتوحہ قوموں کے ساتھ جو معاہدے نقل کیے گئے ہیں، ان سب میں مذہبی حقوق کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے، اب اس کی بعض اور شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، عہد صدیقی میں حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ بھی تھا۔

لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا اخراج المصلبات فی یوم عیدھم (۳)	ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے عید کے دن ان کو ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔

عانات (شام) کے پادری کو صلح میں یہ ضمانتیں دیں۔

لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی أن یضربوا نواقیسھم فی أی ساعة شاءوا من لیل أو نھار الافی أوقات	ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ گرائے جائیں گے، وہ نماز کے اوقات کے علاوہ رات دن جب چاہیں ناقوس بجاسکتے

(۱) کتاب الخراج ص ۷۶ (۲) طبقات ابن سعد ص ۲۸۰ (۳) کتاب الخراج ص ۸۴

الصلوٰة وعلى أن يخرجوا صلبانهم في أيام عيدهم (۱)	ہیں اور اپنے تیوہاروں کے موقع پر صلیبیں نکال سکتے ہیں۔

اس طریقہ سے حضرت ابوعبیدہؓ فاتح شام نے عبادت خانوں کے تحفظ کی پوری ضمانت دی۔

و اشترط عليهم حين دخلها ان تترك كنائسهم و بيعهم (۲)	جب (ابوعبیدہؓ) نے شام فتح کیا تو عیسائیوں سے وعدہ کیا کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے برقرار رکھے جائیں گے۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں ان معاہدوں پر پورا پورا عمل رہا، ان میں سے کسی نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، امام ابویوسف نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر وعمرو عثمان وعلی رضی اللہ عنھم نے ان معاہدوں کی پوری پابندی کی اور کسی نے خانقاہوں اور کنیسوں کو ہاتھ نہیں لگایا، اس لیے ان کو کسی حال میں نہیں گرایا جاسکتا۔ (۳)

اموی دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اس کا پورا لحاظ رکھا، اگر بعد کے کسی خلیفہ نے اس سلسلہ میں کوئی زیادتی کی تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں اس کی تلافی کردی۔

دمشق کی جامع مسجد کے متصل ایک گرجا تھا، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس کو مسجد میں شامل کرلینا چاہا مگر عیسائی راضی نہ ہوئے، اس لیے امیر معاویہؓ اس ارادے سے باز آگئے، اس کے بعد عبدالملک نے معاوضہ دے کر لینا چاہا مگر عیسائیوں نے اس سے بھی روکا، اس لیے وہ بھی رک گئے، ولید نے اپنے دور میں گرجے کے معاوضہ میں ایک بڑی رقم پیش کی مگر عیسائی اپنے انکار پر قایم رہے، ولید کو غصہ آگیا اس نے کہا اگر تم اس طرح نہ دو گے تو میں گرجا ڈھادوں گا، عیسائیوں نے کہا جو آدمی گرجے کو ڈھاتا ہے وہ کوڑھی یا پاگل ہوجاتا ہے، اس پر ولید کو اور تاؤ آگیا، اس نے خود پھاوڑا لے کر گرجے کو ڈھانا شروع کردیا

(۱) کتاب الخراج ص ۸٦ (۲) ایضاً ص ۸۰ (۳) ایضاً ص ۸۷

اور اس کو گروا کر مسجد میں شامل کرلیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ تخت خلافت پر بیٹھے تو ان کے عدل کو دیکھ کر عیسائیوں نے بھی اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا، آپ نے دمشق کے والی کو حکم دیا کہ گرجے کا جو حصہ مسجد میں شامل کرلیا گیا ہے وہ عیسائیوں کو واپس کر دیا جائے، دمشق کے مسلمانوں نے احتجاج کیا کہ جس مسجد میں ہم اذانیں دے چکے ہیں، نمازیں پڑھ چکے ہیں، اس کو ڈھا کر کس طرح دوبارہ گرجا بنادیں، یہ صورت دیکھ کر مسلمان علما نے عیسائیوں سے کہا کہ اگر وہ جامع مسجد کے گرجے کا مطالبہ چھوڑ دیں تو ان کے بدلہ میں غوطہ دمشق کے جتنے گرجے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان سب کو واپس کر دیا جائے گا اس پر وہ رضامند ہو گئے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس سمجھوتے سے بڑی مسرت ہوئی اور آپ نے غوطہ کے تمام گرجے عیسائیوں کو واپس دلوادیئے۔(۱)

اسی طریقہ سے ایک گرجا ایک امیر کی فیاضی سے بنی نصر کے قبضہ میں چلا گیا تھا، عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں اس کا مطالبہ کیا، آپ نے اس کو بھی واپس دلایا۔(۲)

ہارون رشید کے زمانہ میں ایشیائے کوچک کے عیسائیوں سے بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، نیسی فورس فرمانروائے قسطنطنیہ اس کا حریف تھا، اس کی بدعہدی سے تنگ آکر ہارون نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے سلسلہ میں عیسائیوں کے گرجوں کو کیوں باقی رہنے دیا ہے اور ان کو تیوہار کے موقع پر صلیب لگانے کی کیوں اجازت دی، امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان ان کے گرجوں کو خواہ وہ شہر کے اندر ہوں یا باہر برقرار رکھیں گے اور ان کو تیوہار کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی، مسلمان ان کی حمایت میں لڑیں گے اور ان کی مدافعت کریں گے۔(۳)

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو

---

(۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۱ و ۱۳۲ (۲) ایضاً ص ۱۳۰ (۳) کتاب الخراج ص ۱۸۱

غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا کتنا لحاظ تھا، انھوں نے نہ صرف پرانی عبادت گاہوں کو قایم رکھا بلکہ ان کے عہد حکومت میں بہت سے گرجے، آتش کدے اور مندر تعمیر ہوئے، یہ مسئلہ عہد صحابہ میں اٹھا تھا کہ ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہے یا نہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے تھی کہ پرانے مفتوحہ شہروں کے بارہ میں جو معاہدہ ہے، اس کی پابندی ضروری ہے، ان شہروں میں ان کے گرجوں کو برقرار رکھا جائے گا اور ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی لیکن مسلمانوں کے آباد کردہ شہروں میں اس کی اجازت نہ ہوگی۔ (۱)

لیکن درحقیقت یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے جب مسلمانوں اور ذمیوں میں ربط وضبط پیدا نہ ہوا تھا، بعد کے زمانہ میں جب دونوں میں ربط بڑا تو ہر شہر میں ذمیوں نے نئے عبادت خانے تعمیر کیے، بغداد، قاہرہ، سامرا اور فسطاط وغیرہ میں جو خاص مسلمانوں کے آباد کردہ شہر ہیں سیکڑوں گرجے تعمیر ہوئے، جس کی تفصیل تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ بعض مورخوں نے جامع مسجدوں کے ساتھ کنیسوں کا ذکر بھی کیا ہے، مقریزی نے گرجوں کے سلسلہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں مصر کے عباسی والی علی بن سیمان نے مریم کا گرجا اور کئی اور گرجے گروا دیئے تھے، ہارون کے زمانہ میں علی بن عیسیٰ کی جگہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کا تقرر ہوا اس نے مصر کے نامور عالم لیث بن سعد اور مصر کے قاضی عبداللہ بن الہیعہ کے مشورہ کے مطابق جو گرجے علی بن موسیٰ نے گروائے تھے ان کے بنوانے کی دوبارہ اجازت دے دی، ان دونوں علما کی دلیل یہ تھی کہ یہ گرجے صحابہ وتابعین کے زمانہ میں تعمیر ہوئے تھے اس لیے ان کو نہیں گرایا جا سکتا (۲) اسی طریقہ سے دو اور کنیسے جو کنیسۂ خندق کے نام سے موسوم تھے، اسلامی دور میں تعمیر ہوئے (۳) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف اسلامی عہد بلکہ خاص صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نئے گرجے تعمیر ہوئے۔

معتصم باللہ کے زمانہ سے ترک خلافت بغداد پر چھا گئے تھے اور خلافت ان کے اقتدار میں آگئی تھی، مستکفی کے زمانہ میں بنی بویہ نے ان کا زور ختم کرکے ان کی جگہ لی، اس

---

(۱) کتاب الخراج ص ۸۴ (۲) خطط مقریزی ج ۴ ص ۴۲۴ (۳) ایضاً ص ۴۲۳

سلسلہ کا سب سے نامور فرماں روا عضد الدولہ تھا، مسلسل انقلابات سے بغداد بالکل ویران ہو گیا تھا، عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں اس کو دوبارہ آباد کیا تو اپنے عیسائی وزیر نصر بن ہارون کو بھی گرجوں اور خانقاہوں کی مرمت وتعمیر اور ان کے فقرا کے وظیفے مقرر کرنے کا حکم دیا۔(۱)

اسلامی ملکوں میں اس کثرت سے گرجے اور عیسائیوں کی خانقاہیں تھیں کہ ان کے حالات میں عیسائی اور مسلمان مصنفوں نے مستقل کتابیں لکھیں، مصر کے گرجوں اور خانقاہوں کے حال میں ابوصالح مسیحی ارمنی کی کتاب ''الکناس والادیرہ فی مصر'' انگریزی ترجمے کے ساتھ ۱۸۹۵ء میں آکسفورڈ سے چھپ کر شایع ہو چکی ہے(۲)، مسلمان مصنفین میں ابوالحسین علی بن شاشی اور ابوالفرح اصفہانی کا ذکر کشف الظنون نے کیا ہے، ابوالحسین کی کتاب عراق، جزیزہ، شام اور مصر کی خانقاہوں کے حال میں ہے۔

یہ مسلمانوں کی رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت ہے کہ انھوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے حال میں مستقل کتابیں لکھیں، جس کی مثال روشن خیالی کے اس دور میں بھی ملنا مشکل ہے۔

مسلمانوں نے نہ صرف ان عبادت گاہوں کو بلکہ ان کے عہدے داروں اور ان کے متعلق اوقاف کو بھی برقرار رکھا یہاں تک کہ ان کے پجاریوں اور مجاوروں کے جو روزینے مقرر تھے وہ سرکاری خزانے سے ادا کیے جاتے تھے، مصر کے متعلق تصریح ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو جس قدر آراضیات گرجوں پر وقف تھیں ان کو بحال رکھا، مقریزی کے زمانہ تک جو آراضیات محفوظ تھیں ان کی مقدار پچیس ہزار فدان تھی۔(۳)

مصر پر ایرانیوں کے تسلط کے زمانہ میں یہاں کا بطریق بنیامین بھاگ گیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو امان نامہ لکھ کر اس کو بلا بھیجا اور دوبارہ اس کو بطریق کی کرسی پر بٹھایا۔(۴)

---

(۱) ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۴ (۲) اکتفاء القنوع ص ۳۶۹ (۳) مقریزی ج ۴ ص ۳۹۲ (۴) ایضاً

کنیسوں کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ بیت المقدس کی فتح کا معاہدہ لکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو عیسائیوں کو امان نامہ دینے کے بعد ایک دن قمامہ کے گرجے کے صحن میں بیٹھے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، آپ نے کنیسہ کے صحن سے باہر جا کر سیڑھیوں پر تنہا نماز پڑھی اور کنیسہ کے بطریق سے فرمایا کہ اگر میں کنیسہ کے احاطہ کے اندر نماز پڑھتا تو میرے بعد مسلمان یہ کہہ کر کہ عمر نے یہاں نماز پڑھی تھی اس کو لے لیتے اور بطریق کو یہ تحریر لکھ دی کہ آیندہ بھی کوئی مسلمان کنیسے کے احاطہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا، البتہ اس کے باہر سیڑھیوں پر تنہا نماز کی اجازت ہے، جماعت کے ساتھ نہیں اور نہ اذان دی جاسکتی ہے۔(۱)

مسلمانوں نے جو ملک بھی فتح کیے ان میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ ان کا طرزِ عمل یہی رہا، خود ہندوستان اس کا روشن ثبوت ہے، محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو اس کے تمام باشندوں کو امان اور پوری مذہبی آزادی دے دی اور برہمنوں اور دوسرے اکابر و اعیان کے مذہبی حقوق و مراتب برقرار رکھے، چچ نامہ میں تصریح ہے۔

> ''پس اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود کہ معبود خود را عمارت کنند با مسلمانان خرید و فروخت کنند و ایمن باشند و در صلاح خود کوشند و فقرا و برہمنان را تیمار دارند و اعیاد و مراسم خود بشرائط آبا و اجداد قیام نمایند''(۲)

خود حجاج نے ان کے جانی مالی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے محمد بن قاسم کو فرمان لکھا

> ''چوں ذی شدند در خون و مال ایشان دست تصرف ما مطلق نباشد و اجازت کردہ شد تا معبود خود را عبادت کنند و ہیچ کس را از کیش خود منع و زجر نکند تا نجانہائے خود برائے خود زندگانی کنند''(۳)

---

(۱) مقریزی ج۴ ص۳۹۴ (۲) چچ نامہ ص۲۴۴ لطیفی پریس دہلی (۳) ایضاً ص۲۱۳

محمد بن قاسم برہمنوں کا خاص طور سے بڑا لحاظ کرتا تھا، ان سے کسی معاملہ میں کوئی باز پرس نہ تھی، ان کا احترام قایم رکھنے کے لیے خاص احکام جاری کیے اور ان کو مختلف کاموں پر لگایا۔

''محمد بن قاسم برہمناں را محترم داشت و در تمکین ایشاں مثال فرمود و در جملہ احوال ایشاں دفع و زجر بنودی و ہر یک را از ایشاں مستولی کرد''۔(۱)

راجہ داہر کے زمانہ میں ان کو جو درجہ حاصل تھا اس کو برقرار رکھا اور ان کو بلا کر ان کے مراتب بڑھائے اور انعام و اکرام سے نوازا۔

''شمارا در عہد داہر باشغال خطیر منصوب گردانید و بر شہر و نواحی مطلع باشید ہر کرا از معارف و مشاہیر میدانید کہ شایستہ تربیت و عاطفت باشد مارا اعلام و ہید تا درحق ایشاں عاطفت فرمودہ آید و بانعام وافر مستظہر گردانیدہ شود''(۲)

اس حسن سلوک سے سندھ کے باشندے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ جب محمد بن قاسم پر سلیمان بن عبدالملک کا عتاب نازل ہوا اور وہ جیل میں مرگیا تو اہل سندھ نے بڑا غم منایا اور اس کی یادگار میں کیرج میں اس کی مورت بنائی۔ بلاذری نے لکھا ہے فبکی اہل الہند و(الہند) علی محمد وصوروہ بالکیرج (۳) ہندوستان والوں نے (سندھی) محمد بن قاسم کا بڑا غم منایا اور سندھ میں اس کی مورت بنائی بعد کے مسلمان حکمرانوں خصوصاً مغلوں نے بہت سے مندروں پر زمینیں وقف کیں اور ان کے پجاریوں کو جاگیریں دیں جن کی سندیں آج تک محفوظ ہیں۔

نظامِ حکومت میں غیر مسلموں کا حصہ: اسلام نے غیر مسلموں کے مذہبی، جانی اور مالی حقوق کے تحفظ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں میں ایسی رواداری اور وسعت قلب پیدا کردی کہ انھوں نے ذمیوں کی صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے معاشرہ میں ان کو معزز جگہ

---

(۱) چچ نامہ ص ۲۱۰ (۲) ایضاً (۳) فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶

دی، مسلمان حکمرانوں نے ان کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا، ان کے اصحاب علم وکمال کی قدردانی اور ان کا اعزاز واکرام کیا مگر اس سلسلہ میں چند باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسلام میں مذہب، حکومت اور سیاست جدا نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اسلامی حکومت کا سب سے بڑا مقصد اسلامی نظام کا قیام اور اس کے احکام کا نفاذ ہے، اس لیے حکومت کے بہت سے شعبوں میں اسلامی احکام سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا مثلاً عدالت یا قضا کا محکمہ، دوسرے اسلام کے ابتدائی دور میں انتظامی اور فوجی شعبے مستقلاً الگ الگ نہیں تھے بلکہ اکثر صوبے کا حاکم اس صوبہ کی فوج کا افسر بھی ہوتا تھا یا کم سے کم اس کو فوجی اختیارات حاصل ہوتے تھے اس کو بعض مذہبی فرائض بھی ادا کرنے پڑتے تھے اس لیے غیر مسلم ان شعبوں میں کام نہیں دے سکتے تھے، فوجی خدمت سے وہ مستثنیٰ تھے، اس کے بدلہ میں ان سے جزیہ لیا جاتا تھا لیکن جن شعبوں میں مذہبی احکام سے واقفیت ضروری نہیں تھی مثلاً دفاتر (سکریٹریٹ) شعبۂ مال، طب وحفظان صحت، غیر مذہبی علوم کی تعلیم اور اس قبیل کے دوسرے شعبے ان میں ابتدا ہی سے غیر مسلم تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے ان کی زبانیں مختلف تھیں، عراق و ایران کی فارسی، مصر کی قبطی، شام کی رومی تھی اور یہاں کی سابق حکومتوں کے دفاتر بھی انہی زبانوں میں تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے بھی اس کو باقی اور اس کا پرانا عملہ برقرار رکھا، عبدالملک کے زمانہ تک یہی صورت رہی، سب سے پہلے اس نے عربی کو حکومت کی زبان قرار دیا، اس وقت غیر مسلموں کا تعلیم یافتہ طبقہ عربی سے واقف ہو چکا تھا۔

ابتدا میں بڑے عہدوں پر غیر مسلموں کے نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں اور مسلمانوں میں پورا اعتماد نہ پیدا ہوا تھا اور وہ عربی زبان سے ناواقف تھے اور اعتماد کے بغیر کوئی حکومت بھی کسی غیر قوم کو کلیدی عہدوں پر مامور نہیں کر سکتی، انگریزی دور میں ایک مدت تک ہندوستانیوں کا کام صرف کلرکی تھا، بڑے عہدے بہت بعد میں ملنے لگے، یہی صورت حال اسلامی عہد میں بھی تھی، ورنہ آگے چل کر مذہبی عہدوں کو چھوڑ کر کوئی عہدہ

ایسا نہ تھا جو غیر مسلموں کو نہ ملا ہو، بنی امیہ کی عربی عصبیت مشہور ہے لیکن اموی دور میں جب شام کے عیسائیوں اور رومیوں سے ربط وضبط بڑھا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ابن اثال کو جو عیسائی تھا حمص کا کلکٹر مقرر کیا (۱) اور سرجون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا۔ (۲)

عباسیوں کے زمانہ میں غیر مسلموں کے لیے بڑے عہدوں کے دروازے بالکل کھل گئے اور چند بڑے اور مذہبی شعبوں کو چھوڑ کر کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں عیسائی، یہودی، صابی اور مجوسی عہدہ دار نہ رہے ہوں حتی کہ وزارت تک پہنچے، وزارت کے بعد سب سے بڑا عہدہ کاتب یعنی چیف سکریٹری کا ہوتا تھا جو شاہی احکام وفرامین لکھتا تھا، اس کے لیے صاحب وجاہت اور ادیب وانشاپرداز ہونا ضروری تھا، مسلم اور غیر مسلم کی قید نہ تھی، چنانچہ عباسیوں کے دور میں متعدد صابی اور مجوسی اس عہدہ پر مامور ہوئے، ان میں ابوہلال عسکری صابی تاریخ اسلام کا نامور ادیب گذرا ہے، اس کو عباسی خلفا اور دیلمی حکمرانوں کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا اور اس دور میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا، وزارت کی نیابت تک پہنچا، عزالدولہ بن معزالدولہ دیلمی نے اس شرط پر اس کو وزارت پیش کی کہ وہ اسلام قبول کرلے لیکن ابوہلال صابی اس پر آمادہ نہیں ہوا (۳) عضدالدولہ نے جو اسی خاندان کا گل سرسبد تھا یہ شرط بھی اڑادی اور اس نے ایک عیسائی نصر بن ہارون کو اپنا وزیر بنایا۔ (۴)

ہندوستان کی مثال تو سب کی نگاہ کے سامنے ہے، یہاں کم وبیش پورے اسلامی دور خصوصاً مغلوں کے زمانہ میں ہندو بڑے بڑے خطاب یافتہ، منصب دار اور نہ صرف انتظامی بلکہ فوجی عہدوں پر مامور رہے، ہندونواز اکبر کا ذکر نہیں 'متعصب' اورنگ زیب کے عہد کے خطاب یافتہ اور منصب دار ہندوؤں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے۔

(۱) یعقوبی ج۲ص۲۶۵ (۲) خطط الشام کرد علی ج۱ص۱۴۳ (۳) معجم الادباج ا ص۳۲۴
(۴) ایضاً ص۳۲۳

چند نام یہ ہیں:

رائے رایان: تلوک چند

راؤ: انوپ سنگھ

راجہ: زاجہ جسونت سنگھ، راجہ جے سنگھ، کچھواہہ، راجہ اندر من، زاجہ روپ سنگھ، راجہ پرم دیو سنگھ، راجہ کبیر سنگھ بھورتیہ، راجہ آم سنگھ، راجہ بھیم سنگھ، راجہ اندر سنگھ، راجہ بہادر سنگھ، راجہ مآن سنگھ، راجہ انوپ سنگھ، راجہ اودیت سنگھ، راجہ باسد یو سنگھ، راجہ ستر سال بندیلہ، راجہ کشن سنگھ، راجہ رام چندر، راجہ درگا داس راٹھور، راجہ سروپ سنگھ، راجہ شیو سنگھ، راجہ کلیان سنگھ۔

منصب دار: راجہ بھیم سنگھ پنج ہزاری، راجہ اندر سنگھ سہ ہزاری، راجہ بہادر سنگھ یک ہزاری و پانصدی، راجہ مان سنگھ سہ ہزاری، سیوا جی کا داماد چلاپی پنج ہزاری مع نوبت ونقارہ، سیوا جی کا بھتیجا ارجو جی دو ہزاری، مانکو جی دو ہزاری، راجہ انوپ سنگھ قلعہ دار، سیکری دو ہزاری، راجہ امر دیپ سنگھ فوجدار دو دنیم ہزاری، اودے سنگھ سہ ہزاری و پانصد، باسد یو سنگھ سہ ہزاری، کانھو جی شش ہزاری، بشن سنگھ یک ہزاری و چارصدی، رام چند دو دنیم ہزاری، بہا کونجارہ پنج ہزاری، جاکھا سہ ہزاری، درگا داس راٹھور سہ ہزاری، سروپ سنگھ یک ہزاری، سوبھان قلعہ دار پنج ہزاری مع خلعت ونقارہ شیو سنگھ یک ہزاری ونیم ہزاری، راجہ کلیان سنگھ سہ صدی (۱)

---

(۱) یہ سب نام مغلوں کی تمام تاریخوں میں ہیں۔

حکومت کے مختلف شعبوں میں اتنے ہندو تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے، بڑے عہدوں میں صوبیدار اور سپہ سالار تک ہوئے، اکبر کے زمانہ میں راجہ کچھواہہ اکبر آباد کا راجہ بھگوان داس پنجاب زابلستان، بہار کا اور اس کا لڑکا راجہ مان سنگھ بہار و بنگال کا ناظم مقرر رہا (۱) شاہجہاں کے زمانہ میں راجہ بٹھل داس اکبر آباد کا صوبہ دار مقرر رہا (۲) اور راجہ جے سنگھ کچھواہہ دکن کا صوبہ دار بنایا گیا، عالمگیر نے جسونت سنگھ کو خالص مسلمان صوبے جمرود (کابل) کا اور رائے رایان تلوک چند کو مالوے کا صوبے دار مقرر کیا (۳) مغلوں کو ہندو عہدہ داروں پر اتنا اعتماد تھا کہ ان میں اور راجپوتوں میں جو لڑائیاں ہوتی تھیں ان میں زیادہ تر ہندو سپہ سالاروں کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجتا تھا، ان سب کی تفصیل کے لیے پوری کتاب کی ضرورت ہے۔

غیر مسلم اطبا کا عروج واقتدار: عباسی دربار میں اطبا کو جو اعزاز و مرتبہ حاصل ہوا تھا وہ بڑے بڑے امرا کو نصیب نہ تھا، منصور کا طبیب خاص جورجیس جندیسا پور کا افسر الاطبا اور یہاں کے شفاخانے کا افسر اعلیٰ تھا، منصور اس کو اتنا مانتا تھا کہ اس کو بلا روک ٹوک حرم تک میں آنے کی اجازت تھی، جورجیس ایک مرتبہ قیام بغداد کے زمانہ میں بیمار پڑا تو منصور نے اس کو اپنے قریب دار العامہ میں بلوالیا اور روزانہ خود اس کی عیادت کے لیے پیدل جاتا تھا، جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو جورجیس نے وطن جانے کی اجازت چاہی، منصور نے اجازت دے دی اور اس سے کہا اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھارے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، اس نے یہ ظریفانہ جواب دیا: امیر المومنین جہاں میرے آبا واجداد ہوں گے وہیں رہنا میں بھی پسند کروں گا، خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ، یہ جواب سن کر منصور ہنس دیا (۴) جورجیس کے بعد اس کا لڑکا بختیشوع باپ کا جانشیں ہوا، یہ بھی بڑا باکمال طبیب تھا اس نے باپ سے بھی زیادہ عروج حاصل کیا، ابن ندیم لکھتے ہیں کہ وہ فن طب کا جلیل القدر فاضل تھا، اس کو اپنے علمی کمال اور خلیفہ کے تقرب کی وجہ سے بغداد میں بڑا وقار حاصل تھا، ہارون رشید

(۱) مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۳۰ و ۱۶۰ و ۱۷۰ (۲) ایضاً ص ۳۵۳ (۳) ایضاً ص ۲۰۶
(۴) اخبار الحکماء قفطی ص ۱۰۰ و ۱۱۱

کے زمانہ تک عباسی دربار سے وابستہ رہا، اس نے طب کے ذریعہ اتنی دولت پیدا کی جس کی نظیر نہیں ملتی، عباسی خلفا اپنے بھائیوں سے زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے(۱) یہ بھی اپنے باپ کی طرح جندیسا پور میں رہتا تھا، ہادی نے اس کو اپنے لڑکے کے علاج کے لیے بلوایا تھا، ہارون کے زمانہ میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، اس نے اس کو خلعت فاخرہ اور گراں قدر انعامات سے نوازا اور افسر الاطبا مقرر کیا۔(۲)

اس کا لڑکا جبریل اعزاز و وقار اور خلفا سے تقرب میں اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا ہارون کے زمانہ میں اس کو اتنا عروج حاصل ہوا کہ کسی امیر و وزیر کو بھی حاصل نہ تھا، ہارون نے عام حکم دے دیا تھا کہ اس کے متوسلین میں سے جس کو جو ضرورت پیش آئے وہ پہلے جبریل کے سامنے پیش کرے، وہ اس کی کسی سفارش کو رد نہیں کرتا تھا، اس لیے فوجی افسر تک ضرورت کے وقت اسی کو وسیلہ بناتے تھے(۳) ہارون کے بعد امین بھی اسی طرح مانتا تھا، اس نے ہارون سے بھی زیادہ اس کو انعام و اکرام سے نوازا، وہ اس کی حذاقت کا اتنا قائل تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کھانا تک نہ کھاتا تھا۔(۴)

امین کے بعد مامون کے زمانہ میں کچھ دنوں تک معتوب رہا مگر اتفاق سے مامون بیمار پڑ گیا، بہت علاج کیا مگر کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا، آخر میں جبریل کی طرف رجوع کیا، اس کے علاج سے شفا ہوئی، اس سے اس کا کھویا ہوا وقار پھر حاصل ہوگیا، اس کی ساری ضبط شدہ املاک واپس مل گئی، اس کے علاوہ مامون نے دس لاکھ درہم نقد عطا کیے اور اس کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ عام فرمان جاری کر دیا کہ جس نئے عہدہ دار کا کسی منصب پر تقرر ہو تو وہ جبریل سے مل کر اپنی خدمت پر جائے۔(۵)

اس کو مختلف شعبوں سے جو تنخواہ، نقد و جنس اور انعامات ملتے تھے اس کی مقدار اتنی ہے کہ آج اس کا قیاس کرنا مشکل ہے، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی

(۱) فہرست ابن ندیم ص ۴۱۲ (۲) اخبار الحکماء ص ۷۲ (۳) ایضاً ص ۹۵ (۴) ایضاً ص ۹۸
(۵) ایضاً ص ۹۹

ہے۔(۱)

جبریل نے مرتے وقت جو نقد و جنس اور املاک چھوڑی تھی، اس کے علاوہ سات لاکھ اشرفی مذہبی کاموں کے لیے وقف کر گیا تھا، اس کی موت کے بعد مامون نے اس کے لڑکے بختیشوع ثانی کو وصیت پوری کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کے صرف سے بختیشوع نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور اس میں راہبوں کو مقرر کر کے ان کے وظیفے مقرر کیے۔(۲)

جبریل کے بعد اس کا لڑکا بختیشوع ثانی اس کا جانشیں ہوا، اس کو سب سے زیادہ عروج متوکل کے زمانہ میں حاصل ہوا، قفطی کا بیان ہے کہ متوکل کے زمانہ میں بختیشوع نے اتنی عظمت و شان حاصل کی کہ وہ لباس اور شکوہ و تجمل کے سامانوں میں خلیفہ کی ہمسری کرتا تھا، اس کے مصارف اتنے کثیر تھے کہ اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔(۳)

اس خاندان کے دوسرے ارکان نے بھی بڑا عروج حاصل کیا مگر ان سب کی تفصیل بڑی طویل ہے، اخبار الحکما اور طبقات الاطبا میں ان کے حالات موجود ہیں۔

اس خاندان کے علاوہ بعض دوسرے اطبا کا بھی بڑا رسوخ تھا، سلمویہ بن بنان اپنے دور کا بڑا حاذق اور معتصم کا درباری طبیب تھا، اس کا اس کے دربار میں وہی درجہ تھا جو جبریل کا ہارون کے دربار میں تھا، معتصم اس کو اس قدر مانتا تھا کہ جب سلمویہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو معتصم اس کے پاس بیٹھ کر بہت رویا، اس کی موت کے دن کھانا نہیں کھایا، اس کا جنازہ اپنے محل میں منگوایا اور اپنے سامنے عیسائیوں کی رسم کے مطابق شمع اور بخورات جلوا کر نماز جنازہ پڑھوائی۔(۴)

ہندوستانی وید بھی اس زمانہ میں بغداد پہنچ گئے، ایک مرتبہ ہارون رشید ایک مرض میں مبتلا ہو گیا کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا، ابو عمر عجمی کے مشورے سے منکہ کو ہندوستان سے بلایا گیا، اس کے علاج سے مرض جاتا رہا، ہارون نے اس کے صلہ میں بڑے گراں قدر انعامات سے نوازا۔(۵)

---

(۱) اخبار الحکما ص ۱۰۰ (۲) ایضاً ص ۹۹ (۳) ایضاً ص ۶۷ (۴) ایضاً ص ۱۱۴ (۵) طبقات الاطبا ج ۲ ص ۳۳

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ رشید کا چچیرا بھائی ابراہیم ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوگیا، کسی علاج سے فائدہ نہیں ہوا، زندگی کی امید باقی نہ رہی، یحیٰ برمکی کے مشورے سے صالح بن بھلہ کو ہندوستان سے بلایا گیا، اس نے بڑے معرکہ کا علاج کیا اس سے ابراہیم شفایاب ہوگیا، ہارون رشید اس کے علاج سے بہت متاثر ہوا اور انعام واکرام سے نوازا، قفطی نے مرض اور علاج کی پوری تفصیل لکھی ہے۔(۱)

اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے ۱۴ سو سالہ طویل دور حکومت میں ظلم وزیادتی کے واقعات بھی مل جائیں گے مگر ایسے واقعات سے کسی قوم بلکہ اپنی قومی حکومت کی تاریخ بھی خالی نہیں ہے، دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں میں بھی اچھے برے ہر طرح کے حکمراں ہوئے ہیں، ظالم حکمرانوں کے ظلم وستم سے خود مسلمان کب محفوظ رہے، دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی سینکڑوں حکومتیں قایم ہوئیں، ان کو کسی دوسرے نے نہیں بلکہ خود مسلمان حکومتوں ہی نے مٹادیا، علاء الدین جہاں سوزؒ نے غزنین کو جلا کر خاک سیاہ کردیا، پٹھانوں نے جب جونپور کی شرقی حکومت کا خاتمہ کیا تو اس کے سارے آثار برباد کردیئے، اس کی تاریخی مسجدوں کو بھی ڈھادینا چاہتے تھے مگر کسی طرح علما کی سفارش سے بچ گئیں، عیسائیوں پر خود عیسائی حکومتوں کے ہاتھوں کیا نہیں گذری، ہندوستان میں برہمنوں نے جس طرح بدھ مذہب کا خاتمہ کیا اس کی سیاہی تاریخ کے اوراق سے مٹانے نہیں مٹ سکتی، لیکن یہ سب ان حکمرانوں کا ذاتی فعل تھا اس لیے ہندو اور عیسائی مذہب یا اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

چند اصولی باتیں: ایسے موقع پر معترضین ایک اصولی بات نظر انداز کردیتے ہیں کہ اسلام کا قانون الگ چیز ہے اور کسی مسلمان حکمراں کا عمل الگ ہے، اسلامی قانون کی رو سے جب کسی مفتوح قوم نے اسلامی حکومت کو مان لیا تو وہ اس کے مذہب، جان ومال اور عزت وآبرو کی محافظ بن گئی، ایسی مفتوح قومیں ذمی اسی لیے کہلاتی ہیں کہ حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے جو مسلمان حکمراں اس کے خلاف عمل کرتا ہے اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے

(۱) اخبار الحکما ص ۳۳

اور اس کی نگاہ میں یہ فعل اتنا ہی ناپسندیدہ ہے جتنا غیر مسلم کے لیے ناپسندیدہ ہے۔

ہندوستان میں ایک پہلو کو اور بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، اسلام کے اصلی حامل و مبلغ عرب تھے، ان میں اسلام کی جو اسپرٹ تھی وہ دوسری مسلمان قوموں میں نہ تھی، ہندوستان میں جن مسلمان خاندانوں نے حکومت کی وہ سب وسط ایشیا کے مغل اور پٹھان تھے، جن کا مذہب ضرور اسلام تھا لیکن ان کا تمدن، ان کی تہذیب اور بہت سی خصوصیات ان کی قومی تھیں، اس لیے عربوں نے جن ملکوں کو فتح کیا اور جہاں حکومت کی ان کے دلوں کو بھی اسلامی عدل و مساوات نے فتح کرلیا اور وہ سب مسلمان ہوگئے، چنانچہ آج بھی یہ سارے ملک اسلامی ہیں بلکہ جن ملکوں کو عربوں نے تلوار سے نہیں فتح کیا صرف ان کے قدم وہاں پہنچ گئے ان کو بھی اسلامی اخلاق نے مسلمان بنالیا اس کی مثال انڈونیشیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں وسط ایشیا کی قوموں میں یہ اسپرٹ نہ تھی بلکہ ان میں مغل اور آرین قوموں کا احساس برتری اور حاکمیت ومحکومیت کا پرانا تصور باقی تھا اس کے اثرات مذہب میں بھی نظر آتے ہیں بلکہ ان کے علما وفقہا میں بھی وہ وسعت و رواداری نہیں ہے جو عرب علما وائمہ میں تھی، جس کا اثر ذمیوں کے متعلق ان کی فقہی کتابوں میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے، ابتدا میں یہاں جن خاندانوں نے حکومت کی ان کو فطرتاً شروع میں ہندوستان سے وطنی تعلق نہ پیدا ہوا تھا اور ان کی حیثیت محض حاکمانہ تھی، پھر جس قدر زمانہ گذرتا گیا ہندوستان سے ان کا تعلق بڑھتا گیا اور یہاں کے لوگوں سے مانوس ہوتے گئے، اسی قدر ان کا طرزِ حکمرانی بدلتا گیا، مغلوں نے ہندوستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا تھا اور بالکل ہندوستانی بن گئے تھے اور ان کی حکومت بھی موجودہ اصطلاح میں سیکولر بن گئی تھی، ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور اس کے بنانے اور سنوارنے میں کم وبیش ان سب حکمرانوں کا حصہ رہا ہے خصوصاً مغلوں نے اس کو صحیح معنوں میں ہندوستان جنت نشاں بنادیا، اسلامی دور میں ہندوستان کو جو گوناگوں فوائد حاصل ہوئے اس سے کوئی تاریخ داں انکار نہیں کرسکتا۔

تیرہواں باب

حیوانوں کے حقوق

گوشت انسانی غذا ہے، اس لیے تقریباً سارے مذاہب میں جانوروں کے شکار اوران کوذبح کر کے کھانے کی اجازت ہے، دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی عبادت میں قربانی نہ ہو، صرف ہندوستان کے بعض مذاہب میں حیوانوں کوایذا پہنچانا حرام ہے، اس بارہ میں اسلام کی تعلیم بڑی معتدل ہے، اس نے اپنی رحمت سے حیوانوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے، اس نے صرف غذا کی ضرورت کی حد تک حیوانوں کے شکار اوران کوذبح کر کے ان کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (حج-۴)

اُن چیزوں کے سوا جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (یعنی حرام جانور جن کی قرآن مجیداور احادیث نبویؐ میں تفصیل موجود ہے) باقی سب چار پائے تمھارے لیے حلال ہیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيَاتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ وَمَا لَكُمْ اَنْ

پس جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کو کھاؤ، اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے

لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (انعام-۱۴۳)

ہو اور جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کے نہ کھانے کا سبب کیا ہے حالانکہ جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کردی ہیں اس کی تفصیل تمھارے لیے بیان کردی ہے مگر یہ کہ (شدت گرسنگی کی وجہ سے) تم اس کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (مائدہ-۱)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی ہیں، ان سے کہہ دو کہ کھانے کی سب پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں اور شکاری جانور جو تم نے سدھا رکھے ہوں اور شکار کا طریقہ جیسا کہ تم کو خدا نے سکھایا ہے ویسا ہی ان کو سکھا دیا ہو (یہ شکاری جانور) جو شکار تمھارے لیے پکڑیں (اور وہ ذبح کرنے سے پہلے مرجائے) تو اس کو کھاؤ مگر اس پر خدا کا نام لے لیا کرو (یعنی شکاری جانور کو چھوڑتے وقت) اور خدا سے ڈرتے رہو اللہ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ان حرام جانوروں کے علاوہ جن کی تفصیل قرآن مجید یا احادیث نبویؐ میں ہے، باقی تمام جانوروں کا گوشت جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو خواہ ذبیحہ ہو یا شکار کیا ہوا حلال ہے، لیکن غذائی ضرورت کے علاوہ کسی جانور کو بے کار مارنا

یا ان کو ایذا پہنچانا گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کو بڑا گنہگار قرار دیا ہے، ایک جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے لطف اندوز ہونے کے بعد طلاق دے دی اور مہر نہ ادا کی، دوسرے جس نے کسی مزدور سے کام لیا اور اجرت نہ دی، تیسرے جس نے کسی جانور کو بے کار ہلاک کیا۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گوریا یا اس سے بھی چھوٹا جانور اس کے حق کے بغیر یعنی بلاضرورت مارے گا تو خدا اس کی باز پرس کرے گا، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے، فرمایا اس کو ذبح کر کے کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گوریا کو بھی بے کار مارے گا تو قیامت کے دن وہ خدا سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے مجھ کو بے کار قتل کیا، کسی فائدہ کے لیے نہیں مارا۔(۲)

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ جو جانور حرام ہیں اور کسی کو نقصان نہیں پہونچاتے، ان کو بھی مارنا جائز نہیں، ذبح کرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف پہونچے مثلاً تیز چھری سے ذبح کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ ہر چیز پر احسان کرنا فرض ہے، جب تم کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقہ سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو، ذبح کرنے والا چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے (۳) کیوں کہ اس سے جلد روح نکل جاتی ہے اور ذبیحہ کو دیر تک تکلیف نہیں ہوتی، اسی بنا پر کنکر، پتھر اور غلیل سے شکار کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن شکست کھا سکتا ہے، البتہ

---

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ کتاب النکاح باب اعظم الذنوب عند اللہ (۲) یہ دونوں روایتیں نسائی کتاب الضحایا باب ذبائح الیہود میں ہیں۔ (۳) مسلم کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل وتجدید الشفرۃ

دانت ٹوٹ سکتا ہے اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔(۱) یعنی اس سے شکار فوراً نہیں مرتا بلکہ تڑپتا رہتا ہے اور اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

جانور ذبح کرتے وقت رقیق القلب لوگوں میں جو رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی باعث اجر ہے، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: جب بکری ذبح کرتا ہوں تو مجھے رحم آتا ہے، فرمایا: اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا۔(۲)

جانوروں کو ایذا پہنچانے کی جتنی شکلیں اس زمانہ میں عرب میں رائج تھیں، ان کو حرام قرار دیا، عام دستور تھا کہ نشانہ بازی کی مشق کے لیے جانوروں کو باندھ کر ان پر نشانہ لگاتے تھے، اس کی ممانعت فرمادی، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی جاندار کو نشانہ نہ بناؤ، دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو کسی جاندار کو نشانہ بناتا ہے، اسی طریقہ سے زندہ جانوروں کو مثلہ کرنے یعنی ان کا کوئی زندہ عضو کاٹنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔(۳)

بے زبان جانوروں کو بھی بھوکا رکھنا یا اور کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے، ایک عورت کی نسبت فرمایا کہ اس پر صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر اس کا کھانا پینا بند کردیا، جس سے وہ مرگئی۔(۴)

چیونٹیوں تک کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی سفر میں تھے، صحابہ بھی ساتھ تھے، ایک مقام پر پڑاؤ ہوا، ایک ضرورت سے تشریف لے گئے واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صحابی نے ایسی جگہ چولھا جلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بل تھی، آپ نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے، صحابی نے عرض کیا میں نے، فرمایا: اس کو جلدی بجھاؤ۔(۵)

---

(۱) بخاری کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبدقة (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۳۶
(۳) یہ سب روایتیں نسائی باب ذبائح الیہود اور مسلم کتاب الصید والذبائح باب النہی عن صبر البہائم میں ہیں (۴) یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے (۵) مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۳

ایک مرتبہ جہاد کے ایک سفر میں صحابۂ کرامؓ ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، چڑیا بچوں کی محبت میں ان کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا اس کے بچوں کو کس نے پکڑ کر اس کو بے قرار کیا ہے، ان کو فوراً چھوڑ دو، بعض صحابہ نے چیونٹیوں کا گھر جلا دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: آگ کی سزا دینا صرف خدا کے لیے سزاوار ہے۔(۱)

جانوروں کو ستانا گناہ ہے لیکن عام طور سے لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے، رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی کہ تم لوگ جانوروں کو جس طرح ستاتے ہو اگر خدا اس کو معاف کر دے تو سمجھو کہ اس نے تمھارے بہت سے گناہ معاف کر دیئے۔(۲)

جس طرح جانوروں کو ستانا اور ان کو ایذا پہنچانا گناہ ہے، اسی طرح ان کو آرام پہنچانا ثواب کا کام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ سبق آموز واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کہیں جا رہا ہے، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی اتفاق سے ایک کنواں نظر آیا، اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پیا باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے زبان نکالے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس کو اس پر ترس آ گیا، دوبارہ کنوئیں میں اتر کر پانی لا کر اس کو پلایا، خدا نے اس کے صلہ میں اس کو بخش دیا، یہ واقعہ سن کر صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اجر ملتا ہے، فرمایا: ہر جاندار کے ساتھ سلوک کرنا ثواب ہے۔(۳)

ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے اونٹوں کے لیے پانی کے حوض بنائے ہیں، بھولے بھٹکے اونٹ بھی اس میں پانی پینے کے لیے آ جاتے ہیں، اگر ان کو پانی پلا دوں تو کیا مجھ کو ثواب ملے گا، فرمایا: ہر پیاسے اور جاندار کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراہیۃ حرق العدو فی النار (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۴۱
(۳) بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم

ملتا ہے۔(۱)

انسان جو درخت لگاتا یا کھیتی کرتا ہے اس کے پھل اور غلے جو انسان یا جانور کھاتا ہے یا جو چڑیاں چگتی ہیں وہ بھی صدقہ ہے۔(۲)

جانوروں کے چارے اور دانے پانی وغیرہ کا خیال رکھنا چاہیے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سواری کرو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، اس میں ایک اونٹ تھا وہ آپ کو دیکھ کر بلبلایا اور آبدیدہ ہو گیا، آپؐ اس کے پاس گئے اور اس کی کنپٹی پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور پوچھا یہ کس کا اونٹ ہے، ایک انصاری نوجوان نے کہا: میرا، فرمایا: اس جانور کے بارہ میں جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے اور اس پر سختی کرتے ہو۔(۳)

سواری کے جانوروں کو تیز چلانے یا سرکش جانوروں کو قابو میں رکھنے کے لیے عموماً لوگ ان کو مارتے ہیں، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پر نشان لگانے کے لیے ان کو داغتے ہیں، اس کی تو اجازت ہے لیکن منہ پر مارنے اور اس کو داغنے کی ممانعت ہے، ایسا کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔(۴)

تفریح کے لیے جانوروں کو لڑا کر ان کا تماشہ دیکھنا بہت پرانا دستور ہے، جو اب بھی قایم ہے اس سے جانوروں کے زخمی ہونے اور ہلاک ہو جانے کے علاوہ اور کوئی فائدہ

---

(۱) ابن ماجہ باب فضل صدقۃ الماء (۲) بخاری باب ابواب الحرث والمضارعۃ باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ (۳) یہ دونوں روایتیں ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر بہ من القیام علی الدواب میں ہیں۔(۴) ابوداؤد کتاب الجہاد باب وسم الدواب

نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی ممانعت فرمادی۔(۱)

جانوروں پر شفقت کی انتہا یہ ہے کہ غصہ اور جھلاہٹ میں ان پر لعنت بھیجنے تک (۲) کی ممانعت ہے، سفر وحضر ہر حالت میں جانوروں کی آرام و آسایش کا خیال رکھنا چاہیے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے زمانہ میں سفر کرو تو ان کو تیزی کے ساتھ چلاؤ(۳) تاکہ قحط کے زمانہ میں ان کو چارہ کی جو تکلیف ہوتی ہے، اس سے جلد نجات مل جائے۔

جو جانور جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی کام لینا چاہیے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار تھا، بیل نے مڑکر اس سے کہا کہ میں اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔(۴)

ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے صرف اس لیے تمھارا تابع کیا ہے کہ تم کو وہ ایسے مقامات پر آسانی کے ساتھ پہنچادیں جہاں تم مشقت اٹھانے کے بعد پہنچ سکتے، خدا نے تمھارے لیے زمین کو پیدا کیا ہے، اس لیے اپنی ضرورتیں اسی پر پوری کیا کرو(۵) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت غیر ضروری مشقت کا بار جانوروں پر نہ ڈالنا چاہیے لیکن ضرورت کے وقت کام لیا جاسکتا ہے۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ اسلام کا دامنِ رحمت اتنا وسیع ہے کہ وحوش وطیور تک اس سے محروم نہیں ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بلاضرورت سرسبز وشاداب اور پھلدار درختوں تک کو کاٹنے اور ان کو نقصان پہونچانے کی ممانعت ہے، جنگ کی حالت میں عموماً

---

(۱) ابوداؤد باب تحریش البہائم (۲) کتاب الصید والذبائح باب نہی عن لعن الدواب وغیرھا

(۳) مسلم کتاب الامارۃ باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب فی السیر والنہی عن التعریس فی الطریق

(۴) بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب استعمال البقر للحراثۃ (۵) ابوداؤد کتاب الجہاد باب الوقوف علی الدابہ

فوجیوں سے ہر قسم کی بے عنوانی ہو جاتی ہے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ فوجی افسروں کو جنگی مہموں پر بھیجتے وقت جو ہدایت فرماتے تھے ان میں ایک ہدایت یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹیں گے اور نخلستانوں کو نہ جلائیں گے (۱) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب جنگ کی حالت میں بلاضرورت مفید اور کارآمد درختوں کو کاٹنے کی ممانعت ہے تو امن کی حالت میں اور بھی زیادہ ہوگی۔

☆☆☆

(۱) تاریخ الخلفا سیوطی ص ۹۶

چودھواں باب

مسلمانوں کے علمی احسانات

قدیم علوم کا تحفظ اور ان کی ترقی

یہ مسلمانوں کا قابلِ فخر کارنامہ اور دُنیا پر ان کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے دوسری قوموں کے علوم اور ان کے اصحابِ کمال سے کسی قسم کا تعصب نہیں برتا، ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گوشۂ گمنامی سے نکالا، ان کو محفوظ کر کے ترقی دی، خود بھی ان سے فائدہ اٹھایا اور دنیا سے اس کو روشناس کر کے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا، یہ علوم یونانی، سریانی، لاطینی، ایرانی اور ہندوستانی تھے، اس لیے ان کے جاننے والے بھی زیادہ تر عیسائی، یہودی، صابی، مجوسی اور ہندو تھے، ان کو جمع کر کے ان کی قدر دانی کی، ان کے مراتب بڑھائے، ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور ان سے ان علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرایا، ان کی تصحیح و اصلاح کی، ان کے شروح وحواشی لکھے پھر ان سے واقفیت کے بعد ان فنون پر مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا، بہت سے قدیم خصوصاً یونانی علوم مسلمانوں ہی کی بدولت زندہ رہے، اگر انھوں نے ان کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ جاتا اور وہ موجودہ علمی ترقی سے محروم رہ گئی ہوتی، اس کا آغاز بنی امیہ ہی کے زمانہ میں ہوگیا تھا، لیکن اصلی علمی دور عباسی عہد سے

شروع ہوا، منصور عباسی نے اس کی ابتدا کی، ہارون رشید نے آگے بڑھایا اور مامون نے اوجِ کمال تک پہنچایا، اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لیے اس باب میں اس کا صرف اجمالی ذکر کیا جائے گا۔

اموی عہد میں: اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اموی خاندان کے ایک رکن خالد بن یزید بن معاویہ کو جو بڑا فاضل تھا کیمیا سے بڑی دلچسپی تھی، اس کی تعلیم اس نے ایک عیسائی عالم مریانس سے حاصل کی تھی (۱) اور اس میں اتنی دست گاہ پیدا کی کہ خود اس پر کئی کتابیں لکھیں، ابن ندیم نے اس کی تصانیف میں کتاب الحرارۃ، کتاب الصحیفۃ الکبیر اور کتاب الصحیفۃ الصغیر کے نام لکھے ہیں (۲) اس نے ایک عالم اصطفن سے بعض کتابوں کا ترجمہ بھی کرایا تھا (۳) عبدالملک کے کاتب سالم نے سکندر کے نام ارسطو کے خطوط کا ترجمہ کیا (۴) ایک یہودی عالم ماسرجویہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لیے یونانی حکیم اھرن القس کی قرابادین کا ترجمہ کیا۔ (۵)

بنی امیہ کے زمانہ میں بعض اور ترجمے بھی ہوئے لیکن ان کی حیثیت انفرادی ذوق کی تھی، منظم علمی دور عباسی عہد سے شروع ہوا، ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے۔

عباسی دور: اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے دوسری قوموں کے علوم کی طرف توجہ کی، وہ ایک فاضل خلیفہ تھا، فقہ میں مہارت کے ساتھ فلسفہ و نجوم میں بھی کمال رکھتا تھا، خصوصاً نجوم سے بڑا شغف تھا (۶) چنانچہ اس نے قیصر روم سے یونانی علوم کی کتابیں مانگ بھیجیں، اس نے اقلیدس اور طبعیات کی چند کتابیں بھیجیں (۷) ان کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں فراہم کر کے ان کا ترجمہ کرایا، جورجیس طبیب نے طبی اور بطریق نے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کا ترجمہ کیا (۸) اس کا درباری منجم نوبخت مجوسی

---

(۱) ابن خلکان ج۱ ص۳۰۰ (۲) فہرست ابن ندیم ص۴۹۷ (۳) ایضاً ص۳۴۰ (۴) ایضاً (۵) اخبار الحکما قفطی ص۲۱۳ (۶) طبقات الامم ص۴۸ (۷) مقدمہ ابن خلدون ص۴۰۱ (۸) تاریخ الاطباج اول ص۱۱۳

اپنے زمانہ کا بڑا نامور منجم تھا، اسکے بعد اس کا لڑکا ابوسہل باپ کا جانشیں ہوا، اس کا مجوسی نام بڑا لمبا تھا منصور نے نام سن کر کہا یا اپنا نام مختصر کرو یا اپنی کنیت ابوسہل رکھو، چنانچہ اس نے ابوسہل کنیت اختیار کرلی اور اسی نام سے مشہور ہوا (۱) نجوم سے منصور کے شغف کی خبر سن کر ہندوستان کا ایک منجم بغداد پہنچا اور ہندوستانی ہیئت کی کتاب سدھانت منصور کی خدمت میں پیش کی (۲) منصور نے محمد بن ابراہیم فزاری سے عربی میں اس کا ترجمہ کرایا اس نے اس کی مدد سے ایک کتاب سندھ ہند کبیر لکھی جو مامون کے زمانہ پر معمول بہ رہی (۳) اس کی مزید تفصیل آیندہ آئے گی، اس زمانہ میں عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ کیا اس کے علاوہ اور بھی فارسی کتابوں کے ترجمے ہوئے ان کا ذکر بھی آیندہ آئے گا۔

منصور کے بعد ہارون نے اس کام کو اور آگے بڑھایا، اس کو انقرہ، عموریہ اور دوسرے رومی شہروں کی فتوحات میں جو کتابیں ملی تھیں ان کے ترجمہ کے لیے یوحنا بن ماسویہ کی زیر نگرانی ایک مستقل محکمہ قایم کیا اور کئی مترجم اس کی مدد کے لیے مامور کیے (۴) حجاج بن مطر نے اقلیدس کا پہلا ترجمہ کیا جو ہارون کی نسبت سے ہارونی مشہور ہے۔ (۵)

ہارونی عہد میں برامکہ کی علم دوستی سے علم وفن کو بڑا فروغ ہوا خود یحیٰی بن خالد برمکی نے مجسطی کا ترجمہ کیا تھا، طب کی بعض کتابوں کے بھی ترجمے ہوئے۔

اس کے بعد جب مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نقطہ کو دائرہ اور اس زمین کو آسمان بنادیا، مامون بڑا فاضل تھا جملہ فنون میں اس کو کمال حاصل تھا، خصوصاً فلسفہ سے بڑی دلچسپی تھی اگر اس کی جانب بادشاہت کی نسبت نہ ہوتی تو تاریخ اسلام کے نامور علما میں اس کا شمار ہوتا، اس نے اپنی ساری کوشش اور تمام ذرائع علم وفن کی خدمت وترقی میں صرف کردیئے، بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ایک بیت الحکمۃ قایم کیا اور مختلف قوموں اور ملکوں سے ان کے علوم کی کتابیں منگا کر بیش قرار تنخواہوں پر مترجم مقرر کیے اور ہر قوم وملت کے اصحابِ کمال

---

(۱) تاریخ مختصر الدول ابن العربی ص ۲۱۶ (۲) طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۴۹-۵۰ (۳) ایضاً (۴) اخبار الحکما ص ۲۴۹ (۵) فہرست ابن ندیم ص ۳۷۱

جمع کر کے ان کے وظائف مقرر کیے، ان کے مراتب بڑھائے، اس کی قدر دانی دیکھ کر دور دور کے علما کھنچ کھنچ کر بغداد میں جمع ہو گئے اور وہ اس زمانہ میں علم وفن کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں۔

جب ساتواں عباسی خلیفہ مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنے دادا منصور کے کام کو جس کی اس نے ابتدا کی تھی کمال تک پہنچایا اور اپنی ہمت کی بلندی اور اپنے نفس کی شرافت وفضیلت سے علوم کو ان کے خزانوں اور مرکزوں سے نکالنے کی طرف توجہ کی اس کے لیے روم کے بادشاہوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان کو قیمتی تحفے بھیج کر اس کے معاوضہ میں ان سے فلاسفہ کی کتابیں مانگ بھیجیں، چنانچہ انھوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ حکمائے یونان کی کتابیں بھیجیں، مامون نے ماہر مترجموں سے ان کا ترجمہ کرایا اور لوگوں کو ان کے پڑھنے اور ان کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق دلایا، اس کی کوششوں سے اس کے زمانہ میں علم کا بازار گرم ہو گیا اور صحیح معنوں میں علم وحکمت کی حکومت قایم ہوگئی، جب علما اور اصحاب وجاہت نے دیکھا کہ مامون اصحاب علم وکمال کو مقرب بناتا اور ان کی صحبت میں بیٹھتا، ان کے علمی مباحث سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان کو بڑے بڑے عطیے وانعامات دیتا ہے تو اس میدان میں مسابقت کا شوق پیدا ہو گیا، مامون کا سلوک فقہا، محدثین، متکلمین، اہل لغت واخبار اور نساب وشعر وادب کے فاضلوں کے ساتھ یکساں تھا، اس لیے اس کے زمانہ میں مختلف فنون کے فضلا نے فلسفہ کی مختلف شاخوں میں مہارت پیدا کی اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے طب کا راستہ ہموار کیا، ادب کے آئین وضع کیے اور دولت عباسیہ رومنوں کے عہد شباب کا مقابلہ کرنے لگی۔ (۱)

مامون کے زمانہ میں یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، عبرانی اور لاطینی وغیرہ مختلف زبانوں کی کتابیں ترجمہ ہوئیں جن کے جاننے والے قریب قریب کل غیر مسلم تھے، اس لیے وہی مترجم بھی تھے، مسلمان بہت کم تھے، منصور اور ہارون کے بعض مترجم مامون

---

(۱) طبقات الامم ص ۴۸

کے زمانہ تک رہے، مشہور غیر مسلم مترجموں کے نام یہ ہیں۔

بطریق، یحییٰ بن بطریق، حجاج بن مطر، عبدالمسیح، سلام الابرش، حبیب بن بہریز مطران زروبابن ماجورہ، ہلال بن ابی ہلال حمصی، تذاری، فیتون، بسیل المطران، ابونوح بن صلت اسطاث، جیرون، اصطفن بن باسل، تیوفیلی، عیسٰی بن نوح، تدرس النسقل، داریع الراہب ہیابثون، چلیپا، ایوب الرہاوی، یوحنا بن یوسف، قسطا بن لوقا بعلبکی، داریشوع (۱)

ان کے علاوہ حنین بن اسحاق عبادی، اسحاق بن حنین، سرجیس الراس، سلمویہ بن بنان اور حی بن یونس بھی مترجمین میں تھے ان میں زیادہ تر عیسائی اور یہودی تھے۔

ثابت بن قرہ اور اس کی اولاد صابی تھی، عبداللہ بن سہل بن نوبخت اور اس کی اولاد مجوسی تھی، ابن دھون ہندو تھا (۲) چند مسلمانوں نے بھی بعض زبانوں میں مہارت پیدا کرلی تھی، عبداللہ بن مقفع فارسی کا مترجم تھا۔

ان مترجموں نے مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ کیں خصوصاً یونانی علوم کا قریب قریب پورا اہم ذخیرہ عربی میں منتقل کرلیا، ان سب کا احاطہ دشوار ہے، اس کا صرف اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یونانی علوم کی کتابیں

(فلسفہ وادب)

افلاطون کی کتابیں: کتاب السیاسۃ، کتاب المناسبات، کتاب النوامیس، طیماؤس، اقرطن کے نام افلاطون کے خطوط، کتاب التوحید، کتاب الحس واللذۃ، اصول الہندسہ۔

ارسطو کی کتابیں: قاطیغوریاس (المقولات)، کتاب العبارۃ، تحلیل القیاس، کتاب

---

(۱) ابن ندیم نے اور بہت سے نام لکھے ہیں دیکھو فہرست ص ۳۴۱ (۲) ان سب کے حالات اور ان کے تراجم وتصانیف کے نام فہرست ابن ندیم، تاریخ الحکما قفطی، طبقات الاطبا، ابن اصیبعہ، طبقات الامم ابن صاعد اندلسی وغیرہ میں ہیں۔

البرہان، کتاب الجدل، المغالطات، کتاب الخطابۃ، کتاب الشعر، کتاب السماع الطبیعی کتاب السماء والعالم، کتاب الکون و الفساد، کتاب الآثارالعلویہ، کتاب النفس، کتاب الحس والمحسوس، کتاب الحیوان، کتاب الحروف، کتاب الاخلاق، کتاب المرأۃ۔

ارسطو کی بعض کتابوں کی شرحوں کا بھی ترجمہ ہوااور مترجمین نے بھی شرحیں لکھیں ان کا ذکرابن ندیم وغیرہ نے کیا ہے۔

(۲) طب اوراس کے متعلقات

بقراط کی کتابیں: کتاب عہد بقراط، کتاب الفصول، کتاب الکسر، کتاب تقدمۃ المعرفۃ، کتاب الامراض الحادہ، کتاب ابنذیمیا، کتاب الاخلاط، کتاب قاطیطیون، کتاب الماء والھواء، طبیعۃ الانسان۔

جالینوس کی کتابیں: جالینوس کی مشہور کتابیں سولہ ہیں: کتاب الفرق، کتاب الصناعۃ، کتاب النبض، شفاء الامراض، المقالات الخمس، الانطقسات، کتاب المزاج، القوی الطبیعیہ، العلل والامراض، تعرف علل الامراض، کتاب النبض الکبیر، کتاب الحمایات، البحران، ایام البحران، تعرف علل الامراض الباطنہ، تدبیر الاصحاء، حیلۃ البراء۔

ان امہات کتب کے علاوہ جالینوس کی تقریباً پچاس دوسری کتابوں کا ترجمہ ہوا ان کے نام یہ ہیں۔

التشریح الکبیر، اختلاف التشریح، تشریح الحیوان الحی، تشریح الحیوان المیت، علم البقراط بالتشریح، الحاجۃ الی النبض، علوم ارسطو، تشریح الرحم، آراء بقراط و افلاطون، السعادات، خصب البدن، المنی، منافع الاعضا، ترکیب الادویہ الریاضۃ بالکرۃ الصغیرۃ، الریاضۃ بالکرۃ الکبیرۃ، الحث علی تعلم الطب، قوی النفس ومزاج البدن، حرکات الصدر، علل النفس، حرکۃ العضل، الحاجۃ الی النبض، الامتلاء، المرۃ السوداء، کتاب الصوت، کتاب الحرکات المجھولہ، افضل الھیئات، الادویۃ المفردہ، المولودلسبعۃ اشھر، رداء النفس، الذبول،

قوی الاغذیہ، التدبیر الملطف، مداوۃ الامراض، تدبیر بقراط للامراض الحادۃ، الی تراسوبولوس، الطبیب والفیلسوف، کتب بقراط الصحیحہ، محنۃ الطبیب، افلاطون فی طیماؤس، تقدمۃ المعرفۃ، الفصد، صفات بصی یصرخ، الاورام، الکیموس، الادویہ والادواء، التریاق۔

ان کے علاوہ دوسرے یونانی اطبا کی کتابوں کے بھی ترجمے ہوئے جن کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

(۳) ریاضیات، نجوم اور دوسرے فنون

حکیم اقلیدس کی کتابیں: اس کی مشہور کتاب اقلیدس کا پہلا ترجمہ ہارون کے زمانہ میں ہوا تھا، جو ہارونی کے نام سے موسوم ہوا، یہ ترجمہ ناقص تھا، اس لیے مامون نے دوسرا ترجمہ کرایا جو مامونی کے نام سے موسوم تھا، الظاہرات، کتاب اختلاف المناظر، کتاب الموسیقی، کتاب القسمۃ، کتاب القانون، کتاب الثقلی والخفۃ۔

ابلونیوس کی کتابیں: کتاب المحروطات، کتاب قطع السطوح، قطع الخطوط، النسبۃ المحدودۃ، الدوائر المماسہ

مقالادس: کتاب الاشکال الکردیہ، وکتاب الہندسہ

بطلیموس: المجسطی، کتاب الاربعہ، کتاب جغرافیا المعمور وصفۃ الارض، اس کے علاوہ جغرافیہ کی ۱۵ کتابوں کا اور ترجمہ ہوا۔

مختلف علوم اور مختلف حکما کی کتابیں: کتاب صناعۃ الجبر، کتاب قسمۃ الاعداد ابرخس، کتاب صنعۃ الجبر ذیوفیطس، کتاب العمل بالاصطراب المسطحہ ابیون البطریق، کتاب جرم الشمس والقمر ارسطرخس، کتاب العمل بذات الحلق، القانون المسیر، کتاب العمل بالاصطرلاب ثاون سکندری، کتاب الموسیقی الکبیر، نیقوماخس مقالات موسیقی فیثاغورس وغیرہ کتاب الریمونس، کتاب لایقاع ارسطکاس، کتاب الآلات المسوتہ المسماۃ بالارغن البوقی والارغن الرمزی مورطس میکنک کی کتابوں میں کتاب الحیل الروحانیہ، کتاب رفع الاثقال ایران،

کتاب المیاہ بادرد گو گیا۔

ان سب کتابون کے تقریباً کل مترجمین غیر مسلم تھے۔

(۴) فارسی کی کتابیں

فارسی زبان سے زیادہ تر ادب، تاریخ، سیرت اور شاعری کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ہے، ان کا ترجمہ نو بخت منجم کی اولاد اور ابن المقفع نے کیا، ان میں مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

رستم و اسفندیار، بہرام چور، خدائی نامہ، کلیلہ ودمنہ، مزدک، التاج سیرت نوشیرواں، الادب الکبیر، الادب الصغیر، الیتیمۃ، ہزار افسانہ، شہرزاد مع پرویز، دارا اور سونے کا بت، بہرام وزسی، ہزار داستان، الدب والثعلب، سیر ملوک الفرس (۱)

(۵) ہندوستانی علوم کی کتابیں

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ منصور اور ہارون ہی کے زمانہ میں ہندوستانی اطبا اور منجمین بغداد پہنچ گئے تھے مگر اس زمانہ میں 'سدھانت' کے علاوہ اور کسی کتاب کے ترجمے کا پتہ نہیں چلتا، مامون نے ہندوستانی علوم کے ترجمے کی طرف بھی توجہ کی، طب، نجوم، ہیئت اور ریاضی ہندوستان کے خاص فن تھے، ان میں ہندوستانیوں کو بڑا کمال حاصل تھا اور ان فنون میں ان کی اہم تصانیف تھیں، ان میں منکہ، صالح بن بہلہ، شاناق، ابن دھن، کنکہ اور سنجہل کا ذکر عربی کتابوں میں ملتا ہے، منکہ اور صالح بن بہلہ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، منکہ فارسی اور عربی

(۱) یونانی فنون اور فارسی کی کتابوں کے ترجموں کا ذکر ابن ندیم نے مختلف فنون کے ماتحت کیا ہے طبقات الاطبا اور اخبار الحکما میں بھی ان فنون کے علما کے حالات میں ان کی کتابوں کا ذکر ہے، جرجی زیدان نے تاریخ تمدن اسلامی میں اور ڈاکٹر احمد رفاعی مصری نے عصر المامون کے پہلے حصہ میں مرتب طریقے سے کیا ہے، یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔

سے بھی واقف تھا اور سنسکرت کی کتابوں کا ان دونوں زبانوں میں ترجمہ کرتا تھا(۱) شاناق طب اور نجوم کا ماہر تھا، اس کی ایک کتاب کتاب السموم کا منکہ نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا پھر مامون کے زمانہ میں عباس بن سعید جوہری نے اس کو عربی میں منتقل کیا(۲) ابن دھن برامکہ کے شفاخانے کا افسر اعلیٰ تھا اور عربی میں سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا(۳) کنکہ طب اور نجوم کا بڑا فاضل تھا، ان دونوں فنون میں اس کی تصانیف تھیں، ان کے نام ابن اصیبعہ نے لکھے ہیں(۴) سنجھل بھی ان دونوں فنون کا ماہر تھا اور ان میں اس کی تصانیف تھیں، ابن اصیبعہ نے اس کی بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں، ان کے علاوہ باکھر، داہر، انکر، اتکل، جودر اور راندی کے نام بھی لیے ہیں(۵) ان سب کی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے مگر اب ان کا صرف نام کتابوں میں ملتا ہے۔

جن کتابوں کے ترجمہ کا صراحت سے پتہ چلتا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

طب: سسرو(ششرت) کی ایک کتاب، چرک کی ایک کتاب، اسماء عقاقیر الہند، مختصر الہند فی العقاقیر، علاجات الحبالیٰ للہند، کتاب فی علاجات النساء، یہ ایک ہندوستانی عورت روسا کی تصنیف ہے، کتاب التوہم فی الامراض والعلل، کتاب رای الہند فی اجناس الحیات وسمومہا، استانکر الجامع، کتاب البیطرہ، کتاب بداں، کتاب صدرۃ الج، ان کتابوں کا ذکر رازی نے بھی جابجا حاوی میں کیا ہے۔

نجوم و ہیئت: ہیئت میں سب سے اہم کتاب 'سدھانت' ہے، جس کا منصور کے زمانہ میں ترجمہ ہوا تھا، یہ ہیئت کی بنیادی کتاب تھی اس لیے مسلمان علمائے ہیئت نے اس کی طرف بڑی توجہ کی، مامون کے زمانہ میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے 'السندھ الہند الصغیر' کے نام سے اس کا اختصار کیا اور اس کی اور یونانی وایرانی ہیئت کی کتابوں کی مدد سے اپنی مشہور و معروف زیچ تیار کی، اس میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ کیا جس کو علمائے ہیئت نے بہت پسند کیا

---

(۱) طبقات الاطباج ۲ ص ۳۳ (۲) ایضاً ص ۳۴ (۳) فہرست ابن ندیم ص ۳۴۲

(۴) طبقات الاطباج ۲ ص ۳۲ (۵) ایضاً

اوران میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی (۱) مامون ہی کے زمانہ میں شماسیہ میں پہلی رصدگاہ قایم ہوئی اور یحیٰ بن ابی منصور، خالد بن عبدالملک مروزی، سندھ بن علی اور عباس بن علی نے زیچیں کر کے کواکب کا مشاہدہ کیا (۲) کتاب النمو دار فی الاعمار، کتاب اسرار المواليد، کتاب القرآنات الکبیر، کتاب القرانات الصغیر، کتاب فی احداث العالم والدور فی القرآن کتاب المواليد الکبیر، کتاب اسرار المسائل، اھرقن، ارجنبد وغیرہ۔

اس سلسلہ میں البیرونی کا جو اگرچہ چوتھی پانچویں صدی کا آدمی ہے تذکرہ ضروری ہے، وہ سنسکرت کا عالم اور ہندوستانی علوم خصوصاً نجوم، ہیئت وریاضت کا بڑا فاضل تھا، اس نے ہندوستانی علوم وآداب کی اتنی خدمت کی جو خود ہندوؤں سے بھی نہ ہوسکی تھی، اس نے سنسکرت کی کتابوں کا عربی میں اور عربی تصانیف کا سنسکرت میں ترجمہ کیا اور ہندوستانی علوم پر مستقل کتابیں تصنیف کیں، جن کے ذریعہ دنیا ہندوستان اور ہندوستانی علوم سے آگاہ ہوئی، اس کی بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں، ان میں کتاب الہند اور قانون مسعودی زیادہ مشہور ہیں۔

ادب اوراس کے متعلقات: کلیلہ ودمنہ اس کا عربی نثر ونظم دونوں میں ترجمہ ہوا، کتاب سندباد الکبیر، کتاب سندباد الصغیر، کتاب البد (بدھ) کتاب بوذاسف، کتاب ادب الہند والصین، کتاب للہند فی قصۃ ھبوط آدم، کتاب دیک الہندی فی الرجل والمرأۃ، کتاب البیدبا فی الحکمۃ بوداسف وبلودھر، حکمت کی ایک اہم کتاب (۳)

مختلف علوم وفنون: ان کے علاوہ منطق، موسیقی، کیمیا، جوتش، رمل، منتر، جادو وغیرہ کی شکرت کی بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں، بعض ایسی کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جن کے موضوع کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ (۴)

طبقات الامم ص ۵۰ واخبار الحکما ص ۱۷۲ (۲) طبقات الامم ص ۵۰ (۳) سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ کا ذکر ابن ندیم، طبقات الاطبا، اخبار الحکما اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں ہے۔
(۴) مولانا سید سلیمان ندوی نے عرب وہند کے تعلقات میں ان سب کتابوں کا استقصا کیا ہے، ہم نے صرف اہم کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۵) کلدانی یا نبطی کتابیں

نبطی یا کلدانی زبان بھی اس عہد کی علمی زبانوں میں تھی، اس کی متعدد اہم کتابوں کا ترجمہ ہوا ان میں سے سب سے اہم کتاب الفلاحۃ اپنے موضوع پر منفرد تھی، اس میں کھیتی اور پھل دار درختوں کی کاشت، ان کی اصلاح و ترقی اور آفات ارضی و سماوی سے ان کے تحفظ کی تفصیل درج تھی، نبطی اس کو کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے، احمد بن علی بن مختار نبطی المعروف با بن وحشیہ نے اس کو بڑی مشکل سے حاصل کر کے عربی میں اس کا ترجمہ کیا، ورنہ یہ نادر کتاب ضائع ہوگئی ہوتی، کتاب الفلاحۃ الصغیر۔

ان کے علاوہ مختلف فنون کی حسب ذیل کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

کتاب اسرار الکواکب، کتاب الحیاۃ والموت فی علاج الامراض، کتاب الطبیعۃ، کتاب دور علی مذہب نبط، کتاب القرابین، کتاب مذاہب الکلدانیین فی الاصنام، کتاب السحر الکبیر، کتاب السحر الصغیر، کتاب فی الطلسمات، کتاب الاصنام، کتاب الاسماء۔

(۶) عبرانی اور لاطینی (۱)

یہودیوں کا علمی ذخیرہ زیادہ تر مذہبی قوانین اور شرعی آئین و آداب پر مشتمل تھا، ان کو تالمود سے عربی میں منتقل کیا گیا، بہت سے یہودی عہد رسالت میں اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے عہد صحابہ ہی سے اس کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جس کے آثار آج تک اسرائیلی روایات میں ملتے ہیں، لیکن ان میں تورات کے عربی ترجمہ کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہی، تورات کا ترجمہ عباسی عہد میں سعید فیومی نے کیا تھا۔

لاطینی اس عہد کی علمی زبان تھی، اس میں فلسفۂ تاریخ اور قوانین کا بڑا ذخیرہ تھا،

---

(۱) کلدانی، لاطینی اور سریانی کتابوں کے ترجمے کا ذکر بھی ابن ندیم نے متفرق طور سے کیا ہے، ڈاکٹر احمد رفاعی نے مرتب طریقہ سے ان کو یکجا کر دیا ہے، ہم نے اسی سے نقل کیا ہے۔

ان کے تراجم کا ذکر تو نہیں ملتا لیکن یقیناً لاطینی کی کتابوں کا بھی ترجمہ ہوا، اس لیے کہ مامونی عہد کے مترجم یحییٰ بن بطریق کی زبان لاطینی ہی تھی، اس نے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ لاطینی رہی ہوں گی۔

دو چار کتابوں کے علاوہ یہ پوری فہرست مامونی عہد کے ترجموں کی ہے، دوسرے خلفا کے زمانہ میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ سلسلہ قایم رہا، اس سے اندازہ ہوگا کہ عباسی خلفا نے اس عہد کے اہم علوم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی میں منتقل کر لیا تھا اور محض نقل و ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں میں ان علوم کے بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، جنھوں نے ان کو بڑی ترقی دی اور ان پر مستقل کتابیں لکھیں، ان سے متعلق عملی تجربات اور بہت سے نئے علوم پیدا کیے عباسی دور کی اس علمی حرکت سے سارے اسلامی ملک متاثر ہوئے، چنانچہ اس زمانہ میں جو نئی حکومتیں قایم ہوئیں، وہ سب علمی میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں، خاص طور سے اندلس کی اموی اور مصر کی فاطمی حکومت نے بڑے عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیئے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ عباسیوں کے زمانہ میں جو علمی نہضت شروع ہوئی تھی، امویوں نے اس کو اوجِ کمال تک پہنچایا اور بغداد کے بعد اندلس نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ اس دور کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا جس کے ذریعہ یورپ میں علم کی روشنی پھیلی۔

اندلس کے اکثر خلفا علم دوست تھے، مگر ان میں حکم مستنصر باللہ (۳۵۰-۳۶۶) کو امویوں میں وہی درجہ حاصل تھا جو عباسیوں میں مامون کا تھا، ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے کہ امیر حکم مستنصر باللہ کو علم وفن اور اصحابِ علم سے بڑا شغف تھا، اس نے بغداد، مصر اور مشرقی ملکوں سے اس کثرت سے جدید و قدیم علوم کی اہم اور نادر کتابیں جمع کیں کہ اس کا کتب خانہ عباسیوں کے صدیوں کے جمع کردہ ذخیرہ کی ہمسری کرنے لگا اور اس کے زمانہ میں لوگوں میں قدیم علوم کے پڑھنے اور ان کے مذاہب سے واقفیت پیدا کرنے کا عام ذوق پیدا ہو گیا۔(۱)

---

(۱) طبقات الامم ص ٦٦

مقری کا بیان ہے کہ حکم مستنصر باللہ بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا، علم ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا، اس کے لیے اس نے ساری لذتیں ترک کردی تھیں، اس نے کتابوں کی فراہمی میں بڑی دولت صرف کی، دور دراز ملکوں میں آدمی بھیج کر کتابیں منگائیں، بڑے بڑے کتب خانوں میں کتابیں نقل کرنے کے مستقل کاتب مقرر تھے، اس کا کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے وصف سے قلم قاصر ہے، اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں، ان میں بیشتر کتابیں اس کے مطالعہ میں رہ چکی تھیں اور اس پر اس کے حواشی اور نوٹ تھے۔(۱)

بنی امیہ اندلس کے نامور انگریز مورخ ایس. پی. اسکاٹ نے حکم کی علم دوستی اور اس کے کتب خانہ کا حال کئی صفحوں میں لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم بڑا علم دوست خلیفہ تھا، اس کو ہر قسم کی علم وفن کی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، اس کے گماشتے کتابوں کی خریداری کے لیے تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے جو بڑی بڑی قیمتوں پر کتابیں خریدتے تھے بڑے بڑے کتب خانوں میں نقل نویس مقرر تھے جو اہم کتابیں نقل کر کے بھیجتے تھے، کتب خانہ کی عمارت شکوہ میں قصر شاہی سے کم نہ تھی، اس کتب خانہ کی وسعت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کتابوں کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی۔(۲)

فاطمی خلفا کا قدم بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہا، ان میں عزیز باللہ (۳۶۵-۳۸۶) سب سے زیادہ علم دوست تھا، اس کا وزیر یعقوب بن کلس بھی بڑا فاضل اور علم واصحاب علم کا بڑا قدر دان تھا، ابن خلکان کا بیان ہے کہ یعقوب اہل علم کو بہت دوست رکھتا تھا، اس کے یہاں علما کا مجمع رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک علمی مجلس ہوتی جس میں مختلف علوم وفنون کے علما اور اصحابِ کمال اور اعیان دولت جمع ہوتے تھے، اس کے محل میں قرآن، حدیث، فقہ، ادب اور طب وغیرہ کی کتابوں کی نقل وکتابت کے لیے بہت کاتب مقرر تھے۔(۳)

عزیز باللہ کو بھی حاکم کی طرح کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، اس نے نادر

---

(۱) نفح الطیب ج ۱ ص ۱۸۴ (۲) تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاندلس اردو ترجمہ ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ ج ۱ ص ۱۷۶ ومابعد (۳) ابن خلکان ج ۳ ص ۳۹۲

کتابوں کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، مقریزی کا بیان ہے کہ عزیز باللہ کے قصر شاہی کا کتب خانہ دنیا کے عجائب میں تھا، پوری اسلامی دنیا میں اس سے بڑا کتب خانہ نہ تھا، اس میں ہر مذہب، فقہ، لغت، حدیث، تاریخ، سلاطین کی سیرت، روحانیات کیمیا وغیرہ کی چھ لاکھ کتابیں تھیں، ان میں اٹھارہ ہزار قدیم علوم کی تھیں، بہت سے نسخے اصل مصنفوں کے قلم کے لکھے ہوئے تھے، ایک مرتبہ عزیز باللہ کے سامنے خلیل بن احمد کی کتاب العین کا ذکر آیا، اس نے مہتمم کتب خانہ سے اپنے کتب خانہ میں اس کے نسخے دیکھنے کو کہا تو تیس سے زیدہ نسخے نکلے، جس میں ایک نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کے سامنے تاریخ طبری کا ایک نسخہ پیش کیا جو اس نے سو دینار میں خریدا تھا، عزیز نے اپنے کتب خانہ سے اس کے نسخے نکلوائے تو بیس سے زیادہ نسخے نکلے جس میں ایک نسخہ خود مصنف کے قلم کا تھا، ابن درید کی جمہرۃ البلاغۃ کے سو سے زیادہ نسخے تھے، ابن مقلہ اور ابن بواب وغیرہ مشہور خطاطوں کے لکھے ہوئے بہت سے نسخے تھے، کلام پاک کے نہایت خوشخط اور مطلا و مذہب چار نسخے تھے، مقریزی نے اس کتب خانے کے بہت سے عجائب و نوادر نقل کیے ہیں۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو مقریزی ج ۲ ص ۲۵۴-۲۵۵، ہمارا مقصد کتب خانوں کی تاریخ لکھنا نہیں ہے مگر جب ان کا ذکر آ گیا ہے تو یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دو شاہی کتب خانوں کا حال تھا اور اسلامی حکومت ایسی نہ تھی جس کا وسیع کتب خانہ نہ رہا ہو، بڑے بڑے علما اور امرا کے کتب خانے علاحدہ تھے، ہر مدرسہ اور دار العلوم میں ان کی حیثیت کے مطابق کتب خانہ بھی ہوتا تھا، اس طرح دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں کتب خانہ پھیلے ہوئے تھے، تاریخ خصوصاً جغرافیہ کی کتابوں اور سفرناموں میں جا بجا ان کا ذکر ملتا ہے، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں شہروں کے ذکر میں کہیں کہیں کتب خانوں کا بھی ذکر کیا ہے، مرو کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ جب میں مرو پہنچا تو اس وقت یہاں دس موقوفہ کتب خانے تھے اتنے بڑے اور عمدہ کتب خانے میں نے نہیں دیکھے (معجم البلدان ج ۸ ص ۳۵) اس سے کتب خانوں کی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

عزیز باللہ کے بعد حاکم بامر اللہ تخت نشین ہوا، اس کے دماغ میں کچھ خلل تھا، اس لیے وہ مجموعہ اضداد تھا، لیکن علم وفن سے اس کو بھی بڑی دلچسپی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ وہ عجیب وغریب سیرت کا انسان تھا، قدیم علوم سے اس کو بڑا ذوق تھا، نجوم کے مطالعہ میں زیادہ مشغول رہتا تھا، اس نے جبل مقطم پر ایک رصدگاہ اور ایک محل بنوایا تھا، اس میں وہ سب سے الگ زندگی بسر کرتا تھا(۱) فاطمی خلفا کے وزرا بھی علم دوست تھے، اس لیے ان کے زمانہ میں علم وفن کو بڑا فروغ ہوا، مشہور فلسفیانہ کتاب اخوان الصفا اور دنیائے اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر اسی دور کی یادگار ہے۔

مدارس: اسلامی حکومتوں کی علم دوستی نے پوری اسلامی دنیا میں مدرسوں اور اسلامی تعلیم گاہوں کا ایک جال بچھا دیا تھا، اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں باقاعدہ مدارس کے بجائے بڑے بڑے علما کے حلقۂ درس ہوتے تھے جو بجائے خود ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے، باقاعدہ مدارس کا آغاز چوتھی صدی سے ہوا، یورپین مورخین کی تحقیق ہے کہ سب سے پہلے مامون نے خراسان میں مدرسہ قایم کیا تھا(۲) اس اعتبار سے دوسری ہی صدی سے مدارس کے قیام کا آغاز ہوگیا تھا مگر عربی ماخذوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

عام مورخین مدارس کے قیام کا آغاز مدرسہ نظامیہ بغداد سے یعنی پانچویں صدی

(صفحۂ گذشتہ کا بقیہ) کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مولانا شبلی نے اسلامی کتب خانوں پر مستقل مضمون لکھا ہے جو مقالات شبلی میں شامل ہے، اسلامی ملکوں کے سیاسی انقلابات خصوصاً تاتاریوں کی یورش نے سیکڑوں کتب خانے برباد کر دئے، بے شمار کتابیں ضایع ہوگئیں، اس سے تباہی سے جو بچ گئیں ان کی تعداد بھی اتنی کثیر تھی کہ ملا کاتب چلپی طاش کبری زادہ اور فلوگل وغیرہ نے اس کی ضخیم فہرستیں مرتب کیں اور آج بھی دنیائے اسلام خصوصاً قاہرہ اور قسطنطنیہ میں اسلامی علوم وفنون کے بڑے بڑے کتب خانے موجود ہیں یورپ کے کتب خانوں میں ان کا بڑا ذخیرہ ہے، خود ہندوستان کے کتب خانوں سے اس کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مقریزی ج ۴ ص ۷۴ (۲) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا آرٹکل المامون

سے کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چوتھی صدی میں نیشاپور میں متعدد مدارس قایم ہو چکے تھے، سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر بن سبکتگین نے نیشاپور میں مدرسہ بیہقیہ اور مدرسہ سعیدیہ قایم کیے (۱) اسی زمانہ میں نیشاپور میں ایک مدرسہ ابوسعد اسماعیل بن علی واعظ استرابادی نے قایم کیا تھا، ایک مدرسہ امام ابواسحاق کے لیے کسی امیر نے بنوایا تھا (۲) ایک مدرسہ خود اہل نیشاپور نے امام ابوبکر بن حسن المعروف بابن فورک المتوفی ۴۰۶ھ کے لیے قایم کیا تھا، جس میں مختلف علوم کی تعلیم ہوتی تھی (۳) حاکم بامراللہ فاطمی نے ۴۰۰ھ میں قاہرہ میں ایک مدرسہ قایم کیا تھا اور اس میں بہت سی کتابیں منتقل کی تھیں (۴) خود نظام الملک نے ایک مدرسہ نیشاپور میں قایم کیا تھا جو مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور تھا۔

لیکن جس عظیم الشان دارالعلوم نے بغداد کو دنیائے اسلام کا تعلیمی مرکز بنادیا وہ مدرسہ نظامیہ بغداد ہے، اس کے قیام کا سہرا ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی کے سر ہے، وہ خود بڑا فاضل، علم دوست اور علما واصحاب کمال کا بڑا قدرداں تھا، اس کی علم دوستی کے سامنے برامکہ کی علم نوازی کی داستانیں قصۂ پارینہ بن گئی تھیں، نظام الملک نے بڑے اہتمام سے مدرسہ نظامیہ قایم کیا تھا، ۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ میں بڑے تزک واحتشام سے اس کا افتتاح ہوا، اس تقریب میں سارا بغداد امنڈ آیا تھا، اس کے مصارف کے لیے نظام الملک نے لاکھوں روپے کی جاگیر وقف کی، مدرسہ سے متعلق ایک ہوسٹل بھی تھا، سب طلبہ کو وظائف ملتے تھے اور اس دور کے نامور اور یگانہ روزگار علما درس و تدریس کے لیے مقرر کیے گئے تھے، امام ابواسحاق شیرازی نے نصر الطباع بن الخطیب شارح حماسہ، قطب الدین شافعی اور امام غزالی جیسے ائمہ مختلف اوقات میں مسند درس کی

---

(۱) حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۵۱ نصر بن سبکتگین ۳۸۹ میں خراسان کا والی مقرر ہوا تھا ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۳ (۲) حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۵۱ (۳) ابن خلکان ج ۳ ص ۲۸۰ (۴) حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۳۹

زینت رہے۔(۱)

نظامیہ بغداد کے علاوہ نظام الملک نے بلخ، ہرات، نیشاپور، اصفہان، بصرہ، مرو، موصل، امل اور عراق کے تمام شہروں میں مدرسے قایم کیے تھے(۲) عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ جس بستی میں کوئی بڑا عالم موجود تھا وہاں نظام الملک نے مدرسہ اور کتب خانہ قایم کردیا تھا۔(۳)

ان کے مصارف کا بڑا حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے ادا کرتا تھا اور حکومت کی جانب سے بھی مدد ملتی تھی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں مدارس اور دارالعلوم قایم کیے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی بڑی رقمیں مقرر کیں(۴) قزوینی کا بیان ہے کہ نظام الملک اپنی آمدنی کا (جو کروروں روپے پر مشتمل تھی) دسواں حصہ مدارس کے لیے نکالتا تھا اور چھ لاکھ دینار سالانہ تقریباً تیس لاکھ روپے حکومت کی جانب سے ملتے تھے۔(۵)

نظامیۂ بغداد کے قیام کے بعد بغداد میں مدارس کے قیام کا عام ذوق پیدا ہوگیا اور بہت سے مدرسے قایم ہوئے، ابن جبیر اندلسی جو ۵۸۰ھ میں بغداد پہنچا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں تیس بڑے دارالعلوم ہیں جن میں سے ہر ایک کی عمارت بڑے بڑے قصور ومحلات کو شرماتی ہے۔(۶)

لیکن یہ مدارس دوسرے لوگوں کے قایم کردہ تھے، خود عباسی خلفا کی تاریخ کا صفحہ ابھی تک اس بارہ میں سادہ تھا، اس کی تلافی مستنصر باللہ (۶۲۳ھ-۶۴۰ھ) نے اس زمانہ میں کی جب دولتِ عباسیہ کا آفتاب لب بام آچکا تھا مگر اس کے ڈوبتے ڈوبتے وہ ایسا عظیم الشان دارالعلوم قایم کرگیا جس نے مدرسۂ نظامیہ کی شہرت کو ماند کردیا، ۶۲۵ھ میں اس

(۱) مدرسہ نظامیہ کی عظمت وشان کے تفصیلی حالات تمام تاریخوں میں ہم نے طوالت کے خیال سے ان کو قلم انداز کردیا ہے۔ (۲) طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۳۷ (۳) دولت آل سلجوقیہ ص ۵۴ (۴) ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲ (۵) آثار البلاد قزوینی ذکر طوس (۶) سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۲۹

دارالعلوم (مستنصریہ) کی بنیاد پڑی، سات برس میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۶۳۲ھ میں بڑے تزک واحتشام سے اس کا افتتاح ہوا، مدرسہ کے متعلق ایک وسیع کتب خانہ تھا، جس میں ساٹھ بار شتر منتخب کتابیں تھیں، اس میں دینی علوم کے ساتھ طب کی بھی تعلیم ہوتی تھی، طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانے کے علاوہ مٹھائیوں اور میوے بھی ملتے تھے، مدرسہ کے مصارف کے لیے ایک بڑی جائداد وقف تھی۔ (۱)

ابن واصل کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اس سے بہتر مدرسہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ کا اتنا بڑا وقف تھا اس میں چاروں مذاہب کی تعلیم ہوتی تھی، مدرسہ کے متعلق ایک شفاخانہ، مطبخ، ٹھنڈے پانی کے لیے آبدار خانہ تھا، طلبہ کو چٹائیاں، فرش، تیل، کاغذ، قلم ودوات مفت اور کھانے کے علاوہ ہر طالب کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ (۲)

فاطمی خلفا اگرچہ علم دوست تھے، لیکن ان کے زمانہ میں صرف چند مدرسوں کے قیام کا پتہ چلتا ہے، جامعہ ازہر انہی کے دور کی یادگار ہے، مصروشام میں اس کا سلسلہ نورالدین محمود زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے شروع کیا اور ممالیک (چراکسہ (۳)) نے اس کو کمال تک پہنچایا، مقریزی کا بیان ہے کہ نورالدین محمود زنگی (۵۴۱ھ-۵۶۹ھ) نے دمشق، حلب اور مصر میں شوافع اور احناف کے مدرسے قایم کیے، اس کے بعد نورالدین زنگی (۵۶۷ھ-۵۸۹ھ) اس کی اولاد اور اس کے امرا نے اس کی تقلید میں مصروشام اور جزیرہ کے شہروں میں بکثرت مدرسے قایم کیے، اس کے بعد اس کے جانشین مملوکی خاندان کے سلاطین اور اس کے امراو متوسلین نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا جو ہمارے زمانہ تک قایم ہے (۴)، نورالدین کو تعلیم سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ دور دور سے نامور علما کو تدریس کے لیے بلاتا تھا، علامہ شرف الدین ابوسعد اس دور کے نامور شافعی عالم تھے، ان کو سنجار سے بلایا اور حماۃ،

---

(۱) تاریخ الخلفا ص ۴۷۳ (۲) ص ۴۷۵ (۳) مملوکی حکومت جن کو چراکسہ بھی کہتے ہیں ۶۴۸ میں قایم ہوئی اور ۹۲۳ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ (۴) مقریزی جلد ۴ ص ۱۹۲-۱۹۳

حمص، بعلبک اور دمشق میں ان کے لیے مدارس قایم کرکے ان سے درخواست کی کہ وہ جس مدرسہ میں چاہیں قیام کریں (۱) دمشق میں ایک عظیم الشان دارالحدیث قایم کیا جو تاریخ اسلام میں پہلا دارالحدیث تھا (۲) ان سب کے مصارف کے لیے بہت سی جائداد وقف کی جس کی ماہوار آمدنی نو ہزار اشرفی تھی۔ (۳)

صلاح الدین ایوبی کو نورالدین سے بھی زیادہ اشاعت تعلیم سے شغف تھا، اس لیے اس کے امرا و متوسلین بلکہ ایوبی خاندان کی خواتین تک نے مدرسے قایم کیے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی بڑی جائدادیں وقف کیں، ابن جبیر اندلسی جس نے صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں مصروشام کا سفر کیا تھا، مصر کے بارہ میں لکھتا ہے کہ یہاں کسی بزرگ کا مقبرہ کوئی مسجد اور کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے جملہ مصارف بیت المال سے مقرر نہ ہوں (۴) دمشق کے ذکر میں لکھتا ہے کہ یہاں جو نئی مسجد یا خانقاہ تعمیر ہوتی ہے یا مدرسہ قایم ہوتا ہے، سلطان اس کے مصارف کے لیے وقف کرتا ہے، دولت مند عورتیں تک مسجدوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کے قیام پر بڑی دولت صرف کرتی ہیں، یہی حال یہاں کے امرا کا ہے (۵) جس زمانہ میں وہ دمشق پہنچا ہے یہاں بیس بڑے مدرسے تھے۔

اس لیے نورالدین اور صلاح الدین ایوبی کے دور سے لے کر ممالیک کے زمانہ تک مصروشام میں بکثرت مدارس قایم ہوئے، ان میں بعض مدرسے ایسے تھے کہ دنیائے اسلام میں بےنظیر مانے جاتے تھے، مدرسہ صلاحیہ کے بارے میں جو صلاح الدین ایوبی نے حضرت امام شافعی کے مزار کے قریب قایم کیا تھا، سیوطی کا بیان ہے کہ اس مدرسہ کو تاج المدارس کہنا بجا ہے، یہ ساری دنیائے اسلام میں علی الاطلاق سب سے بڑا مدرسہ ہے (۶) حلب کے ایک مدرسہ کے بارے میں ابن جبیر لکھتا ہے کہ میں نے جس قدر مدارس دیکھے

---

(۱) الدر المنتخب فی تاریخ حلب ص ۱۱۱ (۲) کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج ۱ ص ۱۰ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۴۲ (۳) ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۵۳ (۴) سفرنامہ ابن جبیر ص ۵۲ (۵) ایضاً ص ۱۷۵ (۶) ایضاً ص ۸۳ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۱۴

ان میں رونق اور عمارت کے حسن کے اعتبار سے یہ مدرسہ سب سے بہتر ہے۔ (۱)

ان میں متعدد مدارس ایوبی خواتین کی یادگار تھے، مصر میں مدرسہ قطبیہ ملک العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قایم کیا تھا (۲) سلطان کی دوسری لڑکی حنیفہ خاتون نے حلب میں ایک مدرسہ فردوس کے نام سے قایم کیا تھا، ان مدرسوں کا ذکر ابن خلکان، طبقات الشافعیہ اور جواہر مضیہ وغیرہ اور زندگی اور ایوبی حکومتوں کی تاریخ کتاب الروضتین اور تاریخ اتابکیہ وغیرہ میں مختلف مقامات پر ملتا ہے لیکن مقریزی، سیوطی اور ابن شحنہ حلبی نے ان کا مستقل تذکرہ کیا ہے اور ان کے متعلق ضروری معلومات تحریر کر دیئے ہیں۔ (۳)

دسویں صدی کے ربع اول میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مملوکی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور شام و مصر کے علاقے عثمانی حکومت میں شامل ہو گئے مگر اس سے ان کی علمی و تعلیمی مرکزیت میں فرق نہیں آیا جو آج تک قایم ہے، ترک اگرچہ فوجی قوم تھے لیکن تعلیم کی اشاعت میں ان کا قدم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا بلکہ انھوں نے پرانا نظام بدل کر زمانہ کے حالات و ضروریات کے مطابق بنایا۔

اسلامی حکومتوں میں ترکی حکومت کا دور سب سے زیادہ طویل ہے، ساتویں صدی ہجری کے آخر میں وہ قایم ہوئی اور اب تک قایم ہے، اس لیے اس کو قدیم اور جدید دونوں دوروں سے گذرنا پڑا اور یورپ کی حکومتوں سے ہمیشہ سابقہ رہا، اس لیے یورپ میں جو تعلیمی ترقیاں ہوئیں ان سے بھی اس نے فائدہ اٹھایا، اس لیے تعلیمی میدان میں اس کے کارنامے تمام اسلامی حکومتوں سے زیادہ ہیں اور اس لحاظ سے وہ ان سب میں ممتاز ہے کہ اس نے تعلیم کے دائرے میں بڑی وسعت پیدا کی، اس کا مرتب نظام قایم کیا، زمانہ کے حالات کے مطابق اس میں تبدیلی پیدا کی اور ابتدائی مدارس سے لے کر بڑے بڑے دارالعلوم، جدید تعلیم کے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قایم کیں، جن میں تمام مغربی علوم و

---

(۱) سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۵۳ (۲) مقریزی ج ۴ ص ۲۰۰ (۳) تفصیل کے لیے دیکھو مقریزی ج ۴ ص ۱۹۱ تا ۲۴۹ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۳ والدرر المنتخب ص ۱۰۶ تا ۱۲۳

فنون کی تعلیم ہوتی تھی، ترکوں کے تعلیمی خدمات اتنے زیادہ ہیں کہ ایک باب میں اس کی جھلک دکھانا بھی دشوار ہے۔

ترکی حکومت میں سب سے پہلے سلطان اورخان (۷۲۶ھ-۷۶۰ھ) نے مدارس قایم کیے، اس کا ازنیق کا مدرسہ بہت مشہور ہے، اس میں داؤد قیصری شارح فصوص الحکم اور علامہ علاء الدین شارح وقایہ جیسے علما درس دیتے تھے، اورخان کے بعد اس کے جانشینوں نے اس سلسلہ کو بہت آگے بڑھایا اور سلطان محمد فاتح نے اوجِ کمال تک پہنچا دیا، اس نے ۸۶۵ھ میں قسطنطنیہ میں ایک بڑی یونیورسٹی قایم کی، جس کے ماتحت آٹھ دار العلوم تھے، اس میں علامہ علاء الدین قوشجی شارح تجرید، خواجہ زادہ اور ملا عبدالکریم وغیرہ جیسے اجلۂ علما تعلیم دیتے تھے، خواجہ زادہ کا محاکمہ تہافت الفلاسفہ امام غزالی بہت مشہور ہے، یہ محاکمہ انھوں نے سلطان کی فرمایش پر لکھا تھا، اس کے صلہ میں اس نے اس کو دس ہزار درہم انعام دئے تھے، علامہ قوشجی دار العلوم جامعہ ایاصوفیہ کے مدرس اعظم تھے، ان کو دوسو درہم یومیہ تنخواہ ملتی تھی۔

سلطان محمد فاتح کے بعد بایزید خان (۸۸۶ھ-۹۱۸ھ) نے سب سے زیادہ مدارس قایم کیے، یہ علما کا بڑا قدر دان تھا، اس نے مدرسین کے علاوہ تمام نامور علما کا دس ہزار عثمانی سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، سلطان سلیمان (۹۲۶ھ-۹۷۴ھ) نے ممالک محروسہ کے دوسرے مدارس کے علاوہ خاص مکہ معظمہ میں چار بڑے مدرسے قایم کیے، اسی طرح سلطان سلیم اور سلطان مراد نے بھی مدرسے قایم کیے، ان کی تقلید میں ترکی امرا اور اعیان سلطنت کا قدم بھی پیچھے نہیں رہا، بہت سے امرا بلکہ خواتین تک نے مدرسے قایم کیے، علامہ شبلی نے اپنے مضمون 'مدرسے اور دار العلوم' میں ترکی حکومت کے بہت سے مدارس اور ان کے بانیوں کے نام لکھے ہیں، اان میں سلاطین کے ساتھ امرا و خواتین کے نام بھی ہیں۔(۱)

ترکوں کی تعلیمی خدمات اتنی نمایاں ہیں کہ یورپین مصنفین کو بھی جن کا قلم ان کی

---

(۱) یہ حالات اس کا خلاصہ ہیں تفصیل کے لیے دیکھو مقالات شبلی ج ۳ مقالہ 'مدرسے اور دار العلوم'

مذمت میں بہت تیز رہتا ہے، اس کا اعتراف کرنا پڑا، کریسی لکھتا ہے۔

محمد ثانی کے پیشروؤں خصوصاً اورخاں کو اسکولوں اور کالجوں کے قایم کرنے کا بہت شوق تھا لیکن محمد ان سب سے بڑھ گیا، اسی نے سلسلۂ علما قایم کیا اور سلطنت کے مفتیوں اور قاضیوں کی تعلیم و ترقی کا ضابطہ مرتب کیا، فاتحِ قسطنطنیہ خوب جانتا تھا کہ ایک بڑی سلطنت پیدا کرنے اور اس کو قایم رکھنے کے لیے شجاعت اور فوجی قابلیت کے علاوہ کچھ اور بھی ضروری ہے، محمد نے جو علوم میں خود بھی ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اپنی رعایا میں تعلیم پھیلانے کے لیے بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عدالت کا نظام درست رکھنے کے لیے قاضیوں کا احترام ضروری ہے اور ان کا احترام قایم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف علم و دیانت سے آراستہ ہوں بلکہ سلطنت کے اونچے اور معزز عہدوں پر مامور کیے جائیں اور فکر معاش کی جانب سے ان کو مطمئن کر دیا جائے، محمد نے ابتدائی مدارس کے علاوہ جو مکتب کہے جاتے تھے اور ہر شہر کے ہر محلّہ اور ترکی کے تمام دیہاتوں میں موجود ہیں بہت سے بڑے بڑے مدرسے قایم کیے، ان میں ان مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، صرف، نحو، منطق، مابعد الطبیعیات، تاریخ، زبان، فصاحت و بلاغت، اقلیدس، ہیئت یہ ایک ایسا نصاب تعلیم ہے جس کا موازنہ یقیناً پندرہویں صدی کے پیرس اور آکسفورڈ کے نصاب تعلیم سے کیا جا سکتا ہے، جو طلبہ ان سب مضامین میں پوری دستگاہ حاصل کرتے تھے، ان کو دانشمند کا لقب دیا جاتا تھا، دانشمند بغیر مزید تعلیم حاصل کیے کسی ابتدائی مدرسہ کی اعلیٰ مدرسی کا حقدار ہو سکتا تھا، لیکن اس صورت میں وہ علما کی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا تھا اور اس کو تمام اعلیٰ تعلیمی عہدوں سے محروم ہو جانا پڑتا تھا، جماعت علما کا رکن بننے کے لیے فقہ کے ایک طویل نصاب کو پورا کرنا ضروری تھا اور یکے بعد دیگرے مختلف امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے متعدد سندیں لینا پڑتی تھیں۔(۱)

سلطان محمد کے جانشینوں نے اس کی قایم کی ہوئی مثال کے مطابق تعلیم کو پوری

---

(۱) تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول ص ۱۷۰ و ص ۱٦۹

طرح پھیلایا، ہر سلطان ایک مسجد ضرور تعمیر کرتا اور ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ قایم کرنا لازمی تھا، اس طرح مسجدوں کی تعداد کے ساتھ مدرسوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی، لارنپٹ لکھتا ہے کہ

"۱۷۶۵ء سلطان مصطفیٰ ثالث کے عہد حکومت میں صرف حدود قسطنطنیہ کے اندر دو سو پچہتر مدرسے تھے اور انیسویں صدی کے وسط میں سلطان عبدالمجید کے زمانہ میں یہ تعداد تین سو سے اوپر پہنچ گئی تھی، اس کے زمانہ میں ہر شہر میں کم سے کم ایک مدرسہ موجود تھا، بڑے شہروں مثلاً اورنہ، بغداد اور قاہرہ میں چالیس چالیس اور پچاس پچاس مدرسے تھے (۱) یہ تمام مدارس اس زمانہ کے معیار تعلیم کے مطابق قدیم طرز کے تھے مگر ان کے نصاب میں تاریخ جغرافیہ ریاضی، ہیئت، منطق و فلسفہ بھی شامل تھے، انیسویں صدی کے آغاز تک یہ نظام تعلیم رائج رہا، سب سے پہلے سلطان عبدالمجید خاں (۱۸۳۹ھ-۱۸۶۱ھ) نے اس میں تبدیلی پیدا کی اور اس کو نئے حالات اور ضروریات کے مطابق بنایا، ترک ماہرین تعلیم کو جرمنی، فرانس اور انگلستان کے نظام تعلیم کے مطالعہ کے لیے بھیجا اور اس کی روشنی میں نیا نظام تعلیم مرتب کر کے ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے اسکول اور کالج قایم کیے، پرانے طبقہ کی جانب سے اس کی پرزور مخالفت ہوئی، اس لیے سلطان اپنے تمام تعلیمی منصوبوں کو پورا نہ کر سکا، تاہم تعلیمی نظام میں بہت سی اصلاحیں کیں، اس کے بعد سلطان عبدالحمید خاں ثانی (۱۸۷۶ھ-۱۹۱۹ھ) نے ان منصوبوں کو پورا کیا اور پوری ترکی سلطنت میں نیا نظام تعلیم رائج ہو گیا، جس میں

---

(۱) لارنپٹ جلد ۲ ص ۱۴۳

جملہ جدید علوم وفنون کی تعلیم ہوتی تھی، اس طرح مشرقی ملکوں میں
جدید تعلیم کی اشاعت کا سہرا ترکوں کے سر ہے۔''(۱)

مسلمانوں نے جن جن ملکوں پر بھی حکومت کی، سب کو تعلیم کی روشنی سے منور کر دیا مگر ان سب کی تفصیل مقصود نہیں، سر جان ولیم ڈریپر کی شہادت پر ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

''غرض دنیائے اسلام میں علوم وفنون کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، منگولیا، تاتار، ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، مراکش، فیض اور اندلس میں کثرت سے مدرسے اور درسگاہیں موجود تھیں، دولت روما کا رقبہ باآں ہمہ عظمت و جبروت اتنا نہ تھا جتنا اس عربی سلطنت کا تھا، اس عظیم الشان سلطنت کے ایک کنارے پر سمرقند کا مشہور مدرسہ اور رصدگاہ تھی اور دوسرے کنارے پر اندلس کی مشہور رصدگاہ کا مینارہ آسمان سے باتیں کرتا تھا، مسلمانوں کی سرپرستی علوم وفنون کا ذکر کرتے ہوئے گبن لکھتا ہے کہ ''صدیوں کے خودمختار امیر بھی علم و ہنر کی سرپرستی میں شاہانہ اقتدارات برتتے تھے، ان کی رقیبانہ مسابقت نے مذاق علمی کی ترویج میں غیر معمولی حصہ لے کر سائنس کے نور کو سمرقند و بخارا سے لے کر فیض اور قرطبہ تک پھیلا دیا، تعلیم کے فیضان سے عوام وخواص دونوں کو یکساں بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا تھا، وزیر کا بیٹا اور ایک ادنی درجہ کے موچی کا بیٹا پہلو بہ پہلو بیٹھ کر استاد سے سبق لیتے تھے، طالب علموں کی تعداد ایک ایک دارالعلم میں چھ چھ ہزار تک پہونچی ہوئی تھی، جن کی جماعتوں کو مختلف اوقات میں تعلیم دی جاتی تھی، نادار طلبہ کے

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیز ج ۲ ص ۳۹۰

لیے معقول وظائف مقرر تھے اور اساتذہ کو بیش قرار تنخواہیں ملتی تھی، ہر شہر میں عربی زبان کی نادر تصنیفات کے نقل اور جمع کرنے کے لیے طالبان علم کا شوق اور اہل دولت کی دولت ہر وقت سرگرمی سے مصروف تھے۔

ان مدارس و مکاتب کی نگرانی فراخ حوصلگی سے بعض نطوریوں اور یہودیوں کے بھی سپرد کی جاتی تھی، کسی شخص کو کسی بڑی خدمت پر مامور کرتے وقت حکومت کو یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے عقائد کیا ہیں، بلکہ محض علمی قابلیت کا لحاظ کیا جاتا تھا۔(۱)

☆☆☆

(۱) اردو ترجمہ معرکۂ مذہب وسائنس ڈریپر ص ۱۶۶-۱۶۷
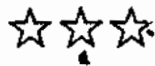
پندرہواں باب

مسلمانوں کے علمی کارنامے اور

مختلف علوم وفنون میں ان کے ایجادات واکتشافات

مسلمانوں نے محض مدارس کے قیام اور پرانے علوم کی نقل اور ان کے تراجم پر اکتفانہیں کیا بلکہ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ان کی تصحیح اور اصلاح وترمیم کر کے ان کوترقی دی، بہت سے نئے علوم پیدا کیے اور ان کی روشنی سے دوسری قوموں کو منور کیا، اسلام کی تعلیم نظری سے زیادہ عملی ہے، اس لیے مسلمانوں کا رجحان ان علوم کی طرف زیادہ تھا جن کا تعلق عمل ومشاہدہ سے ہے، چنانچہ انھوں نے تاریخ وجغرافیہ، طب، ہیئت، حساب، ہندسہ اور طبیعیات وکیمیا کی طرف زیادہ توجہ کی اور ان میں اپنے مشاہدات وتجربات سے نئے اکتشافات وایجادات کیے، جن پر آیندہ چل کر جدید علوم کی عمارت قایم ہوئی اور سائنس کی ترقی کی بنیاد پڑی، مختلف علوم وفنون سے متعلق بہت سے ایجادات واکتشافات جو یورپ کی جانب منسوب ہیں، درحقیقت صدیوں پہلے مسلمان کر چکے تھے، ان سب کی تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لیے اس موقع پر ہم صرف بعض مشہور یورپین فضلا ومصنفین کے بیانات کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، لیبان لکھتا ہے۔

لیبان کا بیان: کتب خانے علمی تحقیقات کے معمل اور آلات، تعلیم وتحقیق کے محض وسائل ہیں اوران کا کارآمد ہونا محض ان کے طریقۂ استعمال پر موقوف ہے، ممکن ہے کسی شخص کا دماغ دوسروں کے علوم وفنون سے بھرا ہو مگر اس میں خود تحقیق واختراع کا مادہ نہ ہو اور وہ شاگردی کی حالت سے استادی کے درجہ کو نہ پہنچ سکے، ان ایجادوں اور اختراعوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا معلوم ہوگا کہ عربوں نے اس علم سے جو انھوں نے دوسروں سے اخذ کیا کس قدر کام لیا، یہاں ہم محض ان اصول کو بیان کریں گے جن پر انھوں نے اپنی علمی تحقیق کا مدار رکھا، یونانیوں کی شاگردی کرنے اور ان کی تصنیفات کو پڑھنے کے بعد انھیں جلد معلوم ہوگیا کہ تجربہ اور مشاہدہ کو عمدہ سے عمدہ کتاب پر ترجیح ہے، اگرچہ یہ قول اب ایک مسلمہ قضیہ بن گیا ہے لیکن پہلے ایسا نہ تھا، قرونِ وسطیٰ کے علمانے ایک ہزار برس کی محنت میں اس کو سمجھا۔

تجربہ اور مشاہدہ کو اساتذہ کے اقوال کے مقابلہ میں تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عام طور سے بیکن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اب یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے موجد عرب تھے، یورپ کے تمام محققین خصوصاً ہمبولڈ (۱) جس نے عربی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اس بات کا قائل ہے، وہ لکھتا ہے کہ علمی ترقی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے تجربہ سے حوادثِ طبیعیہ کو پیدا کر سکے، جس طرح عربوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا تھا، جس سے متقدمین بالکل ناواقف تھے، موسیوسدیو لکھتا ہے کہ دارالعلوم بغداد کی تعلیم میں بڑی بات یہ ہے کہ اس کا طرزِ علمی اصول پر مبنی تھا یعنی معلوم کے ذریعہ مجہول کا معلوم کرنا، حوادث کا صحیح مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعہ علل کو نکالنا، انہی قضایا کو ماننا جو تجربہ سے ثابت ہوں، نویں صدی کے عربوں کو یہ نتیجہ خیز طریقۂ تعلیم معلوم تھا، جسے صدیوں کے بعد حال کے محققین معلوم کر سکے اور جس کے ذریعے بڑے بڑے اکتشافات وایجادات ہوئے۔

عربوں کا طریقۂ تحقیق تجربہ ومشاہدہ پر مبنی تھا، اس کے برخلاف ازمنۂ وسطیٰ کے

---

(۱) الگزنڈر ہمبولڈ ایک مشہور جرمن محقق اور سیاح ہے، جس نے عالم پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

یورپ کا طریقہ اساتذہ کی کتابوں کا پڑھنا اور انہی کی رایوں کو دہرانا تھا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اس فرق کو مدنظر رکھے بغیر ہم عربوں کی علمی تحقیقات کی پوری قدر نہیں کر سکتے۔

عربوں ہی نے علمی تحقیقات کی تجربہ کو داخل کیا اور ایک زمانۂ دراز تک صرف عرب ہی اس طریقہ کو جانتے تھے، موسیو ڈیلامیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ 'یونانیوں میں بہ مشکل دو یا تین اجرام سماوی کا مشاہدہ کرنے والے تھے، اس کے مقابلہ میں عربوں میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے، یونانیوں میں علم کیمیا کا تجربہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور عربوں میں سیکڑوں تھے۔

تجربوں کے ذریعہ جو ان کی ایجاد ہے، وہ بہت بڑے اکتشافات و اختراعات کرنے والے تھے، ان کی علمی تحقیقات کا جو ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے تین یا چار صدیوں میں اس سے بہت زیادہ اکتشافات کیے جو یونانی محققین اس سے پہلے بہت زیادہ مدت میں کر پائے تھے، یونان کا وہ علمی ذخیرہ جس کو اہل مشرق نے عربوں سے پہلے پایا تھا مگر مدت سے اس کو کھو چکے تھے، اس کو عربوں نے بالکل بدل کر اپنے اخلاف کو پہنچایا، عربوں نے محض اکتشافات ہی کے ذریعہ علم کو ترقی نہیں دی بلکہ اپنے مدارس اور تصنیفوں کے ذریعہ ان کی اشاعت بھی کی، اس سے یورپ کو جو فائدہ پہنچا وہ غیر متناہی ہے، ہماری کتاب کے اس باب سے جس میں عربوں کے علمی اثر کا ذکر ہے معلوم ہوگا کہ کئی صدیوں تک عیسائی قوموں کے استاد صرف عرب تھے اور محض انہی کے ذریعہ ان کو یونان و روم کے علوم قدیمہ حاصل ہوئے، اس کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے، جب عربی کتابوں کے تراجم ہماری یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم سے خارج ہوئے ہیں۔(۱)

(۱) دیکھو تمدنِ عرب لیبان ترجمہ اردو ص ۹۹ تا ۴۰۱، مسلمانوں کے اس علمی ذوق اور طلب و جستجو نے بہت سے نئے علوم اور ہر علم و فن کے بڑے بڑے نابغہ پیدا کیے، جنھوں نے اپنی تصنیفات اور تحقیقات و اکتشافات سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور انسانی تہذیب و تمدن کا قدم بہت آگے بڑھا دیا، ابن ندیم، طاش کبریٰ زادہ اور ملا کاتب چلپی وغیرہ اصحاب فہرست نے اپنی کتابوں میں کئی سو علوم میں مسلمانوں کی تصانیف کا ذکر کیا ہے، (بقیہ صفحۂ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ڈریپر کا بیان: ڈریپر لکھتا ہے کہ ''سائنس میں عربوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ

(صفحۂ گذشتہ کا بقیہ) ان میں بعض اہم فنون کے چند نامور علما کے نام یہ ہیں، جن کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے اور جن کی تصانیف سے صدیوں اہل یورپ فائدہ اٹھاتے رہے۔

فلسفہ: یعقوب کندی، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن بطلان، ابونصر فارابی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، اثیر الدین ابہری، نصیر الدین طوسی، سعد الدین تفتازانی، سید شریف جرجانی، جلال الدین دوانی

ریاضیات (حساب، ہندسہ اور ہیئت وغیرہ): محمد بن جابر بتانی، ابن اماجور، موسیٰ بن شاکر اور اس کی اولاد، ابوالوفا جوز جانی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابن یونس، مسلمہ مجریطی، ابن شاطر فلکی، احمد بن محمد نہاوندی، ابومعشر بلخی، عمر خیام، البیرونی، الغ بیگ

طبعیات: یعقوب کندی، ابوموسیٰ جعفر کوفی، امام رازی، ابن سینا، جابر بن حیان، ابن بیطار وغیرہ بہت سے نامور اطبا طبعیات اور فلسفہ کے بھی ماہر تھے اور انھوں نے اپنے فن میں طبعیات سے بہت کام لیا ہے۔

طب و نباتات: محمد بن زکریا رازی، ابن سینا، ابن زہر اشبیلی، ثابت بن قرہ، ابوالقاسم زہراوی، رشید الدین صوری، ابن رضوان، ابن بطلان جیسے نامور اطبا پیدا ہوئے۔

تاریخ و جغرافیہ: تاریخ و جغرافیہ مسلمانوں کا خاص فن ہے، ان دونوں فنون کو انھوں نے بڑی ترقی دی اور تاریخ کی بہت سی قسمیں پیدا کر دیں، ان پر ان کی سیکڑوں تصانیف ہیں، جغرافیہ میں نئے نئے خطے معلوم کیے اور مختلف ملکوں کے حالات پر کتابیں لکھیں۔

مورخین میں بلاذری، یعقوبی، مسعودی، ابوحنیفہ دینوری، ابن جریر طبری، حمزا اصفہانی، ابن مسکویہ، خطیب بغدادی، ابوالفداء، ابوالفرج اصفہانی، مقریزی، نویری، مقری، ابن خطیب غرناطی، صلاح الدین صفری، ابن صاعد اندلسی، ابن خلدون، ابن جوزی، ابن کثیر، سیوطی، ابن ابی اصیبعہ، ابن خلکان، سیکڑوں ناموں میں سے چند نام ہیں۔

علمائے جغرافیہ میں ابن خرداذبہ، قدامہ ابن جعفر، مسعودی، ابن فقیہ، بزرگ بن شہریار، ابن رستہ، ابوزید تجی، ابن حوقل، اصطخری، مقدسی، شریف ادریسی، ابن جبیر، یاقوت حموی، عبداللطیف بغدادی، سلیمان تاجر زیادہ اہم ہیں۔

انھوں نے اس کی تحصیل میں یورپ کے یونانیوں کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اسکندریہ کے یونانیوں کی تقلید کی، ان کی عقل سلیم نے یہ بات سمجھادی تھی کہ سائنس کی ترقی محض تخیل سے نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا صحیح اور یقینی ذریعہ صحیفۂ فطرت کا عینی مطالعہ ہے، وہ حکمت نظری پر حکمت عملی کو ترجیح دیتے تھے یعنی ان کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی، فن ہندسہ اور ریاضیات کو وہ استدلال واستنباط کے آلات تصور کرتے تھے، فن جرثقیل توازن مایعات، فن مناظر ومرایا پر جو کثیر التعداد کتابیں انھوں نے لکھیں، ان سب میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ ہر مسئلہ کو کسی تجربہ یا کسی آلہ ومشاہدہ کے ذریعہ حل کیا گیا ہے، اسی خصوصیت نے ان کو فنِ کیمیا کا موجد بنایا اور انھوں نے تقطیر (عرق کھینچنے)، تصعید (بخار اڑا کر منجمد کرنے)، تسییح (پگھلانے)، ترویق (چھاننے) کے آلات ایجاد کیے، فن ہیئت میں آلاتِ منقسمہ مثلاً لبنہ واصطرلاب کو کام میں لائے، فن کیمیا میں ترازو کا استعمال کیا، جس کے اصول سے وہ پوری طرح واقف تھے، بغداد، اندلس اور سمرقند میں اجسام کے اوزان کی میزانیں اور ہیئت کے نقشے تیار کیے، علم ہندسہ، علم جبر ومقابلہ اور ہندی طریقۂ اعداد نویسی میں نئے نئے نکتے پیدا کیے، یہ نتائج ارسطو کے عملی واستقرائی طریقہ کو افلاطون کی خیال آرائی پر ترجیح دینے کی بنا پر عربوں کی کوششوں سے حاصل ہوئے۔(۱)

آگے چل کر ڈریپر لکھتا ہے: مسلمانوں نے قدیم علوم وفنون میں بہت کچھ اضافے اور نئے علوم ایجاد کیے، انھوں نے حساب کے ہندی طریقہ کو رائج کیا، جس میں تمام رقوم اس کے اعداد کے ذریعہ نہایت آسانی سے ظاہر کی جاتی تھیں، اس کے ساتھ ہی ہر طرح کے اندازے کے لیے سہل اور سادہ قاعدے بنائے، جبر ومقابلہ کا موہوم سا خیال ڈیوفنٹس کو پیدا ہوا تھا، جس کو ترقی دے کر عربوں نے حد کمال کو پہونچادیا، جبر ومقابلہ میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مساوات درجۂ چہارم اور عمر بن ابراہیم نے مساوات درجۂ سوم کے حل کرنے کا عمل دریافت کیا، عربوں ہی کی کوششوں سے علم مثلث نے موجودہ شکل

(۱) ترجمہ اردو معرکۂ مذہب وسائنس ڈریپر ص ۱۶۳-۱۶۴

اختیار کی، انھوں نے جیب مستوی کے بجائے جس کا پہلے استعمال ہوتا تھا 'اوتار' کو اس فن میں داخل کیا اور اسے ترقی دے کر ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی، محمد بن موسیٰ نے علم مثلث کردی پر ایک رسالہ لکھا اور البغدادی نے فن مساحت پر۔

علم ہیئت پر انھوں نے نہ صرف ستاروں کی فہرستیں تیار کیں بلکہ ان کے نقشے بھی بنائے، بڑے بڑے ستاروں کے عربی نام رکھے جو اب تک قایم ہیں، انھوں نے سطحِ زمین کے ایک درجہ کی پیمایش کر کے اس کی جسامت دریافت کی، طریق الشمس کا اعوجاج معلوم کیا، آفتاب و ماہتاب کی صحیح میزانیں شایع کیں، سال کی مدت مقرر کی، استقبال اعتدالین کی تصدیق کی، لیپلیس نے البتانی کے 'رسالۂ علم الکواکب' کا ذکر ادب واحترام سے کیا ہے اور مشہور ہیئت داں ابن یونس کی عالمانہ تصنیف زیچ ابن یونس کے بعض بچے کھچے اجزا کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں منصور عباسی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے مختلف فلکی مشاہدات مثلاً کسوف وخسوف، نقاط، اعتدال، لیل ونہار، نقاط انقلاب صیفی وشتوی، قران سیارگان اور احتجاب کواکب کے نتائج درج ہیں، ان رصدی نتائج نے نظام عالم کے بڑے بڑے تغیرات پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے، اس کے علاوہ عرب کے ہیئت دانوں نے ہیئت کے آلات کی ترکیب وتکمیل پر بھی بہت سا وقت صرف کیا، وقت کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف قسم کی پانی اور دھوپ کی گھڑیاں ایجاد کیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے "پنڈولم" ان ہی نے ایجاد کیا۔

عملی علوم میں جن کا دارومدار تجربہ پر ہے، ان میں علم کیمیا کی ایجاد کا سہرا انہی کے سر ہے، انھوں نے اس فن کے بعض اہم معیار دریافت کیے، مثلاً گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب الکحل وغیرہ اس فن سے انھوں نے طب میں بھی کام لیا اور سب سے اول مفرد ومرکب دواؤں کی قرابادینیں مرتب کیں اور ان میں معدنی نسخے بھی شامل کیے، علم جرثقیل میں انھوں نے گرتے ہوئے اجسام کے قوانین دریافت کیے، قوت کشش کی ماہیت سے بھی وہ ناواقف نہ تھے، اس کا ان کو پورا علم تھا، علم توازن مایعات میں انھوں نے جو ترقی

کی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اجسام کے مخصوص اوزان کی میزانیں مرتب کر کے پانی میں اجسام کے ڈوبنے اور تیرنے کے مسائل پر مبسوط بحثیں کیں، فن مناظر ومرایا میں انھوں نے یونانیوں کی اس غلط فہمی کی اصلاح کی کہ شعاعِ نورآنکھ سے نکل کر مرئی شئے پر پڑتی ہے، جس سے وہ شئے دکھائی دیتی ہے، اس کے بجائے انھوں نے بتایا کہ شعاعِ نور مرئی شے سے نکل کر آنکھ میں داخل ہوتی ہے، روشنی کے انعکاس وانعطاف کی ماہیت کا ان کو پورا علم تھا، ابن حوم کی یہ تحقیقات ہے کہ شعاع نور فضا کو قوس کی شکل میں قطع کرتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم آفتاب و ماہتاب کو طلوع وغروب کے قبل بھی دیکھتے ہیں، اس علمی مستعدی کا اثر اس ترقی میں صاف نظر آتا ہے، جو صنعت وحرفت کے فنون میں ہوئی، فن فلاحت کے طریقے پہلے سے بہتر ہو گئے، کھاد کا استعمال ہنرمندی کے ساتھ کیا جانے لگا، مویشیوں کی افزائشِ نسل کے بارہ میں قیمتی نکتے معلوم ہوئے، دیہی قوانین کا ضابطہ کاشتکاروں اور مزارعین کے حقوق کے اعتبار سے بہت زیادہ مکمل ہوگیا، جن کھیتوں میں کاشت نہیں ہوتی تھی، ان میں لہلہاتی فصلیں نظر آنے لگی، جہاں ایکھ اور قہوہ کا نام ونشان نہ تھا وہاں ان کی بکثرت پیداوار ہونے لگی، سلطنت میں جابجا ریشم، روئی اور اون کے کپڑوں کے کارخانے قایم ہو گئے، قرطبہ اور مراکو میں چرم سازی اور کاغذ سازی ہونے لگی، کانوں میں کام ہونے لگا، مختلف دھاتیں نکلنے اور ڈھلنے لگیں، ٹالیڈو میں ایسی ایسی فولادی تلواریں بننے لگیں، جن کا لوہا ایک دنیا مان گئی۔

آخر میں ڈریپر لکھتا ہے کہ بعض دفعہ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جب ہماری نگاہ ایسی چیزوں پر پڑتی ہے جن کی نسبت ہم فخر سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے موجد ہونے کا شرف ہم کو حاصل ہے۔(۱)

جوٹیہ کا اعتراف: جوٹیہ لکھتا ہے کہ عربوں نے جو ایجادات کیں وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت قیمتی تھیں، انھوں نے برف بنانے کا طریقہ بہت پہلے معلوم کرلیا تھا، جس سے

(۱) تلخیص از ترجمہ مذہب وسائنس از صفحہ ۱۶۷ تا ۱۷۱

یورپ کو سولہویں صدی کے نصف اول میں واقفیت ہوئی، عربوں نے روئی سے بنایا ہوا سستا کاغذ یورپ پہنچایا، اس سے پہلے وہ لوگ 'بردی' پر لکھتے تھے، جو بہت گراں ہوتا تھا، جس زمانے میں مشرقی یورپ مشرق کے قریب کے ملکوں سے کاغذ خریدا جاتا تھا جیسا کہ دمشق کے کاغذ کے یورپین نام 'شادتا داما سینا' سے ظاہر ہوتا ہے، اس زمانہ میں شاطبہ (اندلس) کے کاغذ سازی کے کارخانے مغربی یورپ کو کاغذ سپلائی کرتے تھے، سب سے پہلے ۶۰ھ میں سمرقند و بخارا میں ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، اس کے بعد ۷۰۶ھ میں یوسف بن عمرو نے ریشم کے بجائے روئی سے کاغذ بنانا شروع کیا، دمشقی کاغذ بھی روئی کا ہوتا تھا، اس کا یونانیوں نے ذکر کیا ہے۔

عربوں نے ہم کو فن کتابت، بارود سازی اور قطب نما بنانے کی صنعتیں سکھائیں اگر ہماری پشت پر عربی تہذیب کی یہ یادگاریں نہ ہوتیں تو آج ہماری ترقی کا یہ درجہ نہ ہوتا، عرب آلۃ الظل (سایہ سے وقت کی شناخت کا آلہ) اور مدور اور پہل دار آتشی شیشہ کے اصول سے بھی واقف تھے، آلات سازی میں بھی انھوں نے بڑی ترقی کی تھی، چنانچہ ہارون رشید نے جب ایک گھڑی شارلیمان کو بھیجی تو سدیو کے بیان کے مطابق اس کے اہل دربار اس کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور اس کے کل پرزوں کی ترکیب کو نہ پہچان سکے۔

عباسیوں کے زمانہ میں فن زراعت و باغبانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی، عربوں نے ایران و ماژندران کے پھلوں کے خواص ظاہر کیے اور مختلف فنون خصوصاً فن نباتات کو نئے نئے معلومات سے معمور کر دیا تھا، مشروبات، روغنیات، مرہم الکحل، لعوق، سنائے مکی راوند، خیار شنبر اور جواز القی، بہت سی دواؤں کا پتہ چلایا، صرع کے مرض میں وہ فتیلہ اور پچھنے کے ذریعہ علاج پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے، مزمن بخار میں ٹھنڈا پانی استعمال کراتے تھے، ان کے سرجنو نے سنگ مثانہ نکالنے اور آنکھ قدح کرنے کے ایسے آلات ایجاد کیے تھے جن کے ذریعے پتھری توڑ کر نکال دیتے تھے اور حریم عدسی شفاف (آنکھ کا وہ منجمد اور ناقص مادہ جو موتیا بند وغیرہ میں پیدا ہو جاتا ہے) کو آسانی سے نکال لیتے تھے۔

تاریخ عام میں ہے کہ اگر چہ اس مجد و شرف سے جو عربی طب کو حاصل ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس میں ان کے نظریات بہت دقیق تھے، تاہم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مشاہدات عاقلانہ اور تجربات ماہرانہ تھے اور عرب اطبا کو اس فن میں بڑی عملی مہارت حاصل تھی، جدید کیمیا کی بنیاد سب سے پہلے زکریا رازی اور ابن جابر اندلسی نے رکھی، انھوں نے حیات بخش اور اعادۂ شباب کرنے والی اکسیر کو دریافت کرنے کی کوشش کی، وہ حجر الفلاسفہ سے بھی واقف تھے، جو دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے اور ان کے یہ مباحث محض خیالی نہیں بلکہ عملی تھے کیوں کہ وہ تقطیر، تصعید، تجمید اور حل (۱) سے پوری طرح واقف تھے، انھوں نے شکر اور گاڑھے نشہ آور مواد سے الکحل بنایا۔

عربوں نے بابل، شام اور مصر سے زراعت کے جو طریقے سیکھے، ان کو ترقی دے کر مستقل فن بنا دیا، انھوں نے اس کے نظریات قدیم کتابوں سے حاصل کیے مگر اپنی تحقیقات اور تجربوں سے اس میں بڑا اضافہ کیا اور عملاً اس کو بڑی مہارت کے ساتھ کام میں لائے، ایران، اندلس اور افریقہ میں عربوں نے معدنیات سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، چنانچہ اندلس کے عرب وہاں کی کانوں سے پارہ، توتیا، لوہا، سیسہ، چاندی اور سونا نکالتے تھے، اسی طرح سسلی کے ہر قسم کے معدنیات وہاں کے مسلمان نکالتے تھے، جن میں سونا چاندی بھی تھا، خراسان کی کانوں سے لوہا اور کرمان سے سیسہ اور رانگا نکالتے تھے، انھوں نے چینی کے برتن بنانے کی مٹی طورلیس کا سنگ مرمر، اندرانی نمک اور گندھک وغیرہ کو بھی نکالا۔ (۲)

سینوبوس کی شہادت: چارلس سینوبوس لکھتا ہے کہ جبر و مقابلہ کی پہلی کتاب عرب علما نے لکھی اور ان کے علمائے جغرافیہ نے ان دور دراز ملکوں کے حالات تحریر کیے، جن میں ان کے قافلے آتے جاتے تھے اور طب یونانی سے تجربی یعنی جڑی بوٹیوں اور حبوب کی طب

---

(۱) کسی چیز کو مقطر کرنا، کسی مادہ کو آگ سے اڑا دینا، رقیق مادہ کو جمانا اور تحلیل کرنا

(۲) الاسلام والحضارۃ العربیہ کرد علی جلد اول ص ۲۱۵-۲۱۶

پیدا کی، ان کو سب سے زیادہ علم کیمیا سے دلچسپی تھی، ریسن کا بیان ہے کہ اتنی جلد دنیا میں عربوں کی حکوت کی توسیع کے ساتھ ساتھ ان کے تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت سے ان کی تہذیب کی رفعت اور برتری کا اندازہ ہوتا ہے، یہ روشن اور درخشاں تہذیب قرون وسطی کی بیزنطینی اور ایرانی تہذیب سے ملی جلی تھی، یہ تمدنی امتزاج تجارت سے عربوں کے عشق اور نو آبادیوں کے قیام سے پیدا ہوا، وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، اشیا سے حصول واقفیت اور تلاش و تحقیق کے فطری شوق کی بنا پر علوم طبعی اور ریاضی کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے، اس ذوق جستجو کی بنا پر انھوں نے کیمیا کا فن ایجاد اور اس میں کمال حاصل کیا اور ان علوم سے انھوں نے طب، زراعت اور صنعت و حرفت میں فائدہ اٹھایا، عربی رقوم کی ایجاد، فن ہندسہ کی تدوین و تکمیل، فلکیات میں ان کے کارناموں، رات و دن کی تعدیل اور آفتاب کے برجوں کے بارہ میں ان کی تحقیقات دوسری قوموں پر ان کا بڑا احسان ہے، انھوں نے اصطرلاب وغیرہ عجیب و غریب فلکی آلات بنائے، ان کے علمائے کیمیا اور طبیبوں نے الکحل نوشادر، گندھک اور تیزاب کے ترشوں اور پانی کے خواص کی تحقیقات کی اور اپنی دواؤں میں کافور، راوند اور سنائے مکی وغیرہ اپنے ملک کی بہت سی جڑی بوٹیاں شامل کیں، انھوں نے اپنے جنگی کارناموں اپنے نامور بہادروں کے حالات کی تحریر، اپنے اشعار کی روایت اور فلسفہ، تاریخ اور علم الاجتماع کی تدوین میں سب قوموں سے پہلے سبقت کی، سب سے پہلے انہی نے ثابت کیا کہ کروی مثلث میں اضلاع کے جیب ان کے زاویوں کے مناسب ہوتے ہیں، وہ گندھک کے تیزاب سے واقف تھے، اس کو انھوں نے پھٹکری سے عطر کیا، چاندی اور رانگے کے پانی اور سونے کے سیال کرنے کے طریقے، نوشادر کے نمک اور سنگ کی اور سنگ سلیمانی سے بھی واقفیت رکھتے تھے، انھوں نے جو اکتشافات کیے تھے، ان سے وہ طب، صنعت و حرفت اور لڑائیوں میں فائدہ اٹھاتے تھے، وہ عمارتوں میں پتھروں کے جوڑنے کا مسالہ بنانے سے بھی واقف تھے، اس کا راز انھوں نے رومیوں سے حاصل کیا تھا انھوں نے غالباً چینیوں سے بھی پہلے توپ کی بارود بنائی تھی اور اہل یورپ سے تو یقیناً پہلے

بنائی تھی، عرب فوجیں اس کو تیرہویں صدی میں استعمال کرتی تھیں، وہ ابتدا سے زمین کے کروی ہونے کے قائل تھے، انھوں نے کاشانی پردوں کی صنعت کی طرف خاص توجہ کی، اس کے بنانے کے طریقوں اور اس کی شکلوں میں بڑی ترقی دی، قرونِ وسطیٰ میں ان کے بنائے ہوئے شیشے کے ظروف اور قندیلیں بہت مشہور تھیں اور یہ صنعت اور ان کی مصنوعات شام سے وینس کے کارخانوں میں گئیں، انھوں نے انہی کے نمونہ پر اپنے یہاں یہ چیزیں تیار کیں، اہل وینس نے آئینہ بنانا بھی انہی سے سیکھا، جو صور میں بنایا جاتا تھا، اسی طریقہ سے خنجر سازی اور پارچہ بانی کی بعض صنعتیں شام و عراق سے اندلس گئیں، چنانچہ ایک کپڑا دمشق کی نسبت سے 'دمسقس' اور ایک موصل کی نسبت سے 'موصلین' کہلاتا تھا، پھر یہ ساری صنعتیں یورپ میں پھیل گئیں۔

ایک مدت تک یورپ میں فلکی، ریاضی اور طبعی فنون عربوں کی تصانیف سے حاصل کیے جاتے تھے، ساتویں صدی کے بعد تک بحر متوسط کی سیادت عربوں کو حاصل تھی، اس لیے انھوں نے اطالویوں اور فرانسیسیوں کو بہت سے عربی الفاظ دیئے، اہل فرانس کی طب کی بنیاد ہی عربی طب پر تھی، اس کے ذریعے انھوں نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کیے، عرب سات صدیوں تک فرانس اور اٹلی میں اندلس سے مختلف علوم وفنون پہونچاتے رہے اور اہل یورپ نے علوم طبعی و ریاضی، فلکیات، کیمیا وغیرہ بہت سے علوم عرب علما اور ان عربی کتابوں سے سیکھے، جن کی اصل ضایع ہو چکی تھی اور صرف ان کے لاطینی ترجمے باقی رہ گئے تھے اور طبعی علوم تو تمامتر عربوں سے حاصل کیے، سترہویں صدی تک ان کا دارومدار تمامتر انہی پر تھا۔(۱)

ایک دوسرے مقام پر سینوبوس لکھتا ہے کہ عربوں کے ذریعہ جو چیزیں یورپ گئیں ان کی تفصیل بہت طویل ہے، نباتات میں گیہوں، مارگیاہ، انگور، کتان، شہتوت، زعفران، چاول، کھجور کے درخت، لیموں، نارنگی، کافی، روئی، نیشکر، زینت و آرایش کے

(۱) الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۲۱۹ تا ۲۲۱ بحوالہ تاریخ تمدنِ چارلس سینوبوس

سامانوں میں دمشق کے موٹے کپڑے، مدبغ کھالیں، زربفت، شاش موصلی باریک سادہ اور پھولدار کپڑے، مخمل اور نقرئی سامان، شکر، مٹھائیوں اور مشروبات کے بنانے کے طریقے علم وفن میں جبر ومقابلہ، حساب ومثلثات، کیمیا اور عربی رقم (اس کو مسلمانوں نے ہندوستان سے لیا تھا) وغیرہ ہمارے بہت سے علوم کے مبادیات عربوں کے ذریعہ آئے، انھوں نے مشرق کی دنیائے قدیم یونان، ایران، ہندوستان اور چین وغیرہ کے علوم وایجادات کو نقل کر کے جمع کر دیا اور ان کو ہم تک پہنچایا، ہماری زبان میں بہت سے الفاظ داخل کیے جو آج بھی اپنی اصل کے شاہد ہیں، عربوں ہی کے ذریعہ مغربی دنیا جو وحشت و بربریت میں مبتلا تھی، تہذیب وتمدن سے آشنا ہوئی، اگر ہمارے افکار اور ہماری صنعتوں کو قدیم سے کوئی تعلق ہے تو وہ تمام ایجادات واختراعات جو زندگی کو آسان اور لطیف بناتی ہیں سب عربوں ہی کے ذریعے ہمارے یہاں آئیں۔(۱)

یہی مصنف لکھتا ہے کہ عرب امرا نے نہروں کے ذریعے آب پاشی کا طریقہ اختیار کیا اور بڑے بڑے کنوئیں کھدوائے، جن لوگوں نے پانی کے نئے منبعوں کا پتہ چلایا ان کو انعامات دئے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے قطعاتِ زمین میں پانی کی تقسیم کی اصطلاحات وضع کیں، اندلس میں آب پاشی کے لیے بڑی بڑی نہریں بنوائیں اور ان سے چھوٹی چھوٹی شاخیں نکالیں، اس کی بدولت بلینسہ کا اوسر میدانی علاقہ گلزار بن گیا، انھوں نے نہر کا مستقل محکمہ قایم کیا جس سے نہروں اور آب پاشی کے متعلق ہر قسم کے معلومات حاصل کیے جاسکتے تھے، ویلیم ویلکاکس کا جو اس زمانہ میں نظام آب پاشی کا سب سے بڑا انجینیر ہے بیان ہے کہ گذشتہ زمانہ میں عراق میں سیرابی کے لیے خلفا نے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ اس زمانہ کے صوبہ جات متحدہ امریکہ اور آسٹریلیا کے سیرابی کے طریقوں کے مشابہ ہیں۔

ریسن کی شہادت: ریسن لکھتا ہے کہ تجارت کے میدان میں عرب سب قوموں سے بازی لے گئے، انھوں نے بحری صنعتوں اور پیشوں کو بڑی ترقی دی، حقوق جہاز رانی کے

(۱) الاسلام والحضارة العربیہ ج ۱ ص ۱۲۲

قوانین بنائے، بحری قطب نما کے استعمال کا طریقہ چینیوں سے حاصل کرکے رائج کیا، تجارت کو بک کیپنگ کے ذریعہ نہایت منظم کردیا، کفالہ کی شرح اور ضرورت مندوں کے لیے بینک قایم کیے اور بل آف اکسچینج کا طریقہ وضع کیا، اس سے جدید یورپ کے لیے بینکنگ سسٹم کا راستہ ہموار ہوا، وہ جہاں قیام کرتے تھے راستوں کو درست کرتے، کشتیوں کے ٹھہرنے کے گھاٹ اور جہاز کے لیے گودیاں بناتے، سرائیں اور خانقاہیں بنا کر قافلوں کے سفر کا نظام قایم کرتے، جس سے اسلامی شہر تجارت کے بڑے مرکز بن گئے۔

اس کے بعد ریسن لکھتا ہے کہ اگر ان باتوں پر تم کو تعجب ہوتا ہے تو اس سے زیادہ تعجب اس پر کرنا چاہیے کہ عربوں کے مسلسل سفروں کی وجہ سے ان میں کیسے کیسے جغرافیہ داں اور اس کے اساتذہ پیدا ہوئے، جنھوں نے بطلیموس کی کتاب کی درستی واصلاح کی اور ایسے ایسے خطے اور نئے نئے ملک دریافت کیے جہاں ان سے پہلے کسی کا قدم نہیں پہونچا تھا اور ان کے نقشے بنا کر اہل یورپ کے لیے سیر وسیاحت کا راستہ کھول دیا۔(۱)

موسیو تا تان کا اعتراف: موسیو تا تان اپنی کتاب جنرل ہسٹری آف سائنس میں عربوں کے علمی کارناموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ہم نے عربوں کی سائنس کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ خیال کہ عرب صرف قدما کے افکار کو متاخرین تک منتقل کرنے والے تھے، حقیقت سے بہت دور ہے، انھوں نے دنیا میں علمی ذوق کو نئے سرے سے بیدار کیا اور یونانیوں کے نظریات کو عملی تجربہ کے کسوٹی پر کسا، ان کی اس اپج کا جو انھوں نے سائنس کے عملی استعمال میں دکھائی، یہ نتیجہ تھا کہ وہ رصد، جرثقیل اور علم کیمیا کے حیرت انگیز آلات کے موجد ہوئے، انھوں نے تاریخ میں پہلی بار اسپتال قایم کیے، جن میں وہ نہ صرف مریضوں کا علاج کرتے تھے بلکہ طبیبوں کی ٹریننگ اور تحقیقات کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

علم وحکمت کی وہ شمع جسے مغرب میں وحشی قبائل نے گل کردی تھی، بحر روم کے

---

(۱) الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ا ص ۲۱۹ بحوالہ العرب والتجارۃ ریسن

کنارے بسنے والی ایک اور قوم (عرب) نے روشن رکھی جس کے فرزند شب و روز اسی دھن میں رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوے ہر شان اور ہر رنگ میں دیکھیں اور اس کی عظمت وقدرت کے گیت گائیں۔(۱)

یہ صرف چند شہادتیں ہیں، یورپین فضلا و محققین نے مسلمانوں کے علمی و تمدنی کارناموں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے بعض اہم کتابوں مثلاً موسیو گستاولی بان کی تمدن عرب، موسیو سدیو کی تاریخ ادب اور مسٹر اس پی اسکاٹ کی ہسٹری آف دی مورس امپائر ان یورپ کا اخبار الاندلس کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، ان کتابوں میں مسلمانوں کے تمدنی کارناموں، ان کے ایجادات و اکتشافات اور مشرق و مغرب خصوصاً یورپ میں اس کے اثرات اور ان پر مسلمانوں کے علمی احسانات کو بڑی تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے، تمدن عرب کے مندرجۂ ذیل ابواب سے اس کا اندازہ ہوگا۔

باب اول عربوں کے علوم کے ماخذ اور ان کے اصول تعلیم و تحقیق، باب دوم عربوں کا فلسفہ اور ادب، باب سوم علوم وریاضی و ہیئت، باب چہارم عربوں کا علم جغرافیہ اور اس میں ان کی تحقیقات وترقیاں، باب پنجم طبعیات اور اس کا استعمال، طبعیات، جرثقیل اور علم کیمیا میں ان کی تحقیقات و اکتشافات، باب ششم علم حیوانات، نباتات، معدنیات اور طبی علوم میں ان کی تحقیقات وترقی، باب ہفتم مصوری، سنگ تراشی اور صنعتی علوم عربوں کی صناعیوں کے ماخذ اور اس کی تاریخی وقعت، باب ہشتم عربوں کا فن تعمیر اس کی تعمیری خصوصیات اور اس کی عمارتوں کا موازنہ، باب نہم عربوں کی تجارت اور مختلف قوموں سے ان کے تجارتی تعلقات، باب دہم یورپ میں عربوں کے تمدن کی اشاعت اور مشرق و مغرب میں اس کے اثرات۔

مشرق و مغرب پر عربوں کے علمی و تمدنی اثرات: ہم دسویں باب کا مختصر خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں، اس سے ایشیا و یورپ پر مسلمانوں کے علمی و تمدنی احسانات کا اندازہ ہوگا، لیبان لکھتا ہے۔

---

(۱) جنرل ہسٹری آف دی سائنس موسیو تاتان

مشرقی ملکوں پر بہت سی قوموں نے تسلط و اقتدار حاصل کیا، ایران، یونان اور روم نے مختلف زمانوں میں ان پر حکومت کی مگر ان ملکوں پر ان کا تہذیبی اثر بہت کم پڑا، ان میں وہ نہ اپنا مذہب پھیلا سکے، نہ اپنی زبان اور اپنے علوم اور صنعت کو فروغ دے سکے، مصر بطلیموسیوں اور رومیوں کے زمانہ میں نہ صرف اپنے مذہب پر قایم رہا بلکہ خود فاتحین نے مفتوحہ قوموں کا مذہب اور طرز تعمیر اختیار کرلیا، چنانچہ ان دونوں خاندانوں نے جو عمارتیں تعمیر کیں، وہ فراعنہ کے طرز کی تھیں۔

لیکن جو مقصد یونانی، ایرانی اور رومی مصر میں حاصل نہ کر سکے وہ عربوں نے بہت جلد اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے حاصل کرلیا، مصر جس کے لیے کسی غیر قوم کے خیالات کا قبول کرنا بہت دشوار تھا، اس نے ایک صدی کے اندر اپنے سات ہزار برس کے پرانے تمدن کو چھوڑ کر ایک نیا مذہب اور ایک نئی زبان اختیار کرلی جو انقلابات کے باوجود اب تک قایم ہے۔

عربوں سے پہلے مصریوں نے ایک ہی مرتبہ اپنا مذہب بدلا تھا اور قسطنطنیہ کے شاہنشاہوں کے جبر و تشدد سے مجبور ہو کر عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا، مگر دل سے اس کو قبول نہیں کیا تھا اسی لیے مسلمانوں کے دور میں انھوں نے بہت جلد اسلام قبول کرلیا جو اب تک قایم ہے، یہی اثر انھوں نے افریقہ کے ملکوں اور شام و ایران پر بھی ڈالا، ان سب میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیل گیا بلکہ جن ملکوں سے وہ گذر گئے مثلاً چین تک میں جہاں ان کی حکومت کبھی قایم نہیں ہوئی اور عرب محض تاجر کی حیثیت سے آتے جاتے تھے اسلام پھیل گیا۔ (۱)

تاریخ عالم میں مفتوح قوموں پر کسی فاتح قوم کے اثرات کی ایسی مثال نہیں ملتی، ان تمام قوموں نے جن کا عربوں سے صرف چند ہی دنوں کے لیے واسطہ رہا ان کا تمدن قبول کرلیا بلکہ بعض فاتح قوموں تک نے مثلاً ترک اور مغل وغیرہ جنھوں نے مسلمانوں کو مفتوح کرنے کے بعد نہ صرف ان کا مذہب اور تمدن اختیار کرلیا بلکہ اس کے بہت بڑے حامی و مبلغ بن گئے، اقبال نے اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) یہی حال انڈونیشیا کا ہے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اور آج بھی جبکہ صدیوں سے عربی تمدن کی روح مر چکی ہے، بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے سندھ تک اور بحر متوسط سے لے کر افریقہ کے ریگستان تک ایک مذہب اور ایک زبان جاری ہے اور وہ پیغمبر اسلام کا مذہب اور ان کی زبان ہے۔

مشرقی ملکوں میں عربوں کا تسلط محض مذہب، زبان اور صنعت وحرفت تک محدود نہیں رہا بلکہ انھوں نے ان ملکوں مثلاً ہندوستان اور چین میں علوم وفنون کی بھی اشاعت کی، عربوں کی علمی فوقیت ہندوؤں پر مسلم ہے، البتہ ان کے معلولات اور بعض مذہبی استدلالات عربوں کے معقولات سے کم نہیں ہیں، اسی طرح اسلام کے روزمرہ کے خیالات اور سادہ فلسفہ کا جو تمام سامی مذاہب کی خصوصیت ہے، ہندوؤں کے دقیق خیالات سے مقابلہ نہ کرنا چاہیے۔(۱)

چینیوں نے عربوں سے ہندوؤں کے مقابلہ میں زیادہ اخذ واستفادہ کیا(۲) مغلوں کی فوج کشی کے ساتھ ہی عربی علوم چین پہونچ گئے تھے، چین کے مشہور ہیئت داں کوشوکنگ نے ۱۲۸۰ء میں ابن یونس کی ہیئت کی کتاب چین میں شایع کی، عربی طب ۱۲۱۵ء میں قبلائی خاں کی فوج کشی کے زمانہ میں چین میں جاری ہوئی، مشرقی قوموں پر عربوں کا یہ علمی تسلط اس زمانہ تک قایم ہے، چنانچہ آج بھی ایرانی عربی تصانیف ہی کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں اور ایران میں عربی زبان کی وہی حیثیت ہے جو قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں لاطینی کی تھی۔

مشرقی ملکوں پر عربوں کے علمی وتمدنی اثرات دکھانے کے بعد مغربی ملکوں پر ان

---

(۱) اسلام ایک سادہ اور عملی مذہب ہے، اس لیے اس کی تعلیمات میں ایسے پیچیدہ اور دور از کار خیالات نہیں پائے جاتے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ (۲) مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے، ہندوستان نے عربوں یا مسلمانوں سے چینیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ استفادہ کیا، ہندوستان میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی اور چین میں کبھی نہیں رہی۔

کے اثرات کے بارہ میں لکھتا ہے۔

مغربی ملکوں پر بھی عربوں کا اتنا ہی اثر ہوا جس قدر مشرقی ملکوں پر ہوا، اسی کی بدولت مغرب نے تہذیب سیکھی، صرف اتنا فرق ہے کہ مشرق میں عربوں کا اثر مذہب، زبان، علوم وفنون اور صنعت وحرفت سب پر پڑا اور مغرب پر مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑا، صنعت وحرفت پر نسبتاً کم اور علوم وفنون پر بہت زیادہ پڑا، نویں اور دسویں صدی عیسوی میں جب اندلس میں عربوں کا تمدن اوجِ شباب پر تھا، اس وقت ہمارے علمی مرکز بے ڈھنگے قید خانے تھے، جہاں امرائیم وحشی حالت میں رہتے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا، عیسائیوں میں سب سے بڑے عالم وہ جاہل راہب تھے جو خانقاہوں کے کتب خانوں کی یونان وروم کی چرم اوراق کی کتابوں کی تحریروں کو مٹا کر ان پر اپنی مہمل تصانیف لکھتے تھے۔

ایک زمانہ تک اہل یورپ ایسی وحشیانہ جہالت میں مبتلا تھے کہ ان کو خود اس کا احساس نہ تھا، گیارہویں صدی اور زیادہ تر بارہویں صدی سے ان میں کسی قدر علمی احساس پیدا ہوا، اس وقت چند روشن خیال اشخاص نے عربوں کی جانب جن کو اس زمانہ میں استادوں کا درجہ حاصل تھا رجوع کیا۔

یورپ میں عربی علوم جنگ صلیبی کے ذریعہ نہیں بلکہ اندلس، سسلی اور اٹلی کے ذریعے پہونچے اور ۱۱۳۰ء میں طلیطلہ کے رئیس الاساقفہ ریمانڈ کی سرپرستی میں مترجمین کا ایک ادارہ قایم ہوا، جس نے مختلف فنون کی مشہور عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا، ان ترجموں سے یورپ کی آنکھوں کو ایک نئی دنیا نظر آنے لگی، چودہویں صدی تک اس ترجمہ کا سلسلہ جاری رہا اور نہ صرف رازی، ابن سینا اور ابن رشد وغیرہ کی تصانیف بلکہ یونانی حکماو فلاسفہ جالینوس، بپو، قراطیس، افلاطون، ارسطو، اقلیدس، بطلیموس وغیرہ کی تصانیف کے عربی تراجم سے ان کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا، ڈاکٹر لکرک نے اپنی تاریخ میں تین سو سے زیادہ عربی تصانیف کے لاطینی ترجموں کا ذکر کیا ہے، قرونِ وسطیٰ میں اہل مغرب کو یونانی تصانیف

کا علم ان کے عربی تراجم ہی کے ذریعہ ہوا اور انہی کے ذریعہ وہ کتابیں ہم تک پہونچیں، جن کی اصل ضائع ہو چکی تھی مثلاً اپولونس کی کتاب المخروطات جالینوس کی کتاب امراض متعدیہ اور ارسطو کی کتاب الاحجار وغیرہ اس لیے دنیا کو عربوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس بیش بہا ذخیرہ کو تلف ہونے سے بچالیا، موسیو برنی لکھتے ہیں کہ اگر عربوں کا نام تاریخ سے نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدی پیچھے ہٹ جاتی۔

دسویں صدی میں اندلس میں عربوں کے قیام کی بدولت کم سے کم یورپ کے ایک گوشہ میں علم وادب کا چرچا باقی رہا جو اس کے ہر حصہ حتی کہ قسطنطنیہ سے بھی ختم ہو چکا تھا، اس زمانہ میں اسلامی مشرق ومغرب اور عربی اندلس کے سوا کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں علم حاصل کیا جا سکتا۔

یورپ کے وہ معدودے چند لوگ جنھیں علم کا شوق ہوتا تھا انہی مقامات پر تحصیل علم کے لیے جاتے تھے، دسویں صدی تک اہل یورپ کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص گربرٹ نے جو ۹۹۹ء میں سلوسٹر دوم کے نام سے پوپ بن گیا تھا تحصیل علم کی تھی، مگر جب اس نے یورپ میں اس کی اشاعت کرنا چاہی تو اس پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا گیا۔

پندرہویں صدی تک علمی کاموں میں کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہیں دیا جاتا تھا جس نے عربوں سے نقل نہ کیا ہو، راجر بیکن، پیسا کا لیونا ڈ، ڈیل نو کا آرنو، سینٹ ٹامس، البرٹ بزرگ، الفانسو دہم یا عربوں کے شاگرد تھے یا انھوں نے ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا، موسیو رینان لکھتے ہیں کہ البرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کا سارا فلسفہ ابن رشد سے ماخوذ ہے۔

کامل پانچ چھ صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں کا دارومدار تمامتر عربی کی ترجمہ شدہ کتابوں خصوصاً ان کی علمی تصانیف پر رہا، طب میں عربوں کا تسلط ہمارے زمانہ تک قایم رہا، چنانچہ گذشتہ صدی کے آخر تک فرانس میں ابن سینا کی تصانیف کی شرحیں لکھی جاتی تھیں یورپ کی درسگاہوں پر عربی علوم کا اس درجہ تسلط تھا کہ فلسفہ میں بھی جس میں عربوں نے

زیادہ ترقی نہیں کی تھی انہی کی تصانیف پر دارومدار تھا، تیرہویں صدی کی ابتدا سے ہماری درسگاہوں میں ابن رشد ہی کا فلسفہ رائج تھا، ۱۴۷۳ء میں جب لوئی یازدہم نے نصاب تعلیم مرتب کیا تو حکم دیا کہ فلسفہ میں ابن رشد اور ارسطو کی کتابیں پڑھائی جائیں، اطالیہ کے دارالعلوموں میں خصوصاً پیڈوا میں عربی علوم کا تسلط فرانس سے کم نہ تھا، ان دارالعلوموں میں عربوں کی تصانیف کی وہی وقعت تھی جو نشاۃ ثانیہ کے بعد یونان وروم کی ہوگئی تھی۔(۱)

اسی تفصیل کے ساتھ موسیوسدیو اور مسٹر اس پی اسکاٹ نے مسلمانوں کے علمی کارناموں کو دکھایا ہے، مسٹر اس پی اسکاٹ لکھتے ہیں کہ

> ''فریڈرک دوم نے مسلمانوں کے علم وفضل کو تمام یورپ میں پھیلایا جو ممالک اس کے زیر نگیں نہ تھے ان میں بھی تعلیمی تحریک پیدا ہوگئی، خوش عقیدہ لوگ اس کی آزاد خیالی سے بہت گھبراتے تھے، عرب فلسفیوں اور سیاست دانوں پر جتنا فریڈرک کو اعتماد تھا اور جتنے گہرے تعلقات ان سے تھے اور کسی سے نہ تھے، مانٹ پیلیئے اور سلرنو کے مدارس ایک دوسرے کے معاصر تھے، اسی کی بدولت وہ یورپ جس پر ظلمت چھائی ہوئی تھی، وہ ابن رشد کے فلسفہ، ابن بیطار کے علم نباتات، ابوالقاسم زہراوی کے علم جراحی، ابن العوام کے علم الفلاحت اور ابن الخطیب کے علم تاریخ سے واقف ہو، وہ اصول جو ایمنڈ اور فریڈرک کے فلسفیوں نے اختراع کیے تھے وہی لارڈ ہوگوناٹ اور پیوری ٹن مذاہب کی بنیاد قرار پائے، دینی و دنیوی آزادی کی وہ برکات جن سے آج مہذب اور روشن خیال دنیا کے باشندے مستفید ہورہے ہیں وہ عجیب وغریب کلیں جو انسانی محنت ومشقت کو ہلکا، تکلیف کو کم، رسل ورسائل میں آسانی، تجارت کا شوق، مصنوعات

---

(۱) یہ پورا بیان تمدنِ عرب کا خلاصہ ہے، دیکھو ص ۵۱۰ تا ۵۱۶

میں ترقی بالجملہ نسل انسانی کی راحت کے تمام سامان مہیا کرتی ہیں، بالواسطہ نتیجہ میں ان فلسفیانہ تحقیقات اور سائنٹفک ترقیوں کا جن کے محرک صقلیہ کے نارمن بادشاہ شاہ فریڈرک اور فالیان پروینس ہوئے، پر حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ بادشاہ باشندگانِ عرب کی قابلیت اور تہذیب کو نہ دیکھتے تو ان کے خواب وخیال میں بھی وہ باتیں پیدا نہ ہوتیں، اس لحاظ سے یہ تمام برکات جو دنیا و مافیھا میں نظر آتی ہیں، وہ سب عربوں کے طفیل میں ہیں۔"(۱)

رابرٹ برنالٹ لکھتا ہے کہ

"تمدن اسلام کا اثر یورپ پر سب سے زیادہ فریڈرک دوم کے زمانہ میں پڑا، جو ازمنۂ وسطیٰ کا سب سے بڑا عیسائی فرمانروا تھا، اگر یورپ کے براعظم کو وحشت وجہالت کی گہرائیوں سے نکال کر شاہراہِ ترقی وتمدن پر لانے کا سہرا کسی کے سر ہے تو وہ فریڈرک ہے، اس کے دربار میں مسلمان ماہرین علوم کا اجتماع رہتا تھا، وہ لوگ ریاضی اور علم نباتات کے متعلق ضروری معلومات پر بحث کرتے تھے، یہ دربار یورپ کے درباروں سے بالکل مختلف تھا، ان کے یہاں جہالت اور توہمات کا دور دورہ تھا، فریڈرک نے نیپلز، مسینا اور پیڈوا میں یونیورسٹیاں قایم کیں اور سلرنو میں طبی مدرسہ قایم کیا، جس میں مسلمانوں کے طریق علاج کی تعلیم دی جاتی تھی، اس نے یورپ میں ریاضی کے معلمین کی ہمت افزائی کی، یہود اور مسلمان علما کو جمع کر کے ہر دستیاب ہونے والی عربی کتاب کا ترجمہ کرایا، اپنے ایک دوست میکائیل کو قرطبہ بھیج کر ابن رشد کی کتابیں مہیا کیں اور اس

(۱) اخبار الاندلس ج ۳ ص ۵۸-۵۹ و ۱۰۵ و ۱۰۷ ملخصاً

کی نقلیں اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں درس و تدریس کے لیے بھیجیں۔‘‘(۱)

یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ ضخیم کتاب بھی اس کے لیے کافی نہیں ہے، ایک باب میں اس کو سمیٹنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے، اس لیے اختصار کے باوجود یہ باب طویل ہو گیا ہوگا، اس لیے اس باب کو ہم مسٹر اسکاٹ کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں۔

خاتمہ: ’’یورپ کی تاریخ میں خاندان بنی امیہ کی حکومت کا قیام سب سے بڑا اور اہم واقعہ ہے، حالت جنگ اور صلح میں ان کے شریفانہ افعال ایسے تھے کہ ہر مسلمان خواہ پردۂ دنیا کے کسی ملک کا ہو اور ہر عربی النسل اگر ان پر فخر کرے تو بالکل بجا ہے، قابل فخر ہے، ان کا دیرپا خاندان اور ان کے یکے بعد دیگرے باشان وشکوہ روشن دماغ اور قابل فخر بادشاہ، قابل فخر ہیں ان کی فتوحات قابل فخر ہے، ان کی تہذیب جو روم کی شان وشوکت اور تہذیب سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی، جس کی نقل اتارنے میں موجودہ تہذیب بھی کامیاب نہیں ہوسکی ہے قابل فخر ہے، ان کی زرعی خوشحالی قابل فخر ہے، ان کی عمارتوں کی خوبصورتی اور شوکت جو باوجود کھنڈر ہونے کے اب تک دلکش ہیں قابل فخر ہیں، ان کا عظیم الشان دارالخلافہ قابل فخر ہے، ان کا طریقۂ تعلیم، ان کا مکمل تعلیمی نظام، ان کے کالج، ان کے مذاکرات علمیہ اور ان کے کتب خانے قابل فخر ہیں، ان کے علما کا علم و فضل، ان کے جراحین، ان کے اطبا، ان کے عالمان نباتات، ان کے عالمان ہیئت، ان کے ریاضی داں قابل فخر ہیں، ان کے فلسفیوں کے نظریے جو باوجود اس کے کہ انسانی رایوں میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے اور لوگوں کے عقاید بھی جدا جدا ہیں تاہم وہ ایک ہزار برس تک من وعن قایم رہے اور زمانۂ حال کے روشن دماغ اور روشن خیال لوگ ان کو صحیح مانتے چلے آرہے ہیں۔‘‘(۲)

اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کہ زمانہ حال کی سائنس ہر چیز میں اہل عرب کے دل ودماغ کی احسان مند ہے، ان کی عالی مرتبت سائنٹفک تحقیقات بمنزلہ طبیعت ثانیہ

(۱) تاریخ ارتقائے انسانی رابرٹ برنالٹ ملخصاً (۲) اخبارالاندلس ج ۳ ص ۷۵۱

کے تھی، حکومت کے ہر شعبہ میں زندگی کے ہر درجہ میں اور علم کی ہر شاخ میں اسی کا دور دورہ تھا انتہا یہ ہے کہ دین مقدس کی چہار دیواری بھی اس سے محفوظ نہیں رہی، آٹھ سو برس کامل علم و ادب کی اشاعت اور تجربات واکتشافات میں انہماک اہل عرب کی درخشندہ خصوصیات اور بادشاہانِ اسلام کے روشن ترین امتیازات رہے ہیں اور موجودہ تہذیب وتمدن کا وجود انہی کی مساعی شاقہ کا نتیجہ ہے، اس کے باوجود اگر یہ تہذیب وتمدن ان کا شکر گزار نہ ہو تو یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔(۱)

ان شہادتوں سے اندازہ ہوگا کہ اسلام صرف دینی، اخلاقی اور روحانی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ خالص مادی اور دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی عالم انسانیت کے لیے سراسر رحمت ہے، جس کے احسانات سے دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆

---

(۱) اخبار الاندلس ص ۵۸۴

حرفے چند با امت عربیہ

لیکن آج مسلمانوں کے زوال اور پستی کا جو حال ہے اس کو دیکھ کر یہ ساری داستان ایک قصۂ پارینہ معلوم ہوتی ہے، جو صرف تاریخ کے اوراق کی زینت ہے، حکیم الاسلام علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں جو عربوں کو مخاطب کر کے کہی تھی، ان کے عروج و زوال اور اس کے اسباب کو بڑے موثر انداز میں دکھلایا ہے، اس لیے ہم اس نظم پر اس داستان کو ختم کرتے ہیں۔(۱)

اے در و دشتِ تو باقی تا ابد — نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد

رمزِ الا للہ کرا آموختند ؟ — ایں چراغ اول کجا افروختند

علم و حکمت ریزہ از خوان کیست — آیۂ فاصبحتم اندر شان کیست

از دم سیراب آں امی لقب — لالہ رست از ریگ صحرائے عرب

حریت، پروردۂ آغوش اوست — یعنی امروزِ امم از دوش اوست

او دلے در پیکرِ آدم نہاد — او نقاب از طلعتِ آدم کشاد

ہر خداوند کہن را او شکست — ہر کہن شاخ از نم او غنچہ بست

گرمیٔ ہنگامہ بدر و حنین — حیدر و صدیق و فاروق و حسین

سطوت بانگ صلوٰۃ اندر نبرد — قرأۃ الصّٰفّٰت اندر نبر

تیغ ایوبی نگاہِ بایزید — گنجہائے ہر دو عالم را کلید

---

(۱) یہ نظم بہت طویل ہے، اس لیے ہم نے اس کے کچھ اشعار جو غیر ضروری تھے، نکال دیے ہیں۔

عقل و دل را مستی از یک جام مے — اختلاط ذکر و فکرِ روم و رے

علم و حکمت شرع و دین نظم امور — اندرونِ سینہ دلہا ناصبور

حسن عالم سوز الحمراء و تاج — آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج

ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست — یک تجلی از تجلیاتِ اوست

حق ترا براں تر از شمشیر کرد — ساربان را راکب تقدیر کرد

بانگ تکبیر و صلوٰۃ و حرب و ضرب — اندراں غوغا کشا و شرق و غرب

اے خوش آں مجذوبیِ و دل بردگی — آہ ازیں دلگیری و افسردگی

کار خود را امتاں بروند پیش — تو ندانی قیمت صحرائے خویش

امتے بودی امم گر دیدۂ — بزم خود را خود زہم پاشیدۂ

ہر کہ از بندِ خودی وارست، مرد — ہر کہ بابیگانگاں پیوست، مرد

آنچہ تو باخویش کردی، کس نکرد — روح پاک مصطفےٰ آمد بدرد

اے ز افسونِ فرنگی بے خبر — فتنہا در آستینِ او نگر

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد — وحدتِ اعرابیاں صد پارہ کرد

تا عرب در حلقۂ دامش فتاد — آسماں یک دم اماں اور انداد

عصر خود را بنگر اے صاحب نظر — در بدن باز آفریں روحِ عمرؓ

قوت از جمعیتِ دینِ مبیں — دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں

بگزر از دشت و در و کوہ و دمن — خیمہ را اندر و جود خوش زن

عصر حاضر زادۂ ایام تست — مستی او ز مے گلفام تست

شارحِ اسرار او تو بودۂ — اولیں معمارِ او تو بودۂ

تا بہ فرزندی گرفت اور افرنگ — شاہدے گردید بے ناموس و ننگ

مرد صحرا پختہ ترکن خام را

بر عیارِ خود بزن ایام را